قلوپطره

قلوپطرہ

اُردو میں سستی اور معیاری کتابوں کا پہلا کامیاب ترین سلسلہ

میری لائبریری

۹

سلسلۂ تاریخ وسوانح کی دوسری کتابیں

دس بڑے مسلمان	محمد اسمٰعیل پانی پتی
الزہرا	عمر ابو النصر
الحسین	عمر ابو النصر
خالد سیف اللہ	ابو زید شلبی
ابوبکر، صدیق اکبرؓ	محمد حسین ہیکل
عمر، فاروق اعظمؓ	محمد حسین ہیکل
امیر معاویہ	انیس ذکریا
امام زین العابدین (علی بن حسین بن علی)	عبد العزیز سید الاہل
ابوذر غفاری	عبد الحمید جودۃ السحار
عمر بن عبد العزیز	احمد زکی صفوت
تذکرہ	ابو الکلام آزاد
رابعہ بصریؒ	وداد السکاکینی
المامون	علامہ شبلی نعمانی
الہارون	عمر ابو النصر
روپ متی	سید فیاض حسین
سلطان محمد فاتح	محمد مصطفیٰ صفوت
سلطانی محلوں کے راز	جمال پاشا الغزی

قلوپطرہ

ملکۂ مصر ——— ملکۂ جلال و جمال

آرتھر ویگل

ماہر مصریات

ترجمہ

ناظر حسن زیدی

میری لائبریری — لاہور ۸

جملہ حقوق دائمی بحق بشیر احمد چودھری محفوظ ہیں

پہلی مرتبہ میری لائبریری ہی میں

ناشر : بشیر احمد چودھری

طابع : نقوش پریس لاہور

لونس

لونی

پیش لفظ

"جو شخص اس بات کا معتقد ہو کہ صدہا قرن پہلے کے واقعات آج کل کے واقعات سے زیادہ اہمیت نہیں رکھتے اس سے یہ توقع رکھنا عبث ہے کہ وہ تاریخ کا صحیح مطالعہ کرسکے گا"

امرسن

میں نے اس خیال سے کہ قاری کی توجہ منتشر نہ ہونے پائے اس کتاب میں حوالوں اور حواشی کی بھرمار کرنے سے پرہیز کیا ہے۔ میرے مآخذ اتنے جانے پہچانے ہیں کہ میں نے حواشی وغیرہ غیر ضروری سمجھے اور اس طرح تاریخ نویسی کا یہ اصول قائم رکھ سکا کہ وہ تمام حوالے اور یادداشتیں قلم زد کر دی جائیں جنھیں ترک کر دینے سے کوئی بنیادی نقصان نہ ہو۔ مگر میرے ایک ذی علم دوست نے جس سے اس کتاب کی تصنیف پر تبادلۂ خیالات ہوا مجھے ہدایت کی کہ یہ اصول غلط ہے اور ماضی کی شخصیتوں کو جیتی جاگتی صورت میں پیش کرنے کے لیے متعلق اور غیر متعلق حواشی درج کر دینا ایک محفوظ طریقہ ہے۔

دوست موصوف کی یہ رائے فقط ایک محدود طبقے کی ترجمان ہے اور میرے نزدیک علم و فضل کا یہ نمائشی نقاب جس قدر جلد اتار پھینک دیا جائے تعلیم کے حق میں مفید ہوگا۔ میری رائے میں عہدِ عتیق کی تاریخ کا مطالعہ انسان کے لیے بڑا اطمانیت بخش ہے بشرطیکہ مؤرخ تاریخ لکھتے وقت قارئین کی افتادِ طبع کا پورا خیال رکھے۔ اگر یہ اصول ملحوظ رکھے جائیں تو امرسن کا خواب شرمندۂ تعبیر ہوسکتا ہے کہ

"تاریخ ایک خشک مضمون ہونے کے بجائے اتنی دلکش اور دلنشیں ہوجائے گی کہ اس کا ایک ایک حرف سمجھدار آدمی کے دل و دماغ میں اتر جائے گا اور اس کے کہے بغیر اس کے ہر انداز سے ٹپکے گا کہ وہ عہدِ عتیق کے کتنے ہی دور بچشم خود دیکھ چکا ہے۔"

میں نے اس کتاب میں یہی خصوصیات قائم رکھنے کی کوشش کی ہے اگرچہ مجھے اپنی ادبی

کم مائیگی کا احساس ہے اور ممکن ہے کہ میں قارئین کو روحِ عصر سے اچھی طرح آشنا نہ کر سکوں پھر بھی اتنا کہہ سکتا ہوں کہ میں اپنی دنیائے تصور میں مصرِ قدیم کی شخصیتوں کا ہمدم و ہمراز رہ چکا ہوں۔

راقم الحروف نے اس تالیف میں یونانی اور رومی مصنفین سے استفادہ کیا ہے۔ مثلاً پلوٹارک، سسرو، سوٹونیس، اسٹرابو، ایپی ین، ڈایوڈورس، سیکولس، لیوی، پطرکولس، طیبس فلورس، لاشین، وسٹیس وغیرہ۔ معاصرین میں فیریرو، بوشے، لیکلیرک، مہافی، مومسن کی تالیفات سے استفادہ کیا گیا ہے۔ یہ مآخذ سرکاری لائبریری میں دستیاب ہو سکتے ہیں اور جن اصحاب کو میری روایات کی صحت و عدم صحت کا جائزہ لینا ہو وہ ان مصنفین کی کتابوں سے رجوع کرنے کا پورا حق رکھتے ہیں۔

قلوپطرہ کے بارے میں سوانح نگاروں کا نقطۂ نظر مختلف ہو سکتا ہے ممکن ہے کہ ایک شخص مصر کی اس ملکہ کو انتہائی بدکردار اور بے باک سیاہ کار سمجھے۔ ہو سکتا ہے کہ اس کے متعلق یہ فیصلہ کیا جائے کہ وہ طبعاً نیک تھی لیکن صبر آزما حالات سے دوچار ہونے کے باعث اس کے پائے ثبات میں لغزش آگئی۔ اس کتاب میں راقم الحروف کا نقطۂ نظر یہی ہے کہ یہ نامور ملکہ نامساعد حالات سے دوچار ہوئی۔ اس طرح قلوپطرہ کے ان افعال کو جو بصورتِ دیگر انتہائی سیاہ کارانہ سمجھے جاتے، مناسب رعایت سے پیش کیا گیا ہے۔

سوانح نگار کی خوش قسمتی ہے کہ عہدِ قدیم کے اشخاص کا ذکر کرتے وقت اس سے ان کے اچھے یا برے افعال کی وضاحت کا مطالبہ نہیں کیا جاتا کسی ہمعصر شخصیت کی سوانح عمری لکھتے وقت یہ مطالبہ صحیح ہے مگر عہدِ قدیم کی شخصیتوں کو بالعموم رعایت ملتی ہے۔ ان کا سوانح نگار ان کی طرف سے معذرت کر سکتا ہے اور اس پر کوئی شخص یہ الزام نہیں لگا سکتا کہ وہ ضابطۂ اخلاق کی حدود سے تجاوز کر رہا ہے۔ اس کے برعکس ہم عصر شخصیتوں کی غلطیوں سے درگزر کرنا ممکن نہیں۔ مؤرخ ان کی لغزشوں اور اپنی ناپسندیدگی کو متعدد طریقوں سے دکھا سکتا ہے۔ زندہ شخصیتوں کی غلطیوں سے درگزر کرنا غیر ممکن ہے مگر ہمدردی ان قرنوں پرانے اشخاص کی سوانح عمری لکھتے وقت مؤرخ کو یہ رعایت ملتی ہے کہ وہ ان کی غلطیوں پر اصلاحی نظر ڈالے تخریب میں تعمیر کا پہلو قائم رکھے اور مناسب طریقوں سے اپنے پوشیدہ کرداروں کو جیتا جاگتا بنا کر پیش کرے۔ خدائے غفور کی بارگاہ سے اسے اجازت

ہے کہ اُن بدنصیبوں کو شک کا فائدہ دے۔ اب اگر وہ کسی شخص یا خاندان کو سراسر سیاہ کار ٹھہرانے پر تُل جائے تو اُس کے یہی معنی ہوں گے کہ وہ جوشِ نفرت میں خدائے حیّ و قیوم کی عطا کردہ رعایت کو ٹھکرا رہا ہے۔

غرض مؤرّخ کا فرض ہے کہ زیرِ نظر واقعات کو ہمہ گیر نگاہ سے پرکھے۔ بالخصوص قلوپطرہ کے معاملے میں رومی مؤرّخوں کے نقطۂ نظر سے اتفاق نہ کرے کیونکہ اہلِ روم قلوپطرہ کو خاندانِ قیصری (روم) کا موروثی دشمن سمجھتے تھے۔ ایمرسن کا قول ہے کہ تاریخ کا مطالعہ کرتے وقت ہمیں یونانیوں کے ساتھ یونانی، رومیوں کے ساتھ رومی، بادشاہ کے ساتھ بادشاہ اور شہری کے ساتھ شہری بن جانا چاہیے۔ اِس لحاظ سے قطعاً غلط ہوگا کہ ہم قلوپطرہ کے حالات پڑھتے وقت اُن خیالات کے تابع ہو جائیں جو کسی زمانے میں ایک قوم (رومیوں) نے قائم کر لیے تھے۔ علاوہ بریں بُعدِ زمانی کا بھی لحاظ رکھنا لازم ہے۔ قلوپطرہ کو اخلاق کے اُس معیار سے نہ جانچنا چاہیے جو آج دو ہزار سال کی تہذیب کے بعد قائم ہو کر ہمارے لیے باعثِ فخر ہے۔ اچھائی اور برائی اضافی چیزیں ہیں جن کی حدود ہر زمانے کی رائے عامّہ متعیّن کرتی ہے۔ ہو سکتا ہے کہ جو بات آج مستحسن ہے وہ ماضی یا مستقبل کے معیار پر بُری قرار پائے۔ ملکۂ مصر کے حالات پڑھتے وقت ہمیں اخلاق و تہذیب کا موجودہ معیار نظر انداز کر کے مصری دربار کی اُس فضا میں محو ہو جانا چاہیے، جو آج سے دو ہزار سال پہلے قائم تھی۔ یہ سچ ہے کہ ہمارے موجودہ تصوّرات ہمارے رگ و پے میں سمائے ہوئے ہیں مگر سچے مؤرّخ کا فرض ہے کہ قومیت، وطن اور زمان و مکان کی زنجیروں سے آزاد ہو جائے اور عہدِ عتیق سے پورا انصاف کر کے وسیع النظری اور آفاقیت کا ثبوت دے۔

آرتھر ویگل

ایک

جن اشخاص کو قلوپطرہ کے حالاتِ زندگی معلوم کرنے کا شوق ہے اُن پر یہ حقیقت روشن ہوجائے گی کہ اُس کے کردار کی جو تصویر ہمارے سامنے ہے وہ اُن مصنفوں کی پیش کردہ ہے جو انطونی اور آکٹیوین کے جھگڑے میں اُس کے مخالف تھے۔ زندگی کے آخری چند سال میں مصر کی یہ عالی ہمت ملکہ قیصرِ روم (اوّل) کی جانی دشمن تھی۔ نتیجہ یہ کہ خاندانِ قیصر کے طرفدار اِس تاریخی قضیے کو تعصب کی عینک سے دیکھتے رہے۔ یہ داستان کہ جولیس سیزر اور انطونی سے قلوپطرہ کے تعلقات شرمناک تھے، دراصل انھیں دشمنوں کی رنگ آمیزی کا نتیجہ ہے۔ اس کے بالمقابل کسی ایسے مورخ کی تحریر آج دستیاب ہی نہیں ہوتی جو اس جانباز ملکہ کا طرفدار ہو۔ یہ بات قابلِ توجہ ہے کہ رومی مؤرخین میں سے جو شخص قلوپطرہ کے ساتھ انصاف سے پیش آیا ہے وہ پلوٹارک ہے۔ وجہ یہ کہ اس کی تحریروں کا ماخذ بیشتر وہ یادداشتیں ہیں جو قلوپطرہ کے ڈاکٹر اولمپس نے قلمبند کی تھیں۔

میرا مقصد یہ نہیں کہ ملکہ کی وکالت کر دوں مگر اسے اپنا فرض سمجھتا ہوں کہ اُس پرآشوب دور کے حالات بیان کرتے وقت ملکہ کے عزائم کی صحیح تصویر قاری کے سامنے رکھ دی جائے۔ مجھے یقین ہے کہ اگر میں واقعات کو وضاحت سے بیان کرنے میں کامیاب ہوجاؤں تو قلوپطرہ کسی وکالت کے بغیر ہی اپنے افعال میں حق بجانب ثابت ہوگی اور اس کی شخصیت اس عجیب و غریب داستان کی شخصیتوں کے مقابلے میں زیادہ داغدار دکھائی نہ دے گی۔

رومی مؤرخوں کو اس عالی حوصلہ ملکہ سے جو بغض و عناد ہے وہ منصف مزاج قاری پر

محض ایک مثال سے واضح ہو جائے گا۔ میری مراد اس تعلق سے ہے جو قلوپطرہ اور جولیس سیزر کے درمیان تھا۔ قدیم اور معاصر مؤرخوں کا مسلّمہ نقطۂ نظر یہ ہے کہ مشرق کی اس بدمست کافر ادا ساحرہ نے اس عظیم الشان فاتح کو اپنی زلفِ گرہ گیر کا اسیر کر کے اس کے تمام عظیم منصوبوں پر پانی پھیر دیا حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ اس واقعے کے وقت قلوپطرہ ۲۱ سالہ دوشیزہ تھی جس کی پاک دامنی کے خلاف کوئی قابلِ اعتماد شہادت موجود نہیں۔ اس کے برعکس جولیس سیزر ایک پختہ سال ہزار شیوہ رند تھا جو بے شمار دوستوں کی بیویوں اور لڑکیوں کی زندگی تباہ کر چکا تھا۔ اس کی سیاہ کاریاں الم نشرح تھیں۔ ان حقائق کی موجودگی میں قلوپطرہ کو مجرم سمجھنے کی کوئی وجہ نہیں۔ میں یہ نہیں کہتا کہ قلوپطرہ اپنے عہد کی عظیم ترین خاتون تھی۔ پھر بھی نظرِ انصاف سے دیکھیں اور دستورِ عدالت کے مطابق شک کا فائدہ اس 'مجرم' کو دیا جائے تو وہ اپنے زمانے کی ایک معقول خاتون قرار پائے گی۔ عصرِ قدیم کا مؤرخ ہونے کی حیثیت سے مجھے حق حاصل ہے کہ اس کی طرف سے معذرت پیش کروں مگر میں صرف واقعات پیش کر دینے پر اکتفا کروں گا۔ دوسرے مؤرخوں کے بیانات پر اعتماد کرنے کے دوش بدوش اگر اصلی واقعات پر نظر رکھی جائے تو ملکۂ مصر کے دامن سے بدنامی کے داغ دور ہو جائیں گے اور وہ اپنے زمانے کی ان مشہور شخصیتوں میں سے ایک شخصیت نظر آئے گی جو نہ سراسر بُری تھیں اور نہ کاملاً نیک کردار۔

قلوپطرہ کی شکل و صورت کے متعلق صحیح تفصیلات دستیاب نہیں ہوتیں۔ مؤرخ حیران ہے کہ وہ اُس کا حلیہ اور وضع قطع کیونکر لکھے مگر اُس کے فرائض مجبور کرتے ہیں کہ وہ اپنے کرداروں کی جیتی جاگتی تصویریں پیش کرے اور ہماری چشمِ تصور کے سامنے اُن کی شخصیت مجسّم کر کے دکھائے خواہ اُس کی محسوس کردہ شخصیت کے نقوش بجائے خود صحیح ہوں یا غلط۔ قلوپطرہ کی یادگاریں اتنی کم ہیں کہ اُن سے اُن کا خاکہ کھینچنا مشکل ہے۔ ہم مجبور ہیں کہ تخیّل سے مدد لے کر اُس پیکرِ ناز کا تصوّر قائم کریں جسے مصر کی مٹی میں ملے دو ہزار برس گزر چکے ہیں۔

قلوپطرہ کے خط و خال کے نقوش یا تو چند سکّوں پر نظر آتے ہیں یا برٹش میوزیم کے اُس

مجسّمے پر جو فن کاری کا بہت ادنیٰ نمونہ ہے۔ کچھ معلوم نہیں اس کی آنکھوں اور بالوں کا رنگ کیسا تھا۔ نہ یہ پتا چلتا ہے کہ وہ مقدونیہ کی بیگمات کی طرح گوری چٹّی، شمع رو یا اکثر مصری خواتین کی طرح کسی قدر ملیح تھی۔ یہ بھی اندازہ نہیں کہ وہ کیسی یا کتنی حسین تھی۔ یہ بھی نہیں کہا جا سکتا کہ اُسے مصری عورتوں کی ملاحت، مشرق کی سیاہ نیم باز مست آنکھیں اور سیاہ بل کھائی ریشمی زلفیں عطا ہوئی تھیں۔ مقدونیہ کی عورتوں کے بال بالعموم سُرخی مائل اور آنکھیں نیلگوں ہوتی ہیں۔ اُن تمام ملکوں میں، جو بحیرۂ روم کے مشرق میں واقع ہیں، یہی رنگتیں دیکھی جاتی ہیں۔ بایں ہمہ ان تمام باتوں کے پیشِ نظر یہ کہہ سکتے ہیں کہ وہ حسنِ ملیح کا نمونہ تھی اگرچہ یہ فیصلہ محض قیاسات پر مبنی ہے۔

عام خیال یہی ہے کہ وہ نازک اندام تھی۔ بوٹا سا قد، عقابی اُبھری دار ناک جس کے نازک نتھنے عالی خاندانی کا اشارہ کرتے تھے۔ مختصر خوشنما دہانہ، ترشے ہوئے ہونٹ، دلفریب بڑی بڑی آنکھیں، ستواں ابرو، رخسار اور ٹھوڑی کے خطوط میں ہم آہنگی جس سے چہرے کے تیکھے نقوش میں ملایمت پیدا ہو گئی تھی۔ غرض نزاکت کے باوجود اُس کے خد و خال میں تیکھا پن صاف محسوس ہوتا تھا۔ پلوٹارک کا بیان ہے کہ اُس کا حُسن بے مثال یا دلفریب نہ تھا۔ اُس سے کہیں زیادہ حسین آکٹیویا تھی جو بعد میں انطونی کی رفیقۂ حیات بنی۔ مگر دوسرے مؤرخوں کی طرح پلوٹارک بھی تسلیم کرتا ہے کہ اُس میں ایک ناقابلِ فہم کشش تھی۔ ڈیون کیشیس لکھتا ہے کہ اس کی تقریر کی لذت اور حُسن کی کشش بے پناہ تھی۔ ہوش و خرد کے وہ مدعی، جن پر کیوپڈ کے تیر ہمیشہ خطا ہوتے تھے اور وہ بوڑھے جن کے دل برف کی قاش کی طرح بےحس تھے، اُس کے سامنے آتے ہی مسحور و بیخود ہو جاتے تھے۔

گمانِ غالب ہے کہ اُس کا قد و قامت مختصر تھا۔ جیسا کہ آگے بیان ہوگا، ایک مرتبہ شاہی محل میں داخل ہونے کے لیے اُس نے یہ عجیب ترکیب اختیار کی کہ کسی خادم نے اسے بستر میں لپیٹ دیا اور بستر کو کاندھے پر اُٹھا کر قصرِ شاہی میں رکھ آیا۔ اِس سے اندازہ ہوتا ہے کہ اُس کا وزن معمولی تھا۔ برٹش میوزیم میں قلوپطرہ کے مجسّمے سے بھی ایک نازک اندام عورت کا تصور پیدا ہوتا ہے۔ پلوٹارک کی رائے ہے کہ قلوپطرہ کی دلربی کا راز اسی نزاکت میں مضمر تھا۔ ان تمام اشاروں سے ہم یہ تصور کر سکتے ہیں کہ وہ بوٹے سے قد کی نازک اندام، بادہ وار سیاہ چشم، سیاہ گیسو، سبزہ

تھی۔ یہ اور بات ہے کہ اُس کا حسن بے پناہ یا عالم فریب نہ تھا۔

کہا جاتا ہے کہ اس کی آواز بڑی دل فریب تھی۔ بانسری کی سی پُرسوز آواز جو اُس کا سب سے زیادہ کامیاب حربہ تھی اور جس سے وہ دِلوں کو موہ لیتی تھی۔ قلوپطرہ نے یقیناً اس حربے سے ساری عمر کام لیا ہوگا۔ پلوٹارک کا بیان ہے کہ اُس سے ہم کلام ہوتے ہی انسان مسحور ہو جاتا تھا۔ اُس کی شکل وصورت، اُس کا باوقار انداز، اُس کی دلکش آواز ہر شخص کو مسحور کر سکتی تھی۔ ڈوین کیسیس کی بھی یہی رائے ہے" اس کی تقریر اتنی دل فریب تھی کہ سننے والے بے اختیار اس کی طرف کھنچ جاتے تھے۔"

یہی دل فریب کشش اس کے انداز و اطوار میں بھی تھی۔ جیسا کہ پلوٹارک لکھتا ہے اُس کے اطوار میں جو سحر تھا جسے نام نسبت سے تعبیر کیا جاتا ہے ممکن ہے کہ یہ پُراسرار کیفیت اس کے چنچل پن، طفلانہ شوخی، خودسری اور طراری کی پیدا وار ہو جس سے وہ حاضرین کو مدہوش کر لیتی تھی۔ شورید گی اور شوخی کے باوجود وہ متانت و وقار کی بھی حامل تھی جو کبھی کبھی غرور و تبختر کی حد تک پہنچ جاتے تھے۔ پلائنی کی رائے میں وہ بدمغز اور خود بین تھی۔ سیسرو، جس نے اُسے روم میں دیکھا، یہی رائے رکھتا ہے پھر بھی میرا خیال ہے کہ ملکہ کی یہ دقتی خود بینی و نخوت محض اس لیے ہوگی کہ غرور اور کم آمیزی کے پردے میں روم کے اُن مغرور امرا کی نکتہ چینی سے محفوظ رہ سکے جو اس کا مناسب احترام کرنے کو تیار نہ تھے۔ اس کی خودسری کے شواہد بہت کم ہیں۔ اور ہم یہ سوچنے پر مائل ہیں کہ وہ طبعاً جذباتی تھی اور غرور و تبختر کے بعد نرمی اختیار کر لیتی تھی۔ اُس کی حرکات وسکنات میں تکلف کا شائبہ تک نہ تھا۔ نوجوانی میں اُس کی سادگی کبھی کبھی پُرکاری میں تبدیل ہو جاتی تھی۔ جوانی کی خوش طبعی اُس میں عمر بھر رہی۔ اُس کے مزاج میں شگفتگی اور اطوار میں شورید گی تھی۔ وہ زندگی سے پوری طرح حظ حاصل کرنا جانتی تھی اور مسرت و راحت کی شراب کا آخری قطرہ تک پی جانے کی قائل تھی۔ اُس کا سادہ معصوم دل ایک لمحے میں خوش اور دوسرے لمحے میں مغموم ہو جاتا تھا۔ مسرت یا مصیبت اُس کے دل میں مستقل ڈیرا نہ ڈال سکتے تھے۔ وہ چھوٹے چھوٹے نازک ہاتھوں سے الجھے ہوئے حالات کی گتھیاں بڑی سہولت سے سلجھا لیتی تھی۔ بالکل اس طرح جیسے کوئی باری باری نور اور ظلمت کے پردے

اٹھاتا چھوڑتا جائے۔

مبدأ فیاض سے اُسے جو ہر قابل عطا ہوا تھا۔ وہ فطرتاً حاضر جواب، خوش طبع اور نیفت زبان تھی۔ بقول پلوٹارک " وہ ایک خوش آہنگ ساز کی طرح ایک زبان بولتے بولتے بڑی آسانی سے دوسری زبان بولنے لگتی۔ غیر ملکی اشخاص سے بات کرنے میں وہ بہت کم کسی ترجمان کی محتاج ہوتی۔ عرب ہوں یا یہودی، شامی ہوں یا ایرانی، افریقی ہوں یا ترک، وہ ہر شخص سے خود بات چیت کر سکتی تھی۔ اُس کے پیشرو بادشاہوں نے مصری زبان سیکھنے کی بھی زحمت گوارا نہ کی تھی۔ بعض کا لہجہ تک مقدونی تھا مگر اُن کے برعکس قلوپطرہ متعدد زبانوں کی ماہر تھی۔ وہ بالطبع سیاست داں تھی اور اپنے خاندان کی عظمت و آزادی کے لئے جان توڑ کر کوشش کرتی۔ ڈوین کیشیس کہتا ہے کہ وہ اولوالعزمی کا مجسمہ تھی اور ہر شخص سے شاہانہ آداب کی پوری پابندی کا مطالبہ کرتی تھی۔ اُس کے حالاتِ زندگی اِن امور کی تصدیق کرتے ہیں۔ اُس کا جہاں گیری و جہاں کشائی کا جذبہ بعض اوقات جنون کی حد تک پہنچ جاتا تھا۔ مگر یہ ظاہر ہے کہ ہوشمند اور دلیر ہونے کے باوجود وہ اعلیٰ درجے کی سیاست داں نہ تھی۔ اُس کے منصوبوں اور تجاویز کا انداز وہی ہوتا تھا جو اُس کے خاندان میں رائج تھا اور جس میں گہرائی کے بجائے شدّت اور تیزی کا عنصر بڑھا ہوا ہوتا۔ ضد سے ملتا جلتا اصرار و استقلال اُس کا نمایاں ترین کردار تھا۔ اپنے حقوق اور بیٹے کی سربلندی کے لئے وہ جس بے جگری سے لڑی ہے، ایک دلچسپ داستان ہے جسے قارئین آئندہ صفحات میں انہماک سے پڑھیں گے۔

بالعموم یہ سمجھا جاتا ہے کہ بقولِ جبرز کیفس " قلوپطرہ ایک بدمست شہوت پرست عورت" تھی۔ اِس بدنصیب ملکہ کو مشرق کی ہوس ناکی و شہوت رانی کا مجسمہ سمجھا جاتا ہے مگر غور کیا جائے تو رومی دشمنوں کی نفرت انگیز افواہوں کے سوا اِن الزاموں کا کوئی قابلِ اعتماد ثبوت نہیں ملتا۔ یہ صحیح ہے کہ وہ جولیس سیزر کے ساتھ کئی سال رہی مگر وہ ایک بیاہتا بیوی کی حیثیت سے رہی جسے جولیس سیزر رومۃ الکبریٰ کی ملکہ اور اپنی جائز رفیقۂ حیات بنانا چاہتا تھا۔ جولیس سیزر کے قتل کے بعد وہ مرتے دم تک انطونی کی شریکِ زندگی رہی۔ یہ وہ زمانہ ہے جب روم اور اسکندریہ میں فسق و فجور پورے عروج پر تھے۔ سازشیں اور خانہ جنگی عام تھی۔ ایسے پُرآشوب

دَور میں قلوپطرہ نے یکے بعد دیگرے دو آدمیوں سے زندگی وابستہ کی جو اُسے اپنی رفیقۂ حیات سمجھتے رہے اور جنھیں مصر کے مقدّس رسم و رواج کے مطابق اُس کا جائز شوہر تسلیم کیا گیا۔ ڈُورَین کیشیس کے یہ الفاظ کہ "دنیا بھر کی دولت اُس کے جذبات کو تسکین دینے سے قاصر تھی" صرف یہ معنی رکھتے ہیں کہ وہ حد درجہ بلند نظر اور فضول خرچ تھی۔ اُس کے دُشمن اسے کتنا ہی بدنام کریں اُس کی ہوس ناکی یا نفس پرستی کا کوئی ثبوت نہیں ملتا۔ البتہ اُس کی اخلاقی پاکیزگی کے شواہد موجود ہیں۔ وہ چار بچوں کی ماں تھی۔ مامتا میں ڈوبی' بے انتہا محبّت کرنے والی ماں۔ ظاہر ہے کہ وہ امومت کے فرائض اور مامتا کے تقاضوں کو برضا و رغبت ادا کرتی رہی۔ تمام باتوں پر نظر کر کے ہم یہ فیصلہ کرنے میں حق بجانب ہیں کہ خواہ وہ بعض مواقع پر جذبات و خواہشات سے مغلوب ہو جاتی ہو مگر نسوانیت کے پاکیزہ جوہر سے خالی نہ تھی۔ مامتا اور مادرانہ فرائض کے نقطۂ نظر سے دیکھا جائے تو وہ نسوانیت کا اعلیٰ ترین نمونہ قرار پائے گی۔

قلوپطرہ کے متعلّق رائے زنی کرتے وقت اُس عہد کے معاشرے پر بھی نظر ڈالنی لازم ہے یہ وہ دَور تھا جب روم اور اسکندریہ میں عشق بازی ایک کھیل تھا۔ فسق و فجور عام تھا۔ اس عہد کی اخلاقی پستی کا نقشہ مومسن کے الفاظ میں یہ ہے:

"زنانِ بازاری نے وہ گندہ فضا پیدا کر رکھی ہے کہ الحفیظ والامان۔ ان کا ذکر تاریخ کے اوراق کو مسموم کر رہا ہے۔ اِس ناپاک طبقے کو اپنے کاروبار کا لائسنس حکومت سے ملتا ہے۔ لیکن اس نجس جماعت سے قطع نظر کر کے امراء اور افسروں کے گھروں میں جھانکیے تو اس سے زیادہ شرمناک مناظر دکھائی دیں گے۔ اونچے گھرانوں کی خواتین وہ حیا سوز کارنامے کر رہی ہیں کہ طوائفوں کو اپنی کساد بازاری کا گلہ کرنا پڑتا ہے۔ بڑے گھرانوں میں زنا ایک عام مشغلہ ہے جس میں قانون کی مداخلت کا سوال ہی نہیں۔"

ایسی فضا میں قلوپطرہ کی پُرسکون خانگی زندگی قابلِ تعریف ہے۔ جولیس سیزر سے قلوپطرہ کا تعلّق اور جولیس سیزر کی موت کے بعد انطونی سے وابستگی ایک باقاعدہ' شریفانہ رشتے کی حیثیت رکھتی ہے اور فسق و فجور کی تیرہ و تار فضا میں پاکیزگی کا طمانیت بخش نور معلوم ہوتی ہے۔ اُسے اپنے بیٹے سیزارین سے جو محبّت تھی محتاجِ بیان نہیں۔ وہ اکثر اپنے بچّوں کی نگہداشت میں

مشغول رہتی۔ قصرِ شاہی کا وہ منظر بھی نگاہ میں رکھیے جب یہ ملکہ اپنے دو خوبصورت مجبڑ وال بچوں کی دیکھ بھال کرتی پھرتی تھی۔ اِس معصوم خانگی زندگی کا تصوّر کرتے ہی قلوپطرہ کی نفس پرستی کے قصّے خرافات بن کر رہ جاتے ہیں۔ چشمِ تصوّر کے سامنے ایک نازک کامنی سی عورت آتی ہے جو اپنے ننھے بچے کو تھپکنے میں مصروف ہے اور تین تندرست بچے اس کے اردگرد کھیلتے پھرتے ہیں۔ عالمِ حیرت میں دل پوچھتا ہے کہ کیا اِس نازک بدن شریف خاتون کو شہوت پرست ملکہ کا خطاب دیا جاسکتا ہے؟ کیا یہ وفا مجسم، جو سیزر کے پیارے بچے کی والدہ ہے، مشرق کی ناپاک ساحرہ سمجھی جائے؟ اُس نے جولیس سیزر سے اور اس کے قتل کے بعد انطونی سے شادی کی اور اِس مقدس رشتے کو نہایت پاکیزگی سے نبایا۔ اُس کا دامن نفسانیت اور شہوت کے داغوں سے پاک ہے۔ ہاں اگر بدید رو مؤرخ اُس کے جائز تعلقات کو معاشقے کے رنگ میں پیش کریں تو اس گناہ کا بوجھ اُن کی گردن پر رہے گا۔

قلوپطرہ کئی لحاظ سے خوش مذاق، صاحبِ ذوق اور ذی علم خاتون تھی۔ وہ علوم و فنون کی مربی تھی۔ اُس کا ہفت زبان ہونا محنت اور وسعتِ مطالعہ کی دلیل ہے۔ تاریخ شہادت دیتی ہے کہ اُس نے انطونی کو وہ دو لاکھ کتابیں، جو کبھی پرگیم کے کتب خانے کی زینت تھیں، شہر اسکندریہ میں تحفۃً پیش کرنے پر مجبور کیا۔ سِسَرو کا بیان ہے کہ قلوپطرہ نے اُس کے لیے اسکندریہ سے کچھ کتابیں حاصل کرنے کا بھی انتظام کیا تھا۔ اُسے اپنے آباؤ اجداد سے ذوقِ سلیم ورثے میں ملا تھا۔ اور اس نے نفاستِ ذوق کی یہ روایت قائم رکھی۔ وہ سائنس کی بھی قدر دان تھی۔ فوطینس نے، جو علمِ ریاضی کا ماہر تھا، قانونِ قلوپطرہ نامی کتاب اُسی کے معنون کی۔ مشہور طبیب ڈیسکورائڈز جس کی کتابیں مدتوں نصابِ طب میں شامل رہیں، اُس کا درباری اور دوست تھا۔ صوصاگنیز نامی ہیئت دان بھی اُس کا دوست تھا۔ قلوپطرہ نے جولیس سیزر سے اُس کی سفارش کر کے مصاحبت میں داخل کرایا اور اُس نے جنتری کی اصلاح میں سیزر کو بڑی مدد دی۔ ٹھیک ٹھیک معلوم نہیں کہ علوم و فنون میں قلوپطرہ کا کیا مقام تھا مگر اتنا یقینی ہے کہ وہ اپنے نامور اسلاف سے کمتر نہ تھی۔ جولیس سیزر جیسے ادیب اور قلوپطرہ کی باہمی وابستگی خود اِس بات کی دلیل ہے کہ وہ علم و فن سے بخوبی بہرہ ور تھی اور اپنی شوخی کے باوجود

حسبِ موقع سنجیدگی سے بھی کام لیتی تھی۔

ان سب باتوں کے باوجود اُس کی طبیعت خوش باشی کی طرف زیادہ راغب تھی۔ عمر کے آخری چند سال کے سوا وہ ہمیشہ مسرور و شاد ماں رہی۔ خوش باشی اور ظرافت اُس کی گھٹی میں پڑی تھیں۔ ظرافت آمیز منصوبے خصوصیت سے پسند کرتی تھی۔ بارہا ایسا ہوا کہ وہ انٹونی کے ساتھ رات کے گشت پر نکل جاتی اور اپنے احباب کے دروازے پر دستک دیتی۔ جب وہ دروازہ کھولتے تو وہاں سے غائب ہو جاتی۔ اُس کی گفتگو بڑی رنگین اور پرُ صنع ہوتی۔ پرانے مؤرخوں کا بیان ہے کہ اُس کے اطوار و عادات میں کچھ ایسی شگفتگی اور شوخی تھی کہ اس کے ساتھ رہنا بذاتِ خود تفریح کا حکم رکھتا تھا۔

قلوپطرہ میں وہ تمام صفات تھیں جن پر مرد فریفتہ ہوتے ہیں۔ وہ چست و چالاک، چابک چپ بند، بلند حوصلہ اور عالی ہمت تھی۔ اپنے بھائی کی سازش سے جلا وطن ہونے کے بعد کمال جرأت سے مصر میں داخل ہونا اُس کی دلیری کا بیّن ثبوت ہے۔ اسی طرح بستر میں لپٹ لپٹا کر محل میں آنا اور جولیس سیزر کے ساتھ بیباکی سے متعارف ہونا اُس کی جرأت کا یقینی اور دل فریب ثبوت ہے۔ فاورس، جسے اُس سے کوئی لگاؤ نہیں، رقم طراز ہے کہ نسوانی کم ہمتی اور خوف اُس کے پاس تک نہ پھٹکا تھا۔

رہا یہ سوال کہ وہ فطرتاً سنگدل شقی القلب تھی یا نہیں یہ سب جانتے ہیں کہ اُس نے اپنی بہن آرسینو اور متعدد اشخاص کو، جو اُس کے خلاف سازش کرنے کے مجرم تھے، قتل کیا مگر اس قسم کی سیاسی خونریزیاں اُس زمانے میں عام تھیں۔ اُس کے بھائی بطلیموس پانزدہم کی جواں مرگی میں (اگر فی الواقع اُس کے قتل کی حکایت صحیح ہے) قلوپطرہ کے ساتھ جولیس سیزر شریک بلکہ شریکِ غالب ہے۔ آرمینیا کے بادشاہ آرطاوسدیز کا قتل ایک سیاسی فعل تھا جسے چنداں اہمیت حاصل نہیں۔ لے دے کر اُس کے خلاف سفّاکی کا یہ الزام باقی رہتا ہے کہ وہ پھانسی پلنے والے مجرموں پر مختلف زہروں کی تاثیر کا تجربہ کیا کرتی تھی مگر اسے سفّاکی نہیں کہا جا سکتا۔ قتل ہونے والے مجرم کے لیے پھانسی کا پھندا، تلوار کی دھار یا زہر کا پیالہ سب برابر ہے البتہ قلوپطرہ جس کی زندگی کے آخری سال حد درجہ تلخ ہو گئے تھے اپنے لیے ایک سریع التاثیر

زہر قاتل کا انتخاب کرنے میں حق بجانب سمجھی جاسکتی ہے۔ ایک لمحے کے لیے اُن دردناک واقعاتِ قتل کا تصوّر کیجیے جو اُس کے بیشتر بادشاہوں سے سرزد ہوئے۔ اُن کے مقابلے میں قلوپطرہ کو سفاک نہیں کہا جاسکتا۔ اُن کی سفاکی، اُس خون آشام عہد کی فضا میں قلوپطرہ متحمل اور نیک طینت نظر آتی ہے۔

مذہبی اعتبار سے وہ خاصی راسخ العقیدہ تھی۔ اکثر اشخاص کے برعکس اُسے دیوتاؤں پر اعتقاد تھا۔ یہ ناپاک عقیدہ کہ بادشاہ خدا کا نائب ہے اُسے اپنے بزرگوں سے ورثے میں ملا تھا اور اُس کے رگ و پے میں سمایا ہوا تھا۔ مقدّس تقریبوں اور تہواروں پر وہ عفرودائٹ یا آئسس دیوی کی پوشاک زیب تن کرتی اور سطحِ زمین پر اپنی ذات کو آسمانی دیوتاؤں کا اوتار سمجھتی۔ اسے اُن کی روحانی عظمت کے بجائے دنیوی تجمّل عطا کیا گیا تھا۔ مصر و یونان کے تمام بڑے دیوتاؤں کو اپنی ذات میں مجسّم سمجھنا اُس کا پختہ عقیدہ تھا۔ اکثر ایسا ہوا کہ بہت اُلو اور نجومیوں نے اسے ستاروں کے ٹوٹنے یا دیگر عظیم مظاہرِ فطرت کی طرف متوجہ کیا مگر قلوپطرہ نے بے نیازی کی ادا سے یہی جواب دیا کہ یہ سب میرے آسمانی رفیقوں کے کرشمے ہیں۔ جنگِ ایکٹیم میں اُس نے شجاعت و جانبازی کا جو حیرت ناک مظاہرہ کیا اُس کی یہی تشریح کی جاتی ہے کہ اُسے آسمانی دیوتاؤں نے ہر بات بتا دی تھی اور اکثر مواقع پر یہی نورانی طاقتیں اُس کی رہنمائی کرتی تھیں۔

قلوپطرہ کے خلاف ایک الزام یہ بھی ہے کہ روم کے خلاف فوج کشی میں جب کبھی اس کا خزانہ خالی ہو جاتا وہ مصر کے مندروں پر ہاتھ صاف کرتی اور اُن کی دولت سمیٹ کر لڑائی کا کام چلاتی۔ اس کے لیے کوئی مندر اتنا مقدّس نہ تھا جہاں اُس کے لالچی ہاتھ نہ پہنچتے۔ اگر یہ قصے صحیح ہیں تو یہ عذر پیش کیا جاسکتا ہے کہ وہ اپنے آپ کو آسمانی دیوتاؤں کا جانشین سمجھتی تھی اور اس حیثیت سے وہ سب خزانے، جو مصر کی سربلندی کے لیے مندروں سے لوٹے گئے اُس کے نزدیک اُس کا اپنا مال تھے۔ مگر حقیقتِ حال یہ ہے کہ اُس کی زندگی کے آخری برسوں میں جب فوجی ضروریات حد سے زیادہ بڑھ جاتی تھیں تو اُس کے افسر ہر جائز اور ناجائز ذریعے سے فوجی ضروریات کو پورا کرتے تھے۔ یقیناً قلوپطرہ سے مشورہ کیا جاتا ہوگا مگر ملکہ اس سراسیمگی

کے عالم میں اِس فرضی تقدّس کو اپنی سیاسی مصلحتوں پر قربان کر دینے کے لیے مجبور رکھتی۔
ملکہ کے کردار اور خصائل پر زیادہ بحث کرنا غیر ضروری ہے۔ اُس کی المناک زندگی کے واقعات خود اُس کی شخصیت پر پوری روشنی ڈالیں گے۔ ہاں اتنا خیال رکھنا ضروری ہے کہ اپنی لغزشوں کے باوجود وہ بدکردار کہلانے کی مستحق نہیں۔ وہ نہایت ہوش مند۔ دل فریب اور حسین و جمیل خاتون تھی۔ غیر محتاط ہونے کے باوجود ہم اُسے بے اصول نہیں کہہ سکتے مؤرخ جب اِس دل فریب شخصیت کا نقشہ کھینچتا ہے تو خود مبہوت ہو جاتا ہے۔ ہر لمحے اُس کی زندگی کے ادلتے بدلتے واقعات اُسے محوِ حیرت کر دیتے ہیں۔ ابھی یہ حوصلہ مند ملکہ میدانِ جنگ میں سپہ سالاری کے جوہر دکھاتی ہے، ابھی شاہی بجرے میں دریائے نیل کے سینے پر جولیس سیزر کے ساتھ شبِ ماہتاب کا لطف اٹھا رہی ہے، ابھی قصرِ شاہی میں اپنے ننھے بچوں کے ساتھ جی بہلانے میں مشغول ہے، ابھی زرق برق پوشاک پہنے اسکندریہ کی شاہی ضیافتوں میں شمعِ انجمن بنی بیٹھی ہے۔ کچھ دیر بعد رات کے سناٹے میں بھیس بدلے اسکندریہ کی گلیوں میں گھومتی پھرتی ہے اور دبی ہوئی سنسنی کے تلاطم میں دہری ہوئی جاتی ہے اِس کے بعد منظر بدلتا ہے۔ وہ بحیرۂ روم کو عبور کرتی یعنی تباہی کو دعوت دینے کے لیے روم میں داخل ہوتی ہے۔ آخری منظر حد درجہ دل گداز ہے۔ یہی ملکہ جو خوش باشی و شادمانی کا مجسمہ تھی، ناسازگار حالات سے مجبور یاس و حرمان سے نڈھال، غم سے پامال، ڈرامائی انداز میں اپنی دکھ بھری زندگی کا خاتمہ کرتی ہے۔ یعنی اپنے آپ کو زہریلے افعی سے ڈسوا لیتی ہے۔
اِس طرح اِس مسحور کُن شخصیت کی زندگی کا ڈراما ختم ہوتا ہے۔ مگر مؤرخ کے دل پر اُس حسینہ کا دائمی نقش باقی رہ جاتا ہے۔ جس کے چشم و ابرو کے اشارے ذرا سی دیر میں دنیا کا نقشہ بدل دیتے تھے۔ وہ پہچان جاتا ہے کہ قلوپطرہ مشرق کی وہ سیاہ کار ساحرہ نہ تھی جو روم کے جانبازوں کو اپنی زلفِ گرہ گیر میں پھنساتی تھی بلکہ جولیس سیزر کی باوقار بیوی تھی جو اُس کے مرنے کے بعد بھی اُس کے بیٹے کے تاج و تخت کو بچانے کے لیے لڑتی رہی جس نے بعد میں انطونی سے اِس لیے وابستگی اختیار کی کہ مصر اور روم دو مختلف حکومتوں کے بجائے واحد متحد سلطنت بن جائیں۔ مؤرخ کی نگاہ میں وہ معمولی غیر ذمہ دار عورت نہیں بلکہ ایک

باوقار ملکہ ہے جو ذاتی لیاقت اور خداداد جوہر سے روم کے دو عظیم ترین فرزندوں کو مسخر کرنے کی طاقت رکھتی تھی اور جن سے مصری رسم و رواج کے مطابق اُس نے نکاح کیا تھا۔ انصاف پسند مؤرخ اِس حسین، خوش اطوار اور خوش بیان ملکہ کے دامن کو سیاہ کاری کے داغ سے پاک دیکھتا ہے۔ غیر متعصب مؤرخ حیران ہے کہ روم اور مصر کی اُس سیاسی کشمکش میں جس کا بیان ان صفحات میں آئے گا، وہ دربارِ روم کا ساتھ دے یا اُس صاحبِ جوہر ملکہ کی طرف داری کرے جس کی دل فریبی و خوش اطواری کا نور بیس صدیوں کے پردے سے پھوٹ پھوٹ کر نکل رہا ہے!

دو

اسکندریہ

قلوپطرہ کے واقعاتِ زندگی کا مطالعہ کرنے کے لیے لازم ہے کہ اُس کے دارالحکومت یعنی شہر اسکندریہ کے محلِّ وقوع اور مصر، یونان اور روم سے اُس کے سیاسی تعلقات کی پوری تفصیل نظر میں رکھی جائے۔ یہ شہر مصر کا دارالسلطنت تھا مگر یہ واقع ہے کہ اس کے تجارتی، سیاسی اور تہذیبی تعلقات مصر سے نہیں بلکہ بحیرۂ روم کے ملکوں سے تھے۔ از روئے جغرافیہ باقی مصر سے اُس کا وہی تعلق تھا جو کارتھیج کا شمالی افریقہ سے۔ جو تعلق سترھویں صدی میں فلاڈلفیا کو امریکہ سے یا بمبئی کو ہندوستان سے تھا، وہی تعلق اسکندریہ کو باقی مصر سے تھا۔ اِس لحاظ سے وادیٔ نیل کی اس ملکہ کو مصری کہنا اتنا ہی غلط ہوگا جتنا کہ وارن ہیسٹنگز کو ہندوستانی کہ دینا۔ اسکندریہ میں رہنے کے باوصف قلوپطرہ مصر سے قطعاً بیگانہ رہتی تھی۔ اس نے ابوالہول تک نہ دیکھا تھا۔ تاریخ میں اُس کے سفرِ مصر کی فقط ایک یادداشت ہے جو اُس نے جولیس سیزر کی خواہش پر کیا تھا۔ مصر کے باشندوں کے حالات، اُن کی معاشرت اور طور طریقوں کی تفصیل لکھنا اِس کتاب کے موضوع سے خارج ہے۔ سارا مصر قلوپطرہ کے زیرِ نگیں تھا مگر اسکندریہ اپنی تہذیب و معاشرت کے اعتبار سے مصر سے قطعاً مختلف تھا۔ یہی وجہ ہے کہ مَیں نے مصر اور اُس کے باشندوں کا ذکر کرنے اور واقعات کو مقامی رنگ دینے سے اجتناب کیا ہے۔

اسکندریہ آباد کرتے وقت سکندر نے اِس کے محلِّ وقوع کو اِس لیے پسند کیا تھا کہ یہ باقی ملک سے الگ تھلگ رہے۔ یہ شہر ایک طرف ماروٹس جھیل سے اور دوسری جانب بحیرۂ روم

سے گھرا ہوا ہے۔ اِس طرح یہ شہر اپنے ملک سے اُس سے بھی زیادہ منقطع ہوگیا۔ جتنا کہ کارتھیج اپنی پہاڑیوں کی بدولت افریقہ سے الگ تھا۔ سکندر چاہتا تھا کہ اِس شہر کو خالص یونانی نوآبادی بنائے جہاں یونان کا سامانِ تجارت جہازوں سے اُتار کر اندرونِ مصر تک پہنچا دیا جائے اور وادیٔ نیل کی بے اندازہ پیداوار لاد کر یونان بھیجی جائے۔ دریائی ڈیلٹا کے دور افتادہ گوشے میں شہر آباد کرنے کا واضح مقصد یہی تھا کہ دارالحکومت سارے ملک کی کنجی ہونے کے باوجود ملک سے الگ تھلگ محفوظ رہے۔ شہر کا محلِ وقوع اِس مقصد کے لیے اتنا موزوں تھا کہ آج تک اِس شہر کا تعلق مصر اور اہلِ مصر سے برائے نام ہے۔

آج کل اسکندریہ سے قاہرہ اور جنوبی مصر تک ریلوں کا جال بچھا ہوا ہے مگر اہلِ اسکندریہ کی یہ حالت ہے کہ بہت کم ایسے اشخاص ملیں گے جو اِس شہر سے دس میل باہر نکلنے کی زحمت اٹھائیں۔ بیشتر اہلِ شہر آج تک اہرامِ مصر کی زیارت سے محروم ہیں۔ شہر کا مالدار طبقہ اندرونِ ملک تو کیا قاہرہ تک سفر کرنے سے گریزاں ہے۔ عہدِ قدیم کی طرح آج بھی یہاں یونانی، رومی اور یہودی آبادی کی اکثریت ہے۔ مگر ایسے کم حوصلہ کہ اگر انھیں اندرونِ ملک میں سفر کرنے کو کہو تو شاید رو پڑیں حالانکہ یہی ملک افسروں اور سیاحوں کے لیے جنت نگاہ ہے۔ انتہا یہ ہے کہ اسکندریہ میں رہنے والے مصریوں کا متوسط طبقہ بھی بہت کم اندرونِ مصر میں جانے کی حامی بھرتا ہے حتیٰ کہ اگر کسی کو دس بیس ایکڑ زمین ترکے میں مل جائے تو اُسے سنبھالنے کے لیے وہ شاذ و نادر ہی اُدھر کا رُخ کرتا ہے۔

اسکندریہ والوں کے لیے مصر خاصا پردیس ہے۔ صحرا میں ریت کے ٹیلے، نخلستانوں میں کھجوروں کے جھنڈ، کورا بے داغ آسمان، دریائے نیل کا چوڑا پاٹ، تاروں بھری چمکیلی راتیں، خس پوش جھونپڑے، چوں چوں کرتے رہٹ، عظیم الشان اہرام، منقّش اور آراستہ مقبرے، غرض سینکڑوں چیزیں ہیں مسافروں کو دعوتِ نظارہ دیتی ہیں۔ مگر اہلِ اسکندریہ ان سب سے بے خبر ہیں۔ تپتے صحرا کی گرمی، دریائے نیل کی چادر کا سیکڑوں فٹ نیچے کی چٹانوں پر گرنا، نیل کی طغیانی، اُن کے لیے بے معنی ہیں۔ مصر کی وہ دلکشی، جو سیاحوں اور مصریوں کو جان سے پیاری ہے، اہلِ اسکندریہ کو مائل نہیں کرسکتی۔ ملکِ فرعون کے دلکش مناظر انھیں اپنی طرف کھینچنے میں

ناکام رہتے ہیں۔ کیوں نہ ہو، وہ وادیٔ نیل کے بیٹے نہیں بلکہ بحیرۂ روم کے فرزند ہیں!
اسکندریہ کی آب و ہوا جنوبی مصر سے قطعاً مختلف ہے۔ قاہرہ میں گرمی کا موسم خوش گوار تو ہرگز نہیں مگر قابلِ برداشت ہوتا ہے۔ شہر تھیبز میں یہ عالم ہے کہ گرمیوں میں دن کے وقت آگ برستی ہے اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ہم مصر میں نہیں دوزخ میں آ بسے ہیں۔ راتیں حد درجہ سرد ہوتی ہیں۔ اسکندریہ کا موسمِ گرما خوش گوار بلکہ خنک ہوتا ہے۔ بہار میں تو یہاں کی فضا اتنی دلکش ہوتی ہے کہ ساری دنیا اس کا جواب پیش کرنے سے قاصر ہے۔ مطلع صاف رہتا ہے اور بادِ صبا رواں۔ راتیں خنک بلکہ سرد ہوتی ہیں۔ اگست ستمبر میں آب و ہوا مرطوب ہو جاتی ہے۔ غرض کچھ ایسی فضا رہتی ہے، جیسی جنوبی یورپ کی۔
جاڑوں میں ساحلی علاقہ سرد رہتا ہے۔ بارشیں ہوتی ہیں اور کچھ اٹلی کی سی آب و ہوا ہوتی ہے۔ موسم سرعت سے بدلتا رہتا ہے۔ لوگ موٹے اونی کپڑے پہنتے ہیں۔ اس کے برعکس اہرام کے علاقے اور تھیبز کھلی دھوپ کے باعث خاصے گرم رہتے ہیں۔ اسکندریہ ان دنوں بادوباراں کے طوفان میں گھرا رہتا ہے۔ سمندری نمکین ہوا کے جھکڑ سائیں سائیں کرتے آتے اور مسافروں کے منہ پر طمانچے مارتے نکل جاتے ہیں۔ یہاں خالص مصر کا موسم نہیں بلکہ نیپلز اور مارسیلز کا موسم ہے۔
گرمیوں میں جنوبی مصر جہنم کا نمونہ بن جاتا ہے۔ انگریز افسر یہاں کی ہولناک گرمی سے جان بچانے کے لیے ڈاک گاڑی میں سوار ہو کر اسکندریہ کا رُخ کرتا ہے۔ سٹیشن پر بادِ سموم کے تھپیڑے طمانچوں کی طرح منہ پر لگتے ہیں۔ ریل میں وہ کروٹیں بدلتا، ہانپتا، کسمساتا ہے۔ برقی پنکھوں سے بھی گرم ہوا نکلتی ہے۔ آخر آدھی رات کی خنک ہوا اُسے سلا دیتی ہے۔ صبح قاہرہ میں ہوتی ہے جہاں گرمی سے نجات ملتی ہے مگر مرطوب ہوا آفت بن جاتی ہے وہاں سے ٹرین ڈیلٹے کی طرف روانہ ہوتی ہے۔ اسکندریہ سے چند میل ادھر ہی ایک خوش گوار تبدیلی محسوس ہوتی ہے۔ کئی ہفتے کی ہوش رُبا گرمی کے بعد آج خنکی محسوس ہوئی۔ اسکندریہ کے سٹیشن پر خاصی سردی محسوس ہوتی ہے دوپہر کا سورج اب بالکل خطرناک نہیں۔ وہ ٹرین سے اُتر کر غریب بگھی والوں کو صاف جواب دیتا ہاتھ ہلاتا چل پڑتا ہے اور اپنے ہوٹل کا رُخ

کرتا ہے۔ ہوٹل میں آکر مزے سے برآمدے میں کرسی ڈال لیتا اور ہوا کھاتا ہے کیونکہ یہاں اندھیرے تہ خانوں میں گھسنے کی ضرورت ہی نہیں۔ جنوبی مصر کی جھلس دینے والی گرمی، جو راتوں کی نیند حرام کر دیتی تھی، بہت دور رہ گئی۔ یہاں کپڑے اتار کر لیٹنے اور کباب سیخ کی طرح کروٹیں بدلنے کی ضرورت نہیں۔ وہ گدگدے بستر پر لیٹ کر کمّل اوڑھتا اور خواب راحت کے مزے لیتا ہے۔ صبح اُٹھتا ہے تو طبیعت بحال ہوتی ہے۔

انگریز سارے سال اسکندریہ میں رہتے ہیں مگر یہاں کا موسم گرما انھیں خصوصیت سے پسند ہے۔ اُن کے اہل وعیال بھی خوشی سے گرمیاں بھر یہیں رہتے ہیں۔ سیکڑوں یورپی ہیں جو اسکندریہ کو اپنا وطن سمجھتے ہیں۔ قاہرہ میں صرف وہی یورپی کنبے گرمیاں گزارتے ہیں جو وہاں رہنے پر مجبور ہوں۔ مگر جنوبی مصر کی جھلستی گرمی سے تو یہ لوگ اتنا گھبراتے ہیں کہ مئی سے اکتوبر تک وہاں ایک انگریز عورت یا بچے کی شکل بھی دکھائی نہیں دیتی۔ انگریز عہدہ دار مصر کو فقط جاڑوں کی قیام گاہ سمجھتے ہیں۔ گرمیوں میں رہنا پڑے تو کہتے ہیں کہ یہ خدا کا قہر ہے اور جاڑوں کے عیش کا کفارہ ہے۔ خود مصر کے باشندے، جو ملازمت کے سلسلے میں بالعموم قاہرہ سے بھرتی ہوتے ہیں، جنوبی مصر کی گرمی سے پناہ مانگتے ہیں۔ یہاں کی گرمی انگریزوں کی طرح اُنھیں بھی بلکہ اُن سے بھی زیادہ تباہ کرتی ہے۔ بارہا ایسا ہوا کہ میرے مصری عملہ کا کوئی شخص لُو لگنے سے بیہوش ہوا اور مجھے اس کی خاطر سواری ترک کرنی پڑی۔

اہل اسکندریہ اپنے جنوبی ہم وطنوں کو نفرت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ جنوبی مصر کے باشندے بھی اسکندریہ والوں سے اتنے متنفر ہیں کہ ان کے لیے 'اسکندری' بدترین گالی ہے۔ جنوبی مصر کے جفاکش کسان کے نزدیک 'اسکندری' کا مفہوم وہی ہے جو ہماری زبان میں 'حرام زادے' کا۔ اہل اسکندریہ جنوبی مصر والوں کو بڑی نفرت سے 'کالے کلوٹے' کہتے ہیں اور ذرا نہیں سوچتے کہ وہ سب ایک ہی تھیلی کے چٹے بٹے ہیں۔ ایک اسکندری عہدہ دار نے، جو جنوبی مصر میں متعین تھا، مجھ سے کہا کہ اِن بدبخت 'حبشیوں' کے درمیان میری زندگی سخت بے کیفی سے گزرتی ہے۔ ظاہر ہے کہ جب خود اہل اسکندریہ اپنے جنوبی ہم وطنوں سے (جو مصر کی ریڑھ کی ہڈی ہیں) اتنی نفرت کرتے ہیں تو اسکندریہ میں بسنے والے یونانی یا دوسری

قوموں کے افراد جنوبی مصر والوں سے کتنی بیگانگی رکھتے ہوں گے۔
مجھے یقین ہے کہ قلوپطرہ بھی جنوبی مصر والوں کو 'بدبخت حبشی' کہہ کر خطاب کرتی ہوگی۔ اہلِ اسکندریہ کی طرح اُس کی دلچسپی اور مفادات بحیرۂ روم کے پار والے ملکوں سے وابستہ تھے۔ مصر کی ملکہ ہونے کے باوجود اُسے مصر سے صرف اتنا لگاؤ تھا جتنا آج کل لندن کے کروڑپتی کو جنوبی افریقہ سے ہو سکتا ہے جہاں اُس کی سونے کی کانیں ہیں۔
آج بھی شہرِ اسکندریہ کا وہی یورپی انداز ہے جو آج سے سوا دو ہزار سال پہلے اس کے بانی اور شاہانِ بطلیموس نے قائم کیا تھا۔ اگرچہ شہر کے بعض حصے مشرقی وضع کے ہیں مگر بحیثیت مجموعی دیکھیے تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اسکندریہ مصر کی نہیں بلکہ اٹلی کی بندرگاہ ہے۔ وادیٔ نیل کے شہروں یا دارالسلطنت قاہرہ سے اِسے کوئی نسبت نہیں۔ یہی کیفیت زمانۂ قدیم میں بھی تھی۔ آب و ہوا، قدرتی مناظر، پھل پھول، درخت غرض ہر چیز میں اسکندریہ جنوبی مصر سے مختلف ہے۔ وادیٔ نیل کے باغات کا حسن غیر فطری سا معلوم ہوتا ہے۔ یہاں خودرو پھول بالکل نہیں۔ سبزہ زار بہت کم ہیں۔ باغوں میں پھول باہر سے لا کر لگائے جاتے ہیں۔ انتہا یہ ہے کہ گھاس کے تختے بھی ہر سال ستمبر، اکتوبر میں تیار کیے جاتے ہیں کیونکہ جون جولائی کی دھوپ گھاس کو جلا دیتی ہے۔ اِس کے برعکس اسکندریہ بارہ مہینے گلزار بنا رہتا ہے۔ تعجب یہ ہے کہ یہاں انگلستان کے گل وریحان اور جنوبی یورپ کے پودے دوش بدوش نظر آتے ہیں۔ بہار میں اسکندریہ اور نواحی پہاڑیاں یونان کے پھولوں سے ڈھک جاتی ہیں۔ سیر کرنے والے سمندر کی ٹھنڈی ہوا کا لطف اُٹھاتے، لالہ و نرگس کے تختوں پہ گلگشت کرتے ہیں۔ ولایت کے اکثر پھول قدم قدم پر ملتے ہیں۔ جنوبی مصر کے پائدار سخت پھولوں کے بجائے یہاں کے پھولوں میں یورپ کی سی نزاکت و نفاست ہے۔ آدمی معاً محسوس کرتا ہے کہ گل و لالہ سے آراستہ اسکندریہ کبھی فرعون و ہامان کی قلمرو میں شامل نہ تھا۔ ہمارا تصوّر اُس ساحلی گلزار کو روم سے وابستہ کر دیتا ہے۔ اور ہم یہ یقین کرنے پر مجبور ہو جاتے ہیں کہ قلوپطرہ اور دارالحکومت یورپی تہذیب و تمدّن کے زیرِ اثر تھے۔ مشرقی تہذیب کا اثر اگر کچھ تھا تو سرسری۔۔

اسکندریہ کا ساحل اتنا پست ہے کہ آنے والے جہازوں کو دُور سے اس کا کوئی نشان نظر نہیں آتا۔ یہاں تک کہ وہ اسکندریہ کے بالکل قریب آجاتے ہیں اور ساحلی چٹانوں سے ٹکرانے والی لہریں انھیں ساحل کا پتا دیتی ہیں۔ اس کے برعکس بحیرۂ روم کے مشرقی ممالک مثلاً شام، قبرص، سسلی، یونان اور اٹلی کے ساحل بلند ہیں۔ اُن کی ساحلی پہاڑیاں اور چٹانیں زمانۂ قدیم میں ملّاحوں کے لیے سنگِ میل کا کام دیتی تھیں۔ جنھیں وہ میلوں دور سے دیکھ لیتے تھے۔ مگر مصر کا پست ساحل ملّاح کی آنکھ کے لیے کوئی سامانِ آسودگی نہیں رکھتا۔ جہازوں کے ناخدا مصر کے دغاباز ساحل تک پہنچنے کے لئے کئی کئی گھنٹے جہازوں کو نہایت ہوشیاری سے کھیتے تھے۔

طویل اور پست جزیرہ فاروز کے پیچھے اسکندریہ کی بندرگاہ نظر سے چھپی ہوئی تھی۔ یہ جزیرہ ملک کی سرزمین سے کامل مشابہت رکھتا تھا۔ جزیرے کے داہنے بائیں خشکی کی ایک ایک راس دور تک سمندر میں پھیلی ہوئی تھی۔ اُس کے آگے پُشتے یا بند تھے۔ اِس طرح جزیرہ فاروز اور خشکی کے درمیان ایک نہایت عمدہ قدرتی آبنائے بن گئی تھی جو بہترین بندرگاہ کا کام دیتی تھی۔ یہ آبنائے اور شہر اسکندریہ جزیرۂ فاروز کی اوٹ میں رہتے تھے۔ اگر کوئی بہتر نشانِ منزل کا کام دیتی تھی تو وہ جزیرۂ فاروز کا شہرۂ آفاق روشنی کا مینار تھا جو ایک عظیم الجثّہ دیو کی طرح جزیرے کے مشرقی حصّے یعنی بندرگاہ کے خاص داخلے پر قائم تھا بطلیموس فلاڈلفس کے عہدِ حکومت میں یعنی قلوپطرہ سے کوئی دو صدی پہلے صوسطراطس نے اسے تعمیر کیا تھا۔ سنگِ مرمر کا یہ دیو پیکر مینار جس کا شمار دنیا کے عجائبات میں کیا جاتا تھا، پانچ سو نوّے فٹ بلند تھا۔ چرخِ لاجوردی کی گہری نیلی فضا میں سفید پتھر کا یہ پہاڑ دن بھر چمک دمک دکھاتا اور دن چھپے سے صبح تک اُس کی چوٹی سے بڑی قوت کی روشنی پھوٹتی رہتی جو سمندر پر چونتیس میل سے نظر آتی تھی!

شہر اسکندریہ اور جزیرۂ فاروز کے درمیان چودہ سو گز لمبا ایک پُشتہ تھا جس نے بندرگاہ کو دو حصوں میں تقسیم کر دیا تھا۔ پشتے کے دونوں سِروں کے درمیان ایک تنگ پست یعنی آبی گزرگاہ تھی جس سے دونوں حصّے باہم مل گئے تھے۔ اِس پُشتے سے مغرب کی طرف بندرگاہ

کا مغربی حصّہ 'فرودگاہِ فیروزی' کے نام سے موسوم کیا جاتا تھا۔ مشرقی حصّہ جو منارۂ روشنی کے نیچے راسِ لوچیاس سے ملحق تھا، بڑی بندرگاہ کہلاتا تھا۔ یہ بڑی بندرگاہ خطرناک سمجھی جاتی تھی کیونکہ یہاں آبنائے تنگ تھی اور اس میں جابجا چٹانیں تھیں جن پہ بحیرۂ روم کی غضبناک لہریں، تیز و تند ہوا کے زور میں بھری ہوئی مسلسل ٹکراتی رہتی تھیں۔

جو جہاز اِس طرف سے داخل ہونا چاہتے وہ روشنی کے مینار کے پاس سے گزرتے جس کے نیچے کی چٹانوں سے لہریں ٹکرا ٹکرا کر سفید جھاگ اُڑاتی رہتی تھیں۔ جہاز ان چٹانوں کے پاس سے گزرتے اور بندرگاہ کو بائیں ہاتھ پر رکھ کر بندرگاہ میں لنگر انداز ہو جاتے۔ یہاں پانی اتنا شفاف تھا اور سورج کی کرنیں اُسے اِتنا روشن کرتی تھیں کہ جب روز ہوا مدھم ہوتی، تہ کی ریت اور چٹانیں صاف نظر آتی تھیں۔ چٹانوں پر عجیب و غریب رنگ کی گھاس اُگتی تھی جو سمندر کی نرم زیریں رَو کے ساتھ اِدھر اُدھر بہتی صاف نظر آتی۔ یہاں سے آگے گہرے پانی میں ڈولفن مچھلیاں لگاتار غوطہ لگاتی اور دوبارہ اُبھرتی دکھائی دیتیں۔ آگے بڑھتے ہی یکایک مسافر کی نظر محلات اور عمارتوں کے اُس دل فریب سلسلے سے دوچار ہوتی جس کا سارے عالم میں جواب نہ تھا۔ بائیں ہاتھ پہ قصرِ شاہی تھا جو راس کے ساتھ ساتھ پھیلتا ایک دلکش خم سے مغرب کی طرف گھوم گیا تھا۔ یہاں اینٹی رھوڈس نامی مختصر جزیرے کے کنارے، جو بجائے خود شاہی فرودگاہ تھا، شاہی بندرگاہ واقع تھی۔ پتّھر کی خوشنما سیڑھیاں دور تک پانی میں اُترتی چلی گئی تھیں جو اِس مقام پر اتنا گہرا تھا کہ بڑے سے بڑا جہاز بہ آسانی داخل ہو سکتا تھا۔

یہ مقام خشکی سے ملا ہوا تھا جس پر فلک بوس عمارتوں کا دل فریب سلسلہ دور تک پھیلا تھا۔ یہیں وہ فلک منظر عجائب گھر تھا جو بذاتِ خود ایک عجوبہ اور شاہی قصر کا حصّہ تھا۔ یہ علوم و فنون کی تعلیم و تحقیق کے لیے مخصوص تھا۔ تعلیم کا نگرانِ اعلیٰ ایک راہب ہوتا جسے بادشاہ مقرر کرتا۔ عجائب گھر کے مختلف حصّے طلبہ کی تعلیم، معلموں کے اُٹھنے بیٹھنے اور دیگر امور کے لئے مخصوص تھے۔ اُس کے شمالی حِصّے میں جو سمندر سے ملحق تھا، وہ شہرۂ آفاق لائبریری (کتب خانہ اسکندریہ) تھی جس میں پانچ لاکھ مخطوطے موجود تھے۔ عجائب گھر اور راس لوچیاس کے درمیان کی بلندی پر تھیٹر تھا۔ اُس کی بالائی نشستوں سے جزیرہ اینٹی رھوڈس اور اُس کے پیچھے بڑی بندرگاہ

صاف نظر آتی تھی۔ جس میں مختلف ملکوں کے جہاز بادبان کھولے داخل ہوتے۔ تھئیٹر کے عقب میں ایک اور بلندی تھی جس پہ پان دیوتا کا مندر تھا۔ سٹرابو کا بیان ہے کہ یہ مندر ایک مصنوعی پشتے کے انداز کا مخروطی صورت کا تھا۔ اِس کے اندر چکّردار زینہ تھا جس کی چوٹی سے سارا شہر پاؤں کے نیچے پھیلا نظر آتا تھا۔ اِس پشتے سے مغرب کی طرف جمنا شیم یعنی اکھاڑا تھا۔ اِس کی وسعت کا اندازہ یوں ہو سکتا ہے کہ محض اِس کے برآمدوں کی لمبائی دو سو گز سے زیادہ تھی۔ اکھاڑے سے ملحق عدالتیں تھیں جو باغوں اور کنجوں سے گھری ہوئی بہت اچھی معلوم ہوتیں۔ تھیٹر سے مغرب کی طرف بندرگاہ سے ملی ہوئی ٹاؤن ہال کی عمارت تھی جس کے سامنے ربّ البحر کا مندر تھا۔ مزید مغرب کی جانب عجائب گھر سے ملا ہوا احاطۂ ضیا تھا جس میں بطلیموس بادشاہوں کے مقبرے تھے۔ احاطے کے وسط میں وہ خوبصورت روضہ تھا جہاں سنگِ مرمر کے تابوت میں سکندرِ اعظم کی نعش محفوظ تھی۔

آتنا علاقہ، جس میں یہ تمام عمارتیں دعوتِ نظارہ دیتیں اور بندرگاہ سے نظر آتی تھیں شاہی محلّہ کہلاتا تھا۔ یہاں سنگِ مرمر کی جھلجھلاتی بڑاق عمارتیں آبِ رواں کے آئینے میں عکس ڈالتیں سورماؤں کے مجسمے، مختلف یادگاریں، سرکاری عمارتیں، فراخ سڑکیں، دہکتے ہوئے لالہ زار، پانی میں اترتی ہوئی سنگِ مرمر کی سیڑھیاں غرض آرائش و فنِ تعمیر کا وہ عروجِ جمیل یہاں نظر آتا جس کا جواب پیش کرنے سے دنیا قاصر تھی۔

سیاح، جس نے اِس شہر کی تعریف سُن رکھی تھی جب جہاز سے اُتر کر داخلِ شہر ہوتا تو بچشمِ خود توقعات سے بہتر مناظر دیکھتا۔ ٹاؤن ہال سے آگے بڑھ کر وہ چوک میں داخل ہوتا جس کی ٹھنڈی سڑک شہر کے بیچوں بیچ سے گزرتی اور مغرب سے یعنی فرودگاہِ فیروزی سے مشرق تک (راس لوچیاس تک) تین میل سے زیادہ لمبی تھی۔ یہ دلکش ٹھنڈی سڑک شاہراہ فنیوفص کہلاتی تھی۔ اس کے دونوں طرف برآمدے تھے اور اِس کی چوڑائی سَو فٹ تھی۔ باغات، شاہی مقبرہ، عجائب گھر اور شاہی محل اس کے شمال میں تھے۔ جنوب کی طرف اکھاڑے کے برآمدے، پان کا فلک بوس مندر، دوسرے مندر اور سرکاری عمارات تھیں۔ اس کے مشرقی سرے پر یہودیوں کا محلہ تھا۔ اُن کے معبدوں اور قومی عمارتوں سے آراستہ آگے چل کر شہر پناہ

سے باہر گھڑدوڑ کا میدان اور بعض سرکاری عمارتیں نظر آتیں۔ یہاں دھوپ سے تپتی زمین اور سفید چمکیلی چٹانیں تھیں جن پر گھاس کا نشان نہ تھا۔ کہیں کہیں ببولوں کے درخت یا کھجوروں کے جھنڈ دکھائی دیتے جو سمندر کی تند ہوا کی رو میں جھک جھک جاتے۔ نظر کو سکون ملتا تھا تو باغِ نمیصص کے شاداب منظر سے جو ریتلے ساحل اور بحیرۂ روم کی وسیع نیلگوں سطح کے مقابل بہت دل فریب معلوم ہوتا تھا! قریب ہی علیوصص کی چھوٹی سی آبادی تیوہاروں اور تفریح کے لیے مخصوص تھی۔ کہا جاتا ہے کہ یہاں رقص و سرود کے متعدد مرکز، طعام گاہیں اور شبستان تھے جن کے دلکش مناظر جنتِ نگاہ معلوم ہوتے تھے۔ مگر یہاں اس قدر شور و غل برپا رہتا تھا اور یہاں آنے والے کچھ ایسے بداطوار تماشبین ہوتے تھے کہ اسکندریہ کا اونچا طبقہ یہاں آنے سے اجتناب کرتا تھا۔ اسکندریہ سے کوئی تین میل دور نکوپولیص کی خوش وضع آبادی تھی جہاں بقولِ اسٹرابو سمندر کے بالمقابل ایسی کوٹھیاں تھیں جن میں سے ہر ایک بجائے خود ایک شہر تھی۔ گرمیوں میں یہاں کے ساحل پر غسل کے شوقین جوق جوق آتے۔ مزید مشرق کی طرف شاہراہِ قینوفص کی ایک شاخ بڑھی چلی گئی تھی جو قصبۂ قینوفص سے گزرتی ملکِ مصر میں داخل ہوتی تھی۔

سڑک کے مغربی بازو کی بھی یہی کیفیت تھی۔ اس عظیم الشان سڑک پر مغرب کی طرف چلتے چلتے مسافر شاہی محلّے سے گزرتا ہوا مصری محلّے میں پہنچتا جو رکوطی کے نام سے موسوم تھا۔ اور وہاں سے سڑک کے مغربی سرے تک۔ اس محلّے کا ایک حصّہ جہازوں کے دفتروں اور مال گوداموں سے آباد تھا۔ بندرگاہ کے عین عقب میں ہونے کے باعث تجارت کا عظیم ترین مرکز اور بے حد مشغول علاقہ تھا۔ یہیں یبوتُص نامی ایک داخلی بندرگاہ تھی جس کی گودیاں وسیع تھیں۔ ایک نہر جو شاہراہِ قینوفص کے نیچے سے گزرتی تھی، اس بندرگاہ کو شہر کے پیچھے والی جھیل سے ملاتی تھی۔ مصری محلّے کے عقب میں ایک پہاڑی پر صیرافیص دیوتا کا مندر تھا جس کے برابر سے ایک چوڑی سڑک شاہراہِ قینوفص کو عجائب گھر سے مغرب کی طرف عمودی طور پر کاٹتی ہوئی گزرتی تھی۔ کہا جاتا ہے کہ روم کے بڑے مندر کے سوا ساری دنیا میں اس عالی شان مندر کا جواب نہ تھا۔ اپنی بلند کرسی کی بدولت یہ عظیم الشان مندر راہ گرد کی گنجان پُرشور آبادی

کے سر پر پہاڑ کی طرح کھڑا تھا اور ایسا معلوم ہوتا تھا کہ شہر کی متعفن فضا سے آلودہ ہونے کے بجائے اِس کے دروازے اور دریچے سمندر کی صاف ستھری ہوا کے طالب تھے۔ اِس مندر کے پیچھے، شہر پناہ سے باہر چٹانی زمین پر سٹیڈیم یعنی ورزش خانہ واقع تھا۔ اِس سے مغرب کو نیکرو پولس کے دلکشا باغات اور روضے پھیلے ہوئے تھے۔ انتہائی مغرب کی جانب کوٹھیوں اور باغات کا سلسلہ تھا۔ ممکن ہے کہ آج کل اسکندریہ کے نواح میں جو ولایتی پھول خودرد ہیں وہ اُنھیں پھولوں کی یادگار ہوں جو آج سے دو ہزار سال پہلے یونانی بادشاہوں نے یہاں لا لا کر لگائے تھے۔

شہر کی فصیل کے عقب میں جھیل میریوٹس سراسر پھیلی ہوئی تھی۔ یہ شہر کو دریائے نیل کے ڈیلٹے سے جدا کرتی تھی۔ اِس جھیل کے شفاف سینے پر سیکڑوں جہاز تیرتے پھرتے تھے جو اندرونِ مصر کی پیداوار اسکندریہ میں لاتے۔ جھیل والی بندرگاہ اور گودیاں دریا کی ایک شاخ کے دہانے پر واقع تھے جو دُور تک اندرونِ شہر میں گھُسی پانیم مندر تک چلی گئی تھی اور وہاں ایک برآمدہ نما چوڑی سڑک کو عموداً قطع کرتی ہوئی بڑی بندرگاہ سے مل جاتی تھی۔ باب الشمس اس کے جنوبی سرے پر اور باب القمر شمالی سرے پر واقع تھا۔ کہتے ہیں کہ جھیل کی یہ بندرگاہ بڑی بحری بندرگاہ سے کہیں زیادہ پُر رونق تھی۔ وجہ یہ تھی کہ بے شمار جہاز مصر کے مختلف حصوں کی پیداوار دریا اور نہر کے راستے اِس کثرت سے لاتے تھے کہ بحری بندرگاہ کی برآمد و درآمد اس کے مقابلے میں ہیچ تھیں۔ اِس وسیع جھیل کا ساحل نہایت زرخیز تھا۔ جھیل کے سرے پر نرسل کے پودے اِس کثرت سے اُگے ہوئے تھے کہ جھیل کا خاصا حصہ اُن سے چھپ گیا تھا۔ یہ مقام اہلِ اسکندریہ کی تفریح گاہ تھا۔ وہ نازک کشتیوں میں سوار ہو کر نرسل کے انتہائی گھنے قطعوں میں گھُس جاتے۔ نرسل کے پتّے اُن پر سایہ فگن ہوتے جنھیں وہ طشتریوں یا پیالوں کے طور پر بھی استعمال کر لیتے تھے۔ ساحل پر انگور کی بیلیں اور میوہ دار درختوں کے باغ دُور تک پھیلے ہوئے تھے۔ غرض جھیل کے شفاف پانی میں آٹھ جزیرے تھے جو سرسبز و شاداب باغوں سے ڈھکے ہوئے تھے۔

سٹرابو لکھتا ہے کہ اسکندریہ کے باغات اور سبزہ زار حد درجہ نظر فریب تھے۔ ہر وضع کی

شاندار عمارتیں کثرت سے تھیں۔ سارے شہر میں چوڑی چوڑی سڑکیں تھیں۔ اتنی چوڑی کہ اُن پر کئی کئی رتھ بہ آسانی گزر سکتے تھے۔ تین بڑی سڑکیں، جو باب قینوفس، سیراپیم مندر اور جھیل کی بندرگاہ کو جاتی تھیں، چوڑائی کے علاوہ لمبائی کے لیے بھی مشہور تھیں۔ ان سڑکوں کی لمبائی ضرب المثل ہو چکی تھی۔ بطلیموس بادشاہوں نے تین صدیوں تک اِس شہر کی آرائش وزیبائش پر دولت کو پانی کی طرح بہایا تھا اور یہ حقیقت تھی کہ روئے زمین پر اگر اِس حسین وجمیل شہر کا جواب تھا تو روم۔ ایچی لس ٹاشیس نے، جو مشہور رومی ناول نگار تھا۔ کئی صدی بعد اس شہر کو دیکھا۔ اُس وقت تک بطلیموس بادشاہوں کی اکثر عمارتیں خاک میں مل چکی تھیں۔ اُن کی جگہ رومی عمارات نے لے لی تھی، جو اُتنی دلکش نہ تھیں۔ بایں ہمہ جب وہ شہر میں داخل ہوا تو بے اختیار پکار اُٹھا "خدا کی قسم، میرا دل چھن گیا"۔ ہم ہر طرح یہ باور کرنے کے لیے تیار ہیں کہ اُس کے الفاظ مبالغے سے خالی تھے۔ شہر کی سرکاری عمارتیں اور شاندار محلّات ایک طرف صاف موسم کی چمکتی دھوپ میں جھلجھل کرتے تو دوسری جانب جھیل کے شفّاف پانی میں اُن کا دل فریب انعکاس اتنا حسین منظر پیش کرتا تھا کہ تماشائی کی نگاہ خیرہ ہو جاتی اور دل مسحور ہو کر رہ جاتا۔

اِن تمام خوبیوں کے باوجود یہ کہنا پڑے گا کہ اس بہشت منظر شہر کے رہنے والے اُس کے شایاں نہ تھے۔ مختلف قوموں کی مخلوط کھچڑی، جو آج نظر آتی ہے، دو ہزار سال پہلے بھی یوں ہی تھی۔ البتہ آج کل یہ فرق نمایاں ہے کہ اسکندریہ کے مقامی آدمی اہلِ یورپ سے الگ پہچانے جا سکتے ہیں۔ یہ بالعموم مسلمان ہیں اور دوسری قوموں مثلاً عیسائیوں میں شادی نہیں کرتے۔ بطلیموسی عہد میں تمام قومیں باہم شادی بیاہ کرتی تھیں اور اِس طرح شہر کی آبادی ایک مخلوط سانچے میں ڈھلتی جا رہی تھی۔ البتہ یہودی اِس بین الاقوامی مناکحت سے پرہیز کرتے اور اپنی نسل کو خالص رکھنا مذہبی فریضہ سمجھتے تھے۔ شہر کے یونانی، جو ہمیشہ سے بڑی تعداد میں ہیں۔ شمالی یونان یعنی مقدونیہ کے باشندے تھے مگر اِن لوگوں نے مصری خاندانوں میں اِس کثرت سے شادیاں کرلی تھیں کہ اکثر خاندان گڈمڈ تھے۔ بعض مقدونی سپاہی اور افسر، جو سکندرِ اعظم کے ہمراہ آئے تھے، باہمی ازدواج سے محفوظ رہے اور اِس طرح امرا کے متعدد خاندان خالص مقدونی تھے جنھیں اپنی نسلی برتری کا بڑا غرور تھا۔ مگر یہ غرور بیجا تھا۔ اُن کا

آبائی وطن اُن دنوں رومتہ الکبریٰ کے ممالکِ مفتوحہ میں شامل ہو چکا تھا اور مقدونی ہونا قابلِ افتخار بات نہ تھی۔ اسی طرح بہت سے خالص مصری خاندان تھے جو اپنی نسل کو خالص رکھنے پر نازاں تھے۔ اکثر پڑھے لکھے اشخاص یونانی اور مصری دونوں زبانیں جانتے تھے۔ عدالتی فیصلے اور سرکاری اعلان بھی دونوں زبانوں میں ہوتے۔ بہت سے یونانیوں نے اپنے ناموں کے ساتھ مصری نام بھی لگا لیے تھے۔ اسی طرح مصریوں نے یونانی نام اختیار کر رکھے تھے۔

شہر میں مصریوں اور یونانیوں کے علاوہ بے شمار اشخاص اور بھی تھے جو اٹلی، کریٹ، قبرص، فونیشیا، آرمینیا، ایران اور عرب کے باشندے تھے۔ یہ لوگ بھی اہلِ اسکندریہ کے ساتھ شادی بیاہ کر لیتے تھے۔ اور اس طرح مخلوط نسلیں پیدا ہوتی رہتیں۔ ان غیر ملکیوں میں بعض تو وہ دولت مند ذی عزت تاجر تھے جو تجارت کے سلسلے میں یہاں آئے تھے۔ بعض ملاح تھے جنھیں بحری قزاق کہنا زیادہ موزوں ہے۔ بعض فرار شدہ غلام، غنڈے اور جرائم پیشہ تھے جنھیں فوجی خدمت کی شرط پر اسکندریہ میں داخل ہونے کی اجازت مل جاتی۔ شہر میں اُن تنخواہ دار سپاہیوں کی ایک مستقل فوج تھی۔ فولی بیس، جو قلوپطرہ کے مورثِ اعلیٰ یعنی بطلیموس ہشتم کے زمانے میں تھا، لکھتا ہے کہ یہ فوجی بدمعاش سخت ظالم اور بدچلن ہیں۔ یہ اطاعت کے بجائے حکم چلانے کے شائق ہیں!

نسل مخلوط ہونے کا ایک سبب اور بھی تھا۔ حفاظتی فوج کے سپاہی، جو بالعموم جرمنی اور فرانس کے باشندے تھے، اسکندریہ میں بس گئے تھے اور انھوں نے یہاں کی عورتوں سے شادیاں کر لی تھیں۔ اگرچہ یہ لوگ مخلوط نسل کے بچے پیدا کرنے کے سوا یہاں کی معاشرت پر اور کوئی اثر نہ ڈال سکتے تھے مگر خود اُن کا وجود شہر کی سعت رنگی میں اضافہ کرتا تھا۔ گمان غالب ہے کہ یہ وحشی اُجڈ فوج، جو رومی سرداروں کی ماتحتی میں تھی، شاہی باڈی گارڈ سے مسلسل اُلجھتی رہتی ہوگی جو قصرِ شاہی کی حفاظت پر مامور تھے اور خود کو خالص مقدونی کہتے تھے۔ قلوپطرہ کے عہدِ حکومت میں شاہی باڈی گارڈ میں زمانے بھر کی قوموں کے تیلی تنبولی بھرتی ہونے لگے تھے۔ جو فرانسیسی اور جرمنی قوی ہیکل سپاہیوں کے حریف نہ ہو سکتے تھے۔

طبقۂ امرا میں ہر ملک اور قوم کے اشخاص شامل تھے۔ اِن میں مختلف ملکوں کے تنخواہ دار سرداروں کے علاوہ شاہی باڈی گارڈ کے افسر، حفاظتی فوج کے رومی افسر، مقدونی امرا، مصری اور یونانی عہدہ دار، معززاور متموّل یہودی، شامی اور ولائتی شامل تھے۔ عجائب خانے کے علما، اور اساتذہ کا گروہ ان کے علاوہ تھا۔ حکومت اِن کی سرپرست تھی مگر اسکندریہ کے امرا انھیں درخورِ اعتنا نہ سمجھتے تھے۔ ہاں ان کے علم و فضل کا احترام ضرور ہوتا تھا۔ طبقۂ عوام میں مخلوط النسل کے لاکھوں یونانی اور دوغلے مصریوں کی بڑی تعداد شامل تھی۔ ایسے بدمزاج، شورش پسند اور شورانگیز آدمی دنیا بھر میں کہیں نہ تھے حتیٰ کہ روم جیسا ہنگامہ خیز شہر بھی اُن کا جواب پیش کرنے سے قاصر تھا۔ یونانیوں اور یہودیوں کے درمیان ہمیشہ پرخاش رہتی تھی۔ مگر یونانی اور مصری باہم گھل مِل گئے تھے۔ کیونکہ دونوں کے مابین کوئی خاص وجہِ مخاصمت نہ تھی۔

اہلِ اسکندریہ بلکہ ڈیلٹے کے اکثر باشندے یونانیوں کی طرح اُجلی رنگت کے تھے۔ شورانگیزی، ہنگامہ پروازی، خودپسندی، زود رنجی، چستی و چالاکی میں دونوں قومیں ایک جیسی تھیں۔ مذہبی اختلاف نہ تھا کیونکہ مصر اور یونان کے دیوتا قریب قریب ایک ہی تھے۔ مصریوں کا بڑا دیوتا سیرافِس تھا جس کی پوجا مصری اور یونانی دونوں کرتے تھے۔ تہذیب اور فنون میں بھی اختلاف نہ تھا۔ خود مصر کا فن عملاً مرچکا تھا اور یونانی فن کاری نے ان کی جگہ لے لی تھی۔ مصریوں کا تعلیم یافتہ طبقہ تسلیم کرچکا تھا کہ یونانی فن زندگی کی لطافت سے زیادہ قریب تھا دونوں قومیں محنتی اور دولت کمانے کی عاشق تھیں اور یہ بات بھی دونوں میں مشترک تھی کہ جہاں تفریح کا کوئی موقع ہاتھ آتا، کام کاج چھوڑ خوش باشی میں مصروف ہوجاتیں۔ اسکندریہ جیسے متموّل شہر میں یہ موقعے اکثر آتے رہتے تھے۔ بقولِ پوبلیس اہلِ اسکندریہ چست و چالاک اور مہذب تھے۔ اگرچہ وہ یونانیوں کو ترجیح دیتا ہے مگر اس بات کا معترف ہے کہ وہ مصریوں کے مقابلے میں ہیچ ہیں۔

اسکندریہ کے باشندے تفریح کے شوقین اور تھیٹر کے عاشق تھے۔ ڈیوین کرائسوسٹم، جو قلوپطرہ کے سو سال بعد کا مؤرخ ہے، لکھتا ہے کہ شہر کا ایک ایک متنفس من موجی ہے اور خوش وقتی کا دیوانہ۔ جس روز ہیاں عفیص (مقدس نیل) کا جلوس نکلتا ہے۔ ہر شخص گھر دوڑا اور رنگ

رلیوں میں محو ہو جاتا ہے۔ یہ لوگ جب تک اپنے روزمرّہ کاروبار میں لگے رہتے ہیں خاصے بھلے چنگے معلوم ہوتے ہیں مگر جیسے ہی گانے بجانے یا گھڑ دوڑ کی بھنک اِن کے کان میں پڑے، جوشِ طرب میں دیوانے ہو جاتے ہیں۔ وہ اپنے روزمرّہ مشاغل و فرائض انجام دیتے وقت بالکل سنجیدہ اور عاقل ہوتے مگر تھیئٹر یا گھڑ دوڑ کے میدان میں داخل ہوتے ہی مست و بے خود ہو جاتے۔ انھیں مطلق خیال نہ رہتا کہ ہم کیا کر رہے یا کیا کہتے ہیں۔ عورتوں اور بچوں کا بھی یہی حال تھا۔ غرض گھڑ دوڑ یا ناٹک کا نشہ اترنے کے بعد بھی کئی کئی دن تک سڑکوں اور گلیوں میں ایک ادھم مچا رہتا۔ شہنشاہ ہیڈریان کے الفاظ میں :

"میں نے اہلِ اسکندریہ کو متلوّن مزاج، غیر مستقل اور ہلکا پایا یہ عجب مخلوق ہیں کہ ذرا سی افواہ سنی اور بے قرار ہوئے۔ یہ لوگ متموّل اور خوشحال ہیں مگر خود پسندی غدّاری اور رشتر کینہ پن اُن کی رگ رگ میں سمایا ہوا ہے۔"

یونانی مصری نوجوان اپنے چھیل چھبیلے پن اور بیباکی وطرّاری کے لیے بدنام تھے۔ شہر کے افسران اور امرا، جن کا دن رات عوام سے واسطہ رہتا تھا، اکثر ان نوجوانوں کی تیز زبانی کا نشانہ بن جاتے۔ جیسے ہی کوئی افسر نیا عہدہ سنبھالتا یا کوئی بادشاہ تختِ سلطنت پر جلوس کرتا، شہر کے بے فکرے بانکے پھبتیاں اڑاتے اور کوئی ایسا بھونڈا لقب تراش لیتے جو ساری عمر کے لیے اُس کی ذات سے چپک جاتا۔ چند مثالیں سنیے اور ان بے فکروں کی طرّاری کا اندازہ کیجیے بطلیموس ہفتم کو، جو بہت فربہ تھا، اُن کی بارگاہ سے "غبارہ" کا لقب ملا۔ بطلیموس دہم کے لیے "مٹر" کا خطاب تجویز ہوا۔ بطلیموس دوازدہم کو بانسری بجیّا کا نام دیا گیا۔ سائیوکس کو کباب فروش کہہ کر پکارا۔ شاہ وسپاشین کو بیک جنبشِ زبان "رسویا" بنا ڈالا۔ اسی طرح جب یہودی بادشاہ اگرپا اسکندریہ سے گزرا تو ان لفنگوں نے ایک آوارہ گرد پاگل کو باقاعدہ لباس پہنایا، اُس کے سر پر کاغذ کا تاج رکھا، ہاتھ میں ایک نرکل تھما دیا اور سارے شہر میں "یہودی بادشاہ" کے نعرے لگاتے ہوئے اُس کا جلوس نکالا۔ حالانکہ یہودی بادشاہ اگرپا اور شاہِ مصر باہم دوست تھے مگر ان بدتمیزوں نے کسی بات کا لحاظ نہ کیا۔ شاہِ وسپاشین کے متعلق ایک تمسخر آمیز نظم کہی جس میں اُس کے بخل کا خاکہ اڑایا۔ کیراکولا ایک تند خو، سنگدل،

پست قامت فرمانروا تھا جو سکندر اعظم کا سا لباس پہنتا تھا۔ ان بے فکروں نے اُس پر بھی آوازے کسے مگر اس مرتبہ اُن کا واسطہ ایک عیار خونخوار سے تھا جس نے شہر کے تمام بے فکرے رنگیلے نوجوانوں کو کسی بہانے سے اکٹھا کیا اور کمال بے دردی سے تہ تیغ کر ڈالا۔

غرض اسکندریہ کے نوجوان ہنگامی واقعات پر چُھبتی ہوئی نظمیں لکھ ڈالنے پر مشہور تھے۔ کئی صدی کے بعد ایک مؤرّخ اُن کی اِس افتادِ طبع کا حوالہ دے کر لکھتا ہے کہ "یہاں کے نوجوان اپنے بادشاہوں کے خلاف مضحک اور دلخراش نظمیں لکھنے میں ماہر ہیں" یہ نظمیں بڑی سرعت کے ساتھ اسکندریہ سے روم پہنچ جاتیں اور وہاں کے گلی کوچوں میں اِس طرح گائی جاتیں جیسے آج کل امریکی شاعروں کا کلام لندن میں گایا جاتا ہے۔ تاریخ شاہد ہے کہ اسکندریہ کے مسخرے روم آتے تھے اور یہاں کے باشندوں کو ہنسا ہنسا کر بے حال کر دیتے تھے۔

جیسا کہ بیان ہوا، شاہ ہیدریان کی رائے میں اہلِ اسکندریہ سخت کینہ پرور تھے۔ کچھ شک نہیں کہ اسکندریہ کے نوجوانوں کی تیز زبانی اور بدلگامی میں اِس کینہ پروری کا بڑا دخل تھا۔ یونانی مصری نوجوان بہت ہی شیخی باز اور خود پسند واقع ہوا تھا۔ قاعدہ ہے کہ خود پسند آدمی اپنے آپ کو تنقید یا نصیحت سے بالاتر سمجھتا ہے اور دوسروں پر تنقید کرتے وقت سخت بے لحاظ ہو جاتا ہے۔ اُس عہد کے نوجوان حد درجہ شیخی باز تھے جن کے حوالے مؤرّخوں نے جا بجا دیے ہیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ رنگیلے بانکے خود نمائی اور خود آرائی پر جان دیتے تھے۔ آج کل کے مصری رومی نوجوان کا بھی یہی حال ہے۔ اگر اُس زمانے کے نوجوانوں کی عادت و خصلت کا اندازہ دورِ حاضر کے نوجوانوں سے کیا جائے تو یہ فیصلہ قطعاً درست ہوگا۔ کہ اُس عہد کے چھبیلا سخت بدنام غنڈے ہوتے تھے۔ اُس زمانے میں اہلِ اسکندریہ کی زندگی اہلِ روما کے مقابلے میں کہیں زیادہ پُر تکلف تھی۔ وہ کھانے چاٹنے کے بے حد شوقین تھے۔ بقول ایک مؤرّخ کے "انہیں کھانے پینے اور گھڑ دوڑ کے سوا کسی چیز کی پروا نہ تھی" اسکندریہ کے مصری اور یونانی دونوں متلوّن مزاج تھے۔ وہ جذبات کی رَو میں

بہ جاتے تھے۔ "اسکندری نوجوان" کا مصنف لکھتا ہے:

"اگر میں اہلِ اسکندریہ کو دغابازی اور متلوّن مزاجی کے الزام سے بچانے کی کوشش کروں تو یہ سراسر حماقت ہوگی۔ کوئی شک نہیں کہ پوری قوم غداری اور دغابازی پر مائل ہے۔"

حقیقت یہ ہے کہ اہلِ اسکندریہ کے سامنے کوئی تابندہ روایت تھی ہی نہیں۔ انھیں سیاسی سربلندی یا حبِ وطن کا جذبہ چھو بھی نہ گیا تھا۔ حالاتِ حاضرہ پر غور کرنا یا اپنے ملک کی تاریخ لکھنا انھوں نے سیکھا ہی نہ تھا۔ وہ وقتی جذبات کے غلام تھے۔ اگر حکومتِ وقت اُن کی مرضی کے مطابق نہ ہوتی تو وہ حیرت ناک عجلت سے اُس کے خلاف بغاوت کر دیتے۔ شہر میں بلوے اور فساد کی گرم بازاری تھی۔ انسانی جان کا کوئی احترام نہ تھا۔

کہا جاتا ہے کہ قلوپطرہ کے زمانے میں اسکندریہ کی آبادی تین لاکھ تھی گویا اُس عہد کے روم کی آبادی سے کسی قدر کم۔ مگر روم کی خونریز خانہ جنگی کے بعد اسکندریہ کی آبادی روم کے مقابلے میں دگنی تھی۔ متلوّن مزاجی کے باوجود یہاں کے باشندے بہت اچھے تاجر اور حوصلہ مند سوداگر تھے۔ شہر میں تجارت کی وہ گرم بازاری تھی کہ روم اُس کے مقابلے میں ہیچ تھا۔ یہ وصف اسکندریہ کے یونانی باشندوں کی بدولت تھا جو ذی حوصلہ سوداگر تھے اور آج تک اس صفت کے مالک ہیں ورنہ مصری باشندے بالکل بے حوصلہ اور غیر متحرک تھے۔ اُن دنوں اسکندریہ دنیا بھر میں غلّے کی سب سے بڑی منڈی تھی جس پر روم رشک کرتا تھا۔ یہاں یہ واضح کر دینا مناسب ہے کہ قلوپطرہ کے عہد میں ہمارے زمانے کی نسبت زیادہ غلّہ کھایا جاتا تھا۔ زیادہ اناج کھانا کمال سمجھا جاتا تھا۔ ایک مرتبہ جولیس سیزر کے سپاہیوں نے غلّے کی کمی کے باعث کچھ دنوں گوشت پر گزارہ کیا تھا۔ سیزر اس موقع پر ان کی قوتِ برداشت کا ذکر بڑے فخر سے کرتا ہے۔ اسکندریہ غلّے کے علاوہ اور سیکڑوں چیزوں کا تجارتی مرکز تھا۔ غرض قلوپطرہ کے عہد میں اسکندریہ دنیا بھر کی سب سے بڑی تجارتی منڈی تھی جس کے بازاروں میں مشرق اور مغرب کے مال کی ریل پیل رہتی تھی۔ اُس عہد میں دنیا کے تاجروں کی نظریں اسکندریہ پر جمی ہوئی تھیں کیونکہ یہ یورپ اور ہندوستان کے نئے تجارتی راستوں کا سنگم تھا جہاں سے بیش قیمت

سامانِ تجارت مدت سے گزرتا تھا۔

تجارت کے دوش بدوش یہ شہر یونانی علوم و فنون کا مرکز بھی تھا۔ اُسے دعویٰ تھا کہ علم و فن کے معاملے میں کوئی شہر میرا حریف نہیں۔ اگرچہ یہ دعویٰ مسلّم نہ تھا مگر وہ مجسمہ جس میں دریائے نیل کو ایک مردِ بزرگ میں مجسّم دکھایا ہے، اسکندریہ کے فن کا عمدہ شاہکار ہے۔ اسکندریہ کا دارالعلوم، جو اپنی سائنسی تحقیقات اور شاعری کے لیے دو صدیوں سے شہرۂ آفاق تھا، اب بھی موجود تھا مگر اب اُس کی سرگرمیاں انحطاط کی طرف مائل تھیں۔ اُس کی جگہ فلسفے کی تعلیم کو فروغ ہو رہا تھا۔ غرض اسکندریہ اُس عہد کے تاجروں، سائنس دانوں، عالموں اور سیاست دانوں کی نظروں کا مرکز تھا اور بطلیموسی دربار اپنے نالائق بادشاہوں کے باوجود ساری دنیا کی نظر میں قابلِ احترام تھا۔

تین

قلوپطرہ کی پیدائش اور بچپن

سکندرِ اعظم کے مرنے کے بعد تیسری صدی قبل مسیح کے آغاز میں ایک مقدونی سردار بطلیموس بن لاغوص مصر پر قابض ہوگیا۔ چند سال بعد اُس نے اپنی شاہی کا اعلان کر دیا اور اسکندریہ کو اپنا دارالسلطنت قرار دیا۔ اِس نسل کے بادشاہوں نے اوّل اوّل انصاف اور ہوش مندی سے حکومت کی مگر بعد میں مطلق العنان فرمانروا بن گئے جنھیں ملک کی فلاح و بہبود سے چنداں سروکار نہ تھا۔ غرض اِس طرح اس خاندان نے اڑھائی سو سال حکومت کی قلوپطرہ اِس نسل کی آخری اور اِس نام کی ساتویں ملکہ تھی جس کے شاہانہ پیکر میں اپنے خاندان کا شاہی طمطراق پوری آب و تاب سے جلوہ گر تھا۔ قلوپطرہ اور اُس کے بیٹے بطلیموس شانزدہم (لیپر جولیس سیزر) یعنی سیزارین کی وفات پر اِس خاندان کا خاتمہ ہوگیا۔

قلوپطرہ کے اخلاق و عادات کا مطالعہ کرتے وقت ہمیں یاد رکھنا چاہیے کہ وہ سرزمین مصر کی دختر نہ تھی۔ شاہانِ بطلیموس مصری نہ تھے بلکہ خالص مقدونی تھے شمالی یونان کے باشندے، جن کی رگوں میں خالص مقدونی خون موجزن تھا۔ اُن کا دارالسلطنت یعنی اسکندریہ بحیرۂ روم کے ساحل پر ایک نوآبادی کی حیثیت رکھتا تھا جسے وادیٔ مصر سے کوئی تہذیبی یا ثقافتی رابطہ نہ تھا۔ اتنی بات ضرور تھی کہ یہ شہر سارے مصر کی تجارت کا مرکز اور مختلف صوبوں کا مرکزی دارالحکومت تھا۔ یہ شہر اپنی تمام خصوصیات میں یونانی تھا شہر کے مندر اور تمام سرکاری عمارتیں یونانی طرز کی تھیں۔ درباری لباس، امرا کا طرزِ معاشرت، متموّل طبقے کی زندگی، اُس دَور کا فن غرض ہر بات میں یونانی انداز نمایاں تھا۔ یونانی زبان بولی جاتی تھی۔ وہ بھی

تھیں جن میں انھیں فراعنۂ مصر کے روپ میں دکھایا جاتا تھا۔ وہی اونچے اونچے تاج، وہی ہامانی سینگ اور طرّے، ماتھے پر وہی سانپ کا پھن جو مصر کا شاہی نشان تھا۔ اِن تصویروں میں انہیں مصری دیوتاؤں کی پوجا کرتے دکھایا جاتا تھا۔ جیھر گائے کے سامنے اُن کا سر سجود ہوتا، صوبق مگرمچھ کو ڈنڈوت کرنا، باصط بلّی کی درگاہ پر لوبان سلگانا، غرض وہ تمام ٹونے ٹوٹکے، جو چار ہزار سال سے مصر میں جاری تھے، اِن بادشاہوں سے منسوب کر دیے گئے تھے۔ کسی تصویر میں انھیں آسمانی دیوتاؤں کے دوش بدوش دکھاتے، کسی میں آئی صص سے بغل گیر ہوتے اور کسی میں دیوتاؤں کا سلام قبول کرتے ہوئے۔ بایں ہمہ اِس بات کا ثبوت نہیں ملتا کہ یہ یونانی بادشاہ فراعنہ کی طرح اِن رسوم سے عقیدت رکھتے تھے۔

شاذ و نادر ایسا بھی ہوتا تھا کہ یہ یونانی النّسل مصری بادشاہ اپنی قلمرو کا معائنہ کرنے کے لیے نکلتے، مصر کا گشت کرتے، دریائے نیل میں سفر کرتے، بعض شہروں کے مندروں میں قدم رنجہ فرماتے اور وہاں کی رسوم پورے اہتمام سے انجام دیتے۔ بالکل اُسی طرح جیسے آج کل بعض بادشاہ کسی بڑی عمارت کا سنگِ بنیاد رکھتے یا کسی جہاز کو سمندر میں اتارتے ہیں۔ وہ مندروں کے پجاریوں یا پروہتوں کی دلجوئی کرتے اور انھیں مندروں کی تعمیر یا آرائش کے لیے بے دریغ روپیہ خرچ کرنے کا پورا اختیار دیتے تھے۔ وہ بڑی حد تک مصر کی قومی خصوصیات و معاشرت کی نگاہ داشت بھی کرتے بایں ہمہ اِس بات کا ذرا سا ثبوت بھی نہیں ملتا کہ انھوں نے بھول کر بھی اپنے آپ کو مصری تصوّر کیا ہو۔ اسکندریہ میں رہ کر کسی کو بھی یہ گمان نہیں ہو سکتا کہ میں فراعنۂ مصر کی سرزمین پر ہوں۔ بطلیموسی بادشاہوں کا دربار اپنی جملہ خصوصیات کے لحاظ سے خالص یورپی دربار تھا۔

خاندانِ بطلیموسی کی سفاکی و بیدردی ضرب المثل تھی۔ وہ انسانی جان کا بہت کم احترام کرتے تھے۔ اِس خاندان کی تاریخ اوّل سے آخر تک وحشتناک واقعاتِ قتل سے بھری ہوئی ہے۔ اُن کی یہ تند خوئی خالص مقدونی (یونانی) مزاج کی آئینہ دار ہے کیونکہ اہلِ مصر اُس زمانے سے آج تک حلیم اور خوش مزاج لوگ ہیں جو حقوقِ انسانی بالخصوص انسانی جان کا پورا احترام کرتے ہیں۔

سگے ہاتھوں بطلیموسی بادشاہوں کی سفاکی کے چند واقعات سُن لیجئے۔ بطلیموس چہارم نے بقولِ جسٹن اپنے باپ کو موت کے گھاٹ اُتارا اور مختلف موقعوں پر اپنے بھائی، چچا، والدہ اور بیوی کے قتل کی تدبیر کی۔ بطلیموس پنجم سخت تند خو اور ظالم تھا جو ذرا سی رنجش پر قتل کا حکم دے دیتا تھا۔ بطلیموس ہفتم اگرچہ قتل پر حریص نہ تھا مگر بے حد شوریدہ سر تھا۔ بطلیموس ہشتم نے اپنے بھتیجے کو، جو تخت و تاج کا وارث تھا، قتل کر دیا اور اُس کی والدہ یعنی قلوپطرہ دوم سے شادی کر لی۔ اُس کے بطن سے بہت جلد ایک لڑکا پیدا ہوا جس کی ولدیت مشتبہ ہے۔ بطلیموس نے اِس بچے کی لاش ٹکڑے ٹکڑے کر کے اُس کی ماں کے سامنے بھیج دی۔ اُس کے بعد اپنی بھتیجی یعنی قلوپطرہ سوم سے بیاہ رچا لیا۔ اس نے بیوہ ہونے کے بعد قلوپطرہ دوم کو قتل کر ڈالا [illegible] کا بیٹا بطلیموس یازدہم کے نام سے تختِ سلطنت پر بیٹھا جسے اُس کی ماں نے قتل [illegible] مگر معاملہ برعکس ہو گیا اور بیٹے نے ماں کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔ بطلیموس دہم کی ماں [illegible] اسے تخت سے محروم کر کے بطلیموس یازدہم کو تخت نشین کیا مگر اِس ناشکرے نے [illegible] دیا کہ اپنی محسنہ کو قتل کر ڈالا۔ بطلیموس دوازدہم نے اپنی سوتیلی ماں سے شادی کی۔ پھر [illegible] قتل کرا دیا اور جلد ہی خود بھی قتل کر دیا گیا۔ قلوپطرہ کے باپ یعنی بطلیموس سیزدہم نے اپنی [illegible] بہن اور دوسرے افراد کے خون سے ہاتھ رنگے۔

کچھ مردوں ہی پر موقوف نہیں، اس خاندان کی عورتیں مردوں سے بھی زیادہ بیدرد و سفاک تھیں۔ محاقی اِن سفاک عورتوں کی افتادِ مزاج کو اِن الفاظ میں پیش کرتا ہے:

"انھیں غیر معمولی اقتدار اور دولت حاصل ہے۔ دولت ان کی کنیز ہے اور انسان اِن کے اشاروں پر ناچتے ہیں۔ یہ عورتیں اپنی طاقت کو خانہ جنگی میں صرف کرتی ہیں۔ قرابت اور اُلفت کے سب رشتے توڑ کر یہ اپنے بھائیوں تک کے خون سے ہاتھ رنگتی ہیں۔ اِن کے فسق و فجور اور سیاہ کاری کا یہ عالم ہے کہ آدمی حیران رہ جاتا اور عالمِ حیرت میں سوال کرتا ہے کہ کیا انسانی اخلاق بہیمیت کی اس پستی میں گر سکتا ہے؟"

خونریزی اور سفاکی کے علاوہ یہ خون آشام خاندان اپنی سیاہ کاری و بدمستی کے لیے

بھی رُسوائے عالم تھا۔ پہلے تین بادشاہ غلطیوں اور کوتاہیوں کے باوجود بہت سے اوصافِ حمیدہ اور لیاقت و قابلیت کے مالک تھے۔ باقی تمام فرمانروا بدطینت اور بدچلن نکلے۔ بایں ہمہ سب کے سب ادبیات اور علوم و فنون کے سرپرست تھے۔ یہ کہنا غلط نہ ہوگا کہ اِس خاندان نے علم و ادب کی جتنی سرپرستی کی اتنی دنیا کے کسی اور خاندان نے نہ کی ہوگی۔ بطلیموسی عہد کا اسکندریہ بہت سے علوم و فنون کا گہوارہ تھا۔ فنِ تشریح الاعضا، علمِ ہیئت، ہندسہ، جغرافیہ، مخروط تراشی، علم سیّالات سب نے یہیں جنم لیا۔ اِسی طرح فن کاری میں بھی یہ شہر ساری دنیا میں پیش پیش تھا۔

یہاں کا شاہی قصر شان و شوکت اور آرائش و تعیّش کے لیے شہرۂ آفاق تھا۔ سامانِ عیش و عشرت کی وہ فراوانی تھی کہ کسی اور بادشاہ نے خواب میں بھی نہ دیکھی ہوگی۔ قلوپطرہ کا دادا بطلیموس دہم تھا جسے لوگوں نے مٹر کا لقب دے دیا تھا۔ وجہ یہ تھی کہ اُس کی پھولی ہوئی ناک مٹر کی پھلی سے مشابہ تھی۔ اور یہ اِس بات کی علامت ہے کہ وہ بے اعتدال آدمی تھا۔ قلوپطرہ کا پردادا بطلیموس نہم، جسے اہلِ اسکندریہ نے 'غبارہ' کا خطاب دیا تھا، بے حد فربہ تھا جو اپنے کسی دوست کے ساتھ ت ایک بار شہر میں نکلا۔ بطلیموس یازدہم پُرخوری اور سیاہ مستی کے سبب اتنا فربہ ہوگیا تھا کہ بیساکھیاں لگائے بغیر دو قدم بھی نہ چل سکتا تھا۔ ہاں شراب کے نشے میں کبھی کبھی اِدھر اُدھر اُچھل کود لیتا تھا۔ قلوپطرہ کا باپ بطلیموس سیزدہم شراب نوشی کا اتنا رسیا تھا کہ جب ایک دعوت کے موقع پر دیمطریوس نامی فلسفی نے شراب پینے سے پرہیز کیا تو اُسے قتل کی دھمکی دی۔ اُس غریب نے شراب پی کر بدمستی کا مظاہرہ کیا اور اِس طرح جان بچائی۔ بطلیموسی خاندان کی یہ بد افعالیاں دیکھتے ہوئے خود بخود خیال آتا ہے کہ قلوپطرہ جو اس خاندان کی آخری ملکہ ہے، کیا اتنی ہی ہوسناک اور سیاہ کار نہ ہوگی؟ مگر تاریخ کے مطالعے سے ثابت ہوتا ہے کہ اپنے بعض عیوب کے باوجود وہ بالکل گئی گزری عورت ہرگز نہ تھی۔

قلوپطرہ کا باپ بطلیموس سیزدہم جسے بانسری بجیا کرشن کنھیا کے خطاب سے یاد کرتے تھے، ایک حقیر، بدخصلت انسان تھا۔ شراب کے نشے میں چور رہنا، محل میں خرمستیاں کرنا اور رنگ رلیاں منانا اُس کا شیوہ تھا۔ مصر کی تاریخ میں اُس کا دورِ حکومت جام کی طرح نظر کے سامنے آتا ہے۔ کئی کئی گھنٹے بانسری بجاتے رہنا، نشۂ شراب میں چور رہنا، اپنے ڈگمگاتے تخت کو

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

جو ایک وعدے کی صورت رکھتی تھی، اپنی تخت نشینی سے پہلے محض اس لیے لکھی تھی کہ تخت نشینی کے معاملے میں روم کے عوام اُس کی حمایت کریں۔ ہو سکتا ہے کہ کوئی اور وجہ ہو۔ غرض دربارِ روم نے اِس وصیت کے رو سے مصر پر اپنا دعویٰ ثابت کر دیا تھا۔ بطلیموس سیزدہم کے ہوا خواہ اس وصیت نامے کے منکر تھے۔ اُن کا عذر تھا کہ یہ وصیت نامہ شاہِ مرحوم کا ہے ہی نہیں بلکہ بطلیموس یازدہم یا کسی اور گمنام شخص کا ہے۔ وصیت نامے کے صحیح ہونے میں تو کوئی شک نہیں لیکن یہ سوال ضرور پیدا ہوتا ہے کہ وہ قانوناً جائز تھا یا نہیں۔ پہلا اعتراض تو یہی ہے کہ شاہِ مرحوم نے یہ وصیت نامہ اپنی تخت نشینی سے پہلے لکھا تھا جب وہ تختِ مصر کا مالک ہی نہ تھا۔ دوسرا اعتراض یہ ہے کہ ملک کا جائز وارث ہوتے ہوئے ملک پر کسی غیر کا قبضہ ہو جانا بے معنی ہے۔ بہر حال دربارِ روم نے اِتنا کیا کہ مرحوم بادشاہ کی ذاتی دولت جتنی سمیٹی جا سکی سمیٹ لی مگر بطلیموس سیزدہم اور بادشاہِ قبرص کے تخت و تاج سے تعرض نہ کیا اگرچہ اُس کے ساتھ ساتھ اُن کی شاہی کو بھی باقاعدہ تسلیم نہ کیا۔

غرض دربارِ روم نے اِس مخمصے میں زیادہ پھنسنا مناسب نہ سمجھا۔ وجہ یہ تھی کہ اکثر ارکانِ حکومت کی رائے یہ تھی کہ اکثر ارکانِ حکومت کی رائے یہ تھی کہ مشرقی معاملات میں زیادہ اُلجھنا خلافِ مصلحت ہے۔ وہ اِس بات سے بھی خائف تھے کہ کہیں کوئی فردِ واحد اِس صوبے کا مختارِ مطلق نہ بن بیٹھے۔ اُس زمانے میں مصر بے حد مالدار اور اہم ملک سمجھا جاتا تھا۔ وہ افریقہ کی کنجی تھا اور ہندوستان و عربستان کا صدر دروازہ۔ یہ زرخیز خطّہ اپنی اہمیت کے لحاظ سے روم سے دوسرے نمبر پر تھا۔ خزانۂ شاہی کے سالانہ محاصل جمہوریۂ روم کی آمدنی کے برابر تھے کچھ عرصے بعد جب پومپی اعظم نے رومی خزانے کی آمدنی میں خاصا اضافہ کر دیا تو بھی خزانۂ مصر کی آمدنی اُس سے کچھ ہی کم تھی۔ ایتھنز کے زوال کے بعد اسکندریہ ہی تہذیب و ثقافت کا مرکز تھا اور دنیا کا دوسرا بڑا شہر۔ اِن تمام وجوہ کے پیشِ نظر یہ خطرہ تھا کہ فوج اور جو سپہ سالار اُدھر بھیجے جائیں وہ کہیں مصری تہذیب میں جذب ہو کر خود مختار حکومت نہ قائم کر لیں۔ اور روما الکبریٰ کے لیے مفت کا دردِ سر نہ بن جائیں۔

مصر کا یہ نیا بادشاہ جس کا لقب 'بانسری بجیا' تھا، مذکورۂ بالا وصیت نامے کے خیال سے

منصوبہ ملتوی ہوگیا اور بادشاہ نے کچھ دنوں کے لیے اطمینان کا سانس لیا۔ ۶۳ق م میں پومپی نے شام کو رومی ممالک محروسہ میں شامل کرلیا۔ رنگیلے بادشاہ نے اِس موقع پر پومپی کی دوستی خریدنے کے لیے ایک خطیر رقم اور فوجی رسد تحفۃً بھیجی اور اُسے دوستانہ ملاقات کے لیے اسکندریہ آنے کی دعوت دی۔ پومپی نے یہ تحفہ تو قبول کرلیا مگر مہمانی اور میزبانی کے چکر میں پڑنا غیر ضروری سمجھا۔

آخر ۵۹ق م میں بادشاہ نے خود روم کا رُخ کیا تاکہ وہاں پہنچ کر پومپی کی وساطت یا جولیس سیزر کی اعانت سے خود کو مصر کا جائز فرماں روا تسلیم کرائے۔ اُس کی نااہلی و نالائقی کے پیشِ نظر اِس بات کا امکان نہ تھا کہ رومی ارکانِ حکومت اُس کی ہوا خواہی کریں گے تاوقتیکہ انھیں بھاری رشوتیں دے کر نہ ملایا جائے۔ اِس مقصد کے لیے بادشاہ سے جتنی دولت سمیٹی جا سکی سمیٹ لی اور روم جا پہنچا۔ اُن دِنوں بقولِ مومسن روم میں بے ایمانی کا دور دورہ تھا۔ جو شخص رشوت نہ لیتا دوسرے اُسے دشمن سمجھتے۔ غرض شاہِ مصر نے روم پہنچتے ہی سینیٹ کے ارکان کو بے دریغ رشوت دینی شروع کی اور انھوں نے بھی پوری عیّاری سے بادشاہ کی کھال کھینچی۔ نادان بادشاہ اپنی دھن میں تھا۔ جب اُس کی ذاتی دولت ختم ہوگئی تو اُس نے روم کے نامی گرامی ساہوکار رابیریس پوسٹومس اور اُس کے حریص ہم پیشوں سے بڑی بڑی رقمیں قرض لیں۔ سود خواروں کی اِس ٹولی نے بادشاہ کو اس شرط پر قرض دیا کہ جب آپ اپنے مقصد میں کامیاب ہو جائیں تو بھاری رقم چند در چند کر کے واپس کریں۔

شاہِ مصر کا یہ سفر عین مطابقِ مصلحت تھا۔ بحری قزاقوں کی سرکوبی اور دیگر محاربات میں رومی خزانہ خالی ہو چکا تھا۔ کریسس، رُلّس اور جولیس سیزر کی رائے تھی کہ مصر پر بے تامّل قبضہ کر لینا چاہیے۔ بدنصیب بادشاہ عجیب مخمصے میں گرفتار تھا۔ آخر جولیس سیزر جو ان دنوں مختارِ مطلق کا عہدہ رکھتا تھا اور جو مسلسل فضول خرچی کے ہاتھوں دیوالیہ ہو چکا تھا، چھ ہزار ٹیلنٹ (پندرہ ہزار پونڈ) کی رشوت لے کر راضی ہوگیا۔ اُس نے سینیٹ میں ایک دھواں دھار تقریر کر کے نام نہاد شاہِ مصر کی باقاعدہ شاہی کا فرمان جاری کرا دیا۔ جس کے رو سے شاہِ مصر کو روم کا حلیف اور باریاب وفادار تسلیم کیا گیا۔

اگلے سال یعنی ۵۸ ق،م میں روم نے فیصلہ کیا کہ جزیرۂ قبرص کو ممالکِ محروسہ میں شامل کرلیا جائے۔ اِس تجویز کا متحرک کلوڈیس تھا، ایک پرلے درجے کا بدمعاش سیاستدان جسے بطلیموس شاہِ قبرص سے محض اِس لیے عداوت تھی کہ اُس نے اِس احسان فراموش کو بحری قزّاقوں سے صرف پانچ ٹیلنٹ فدیہ دے کر چھڑایا تھا۔ بطلیموس عین وقت پر رومی حملہ آوروں کو رشوت دے کر رام نہ کرسکا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ کیٹو ایک لشکرِ جرّار لے کر قبرص پر قابض ہوگیا اور یہ جزیرہ روم کے صوبہ سلیشیا کا جزو بنا لیا گیا۔ شاہِ بطلیموس نے اپنے ملک سے جلا وطن ہونے کی ذلّت گوارا کرنے کے بجائے عزّت سے جان دینا پسند کیا اور مردانہ وار زہر کھا کر ذلّت سے نجات حاصل کی۔ شاہ کے خزانے سے ستّر لاکھ پونڈ کی خطیر رقم کیٹو کے ہاتھ لگی جس میں سے کچھ تو غالباً اُس نے خود رکھی اور باقی حصہ شفیق القلب روم کے خزانے میں داخل کر دیا۔

رنگیلا شاہِ مصر یعنی بطلیموس سیز دہم روم کی حمایت حاصل کر کے تختِ سلطنت پر سنبھلنے ہی پایا تھا کہ رعیّت بگڑ گئی۔ وجہ یہ تھی کہ بادشاہ نے قرض خواہوں کا قرض ادا کرنے کے لیے ٹیکس میں اضافہ کر دیا تھا۔ رعیّت کا غیظ و غضب کچھ اِس لیے بھی تھا کہ بادشاہ نے اپنے حقیقی بھائی (شاہِ قبرص) کی حکومت رومیوں کے ہاتھوں لٹتے دیکھی مگر اُس کے کان پر جوں تک نہ رینگی غرض بغاوت ہوئی۔ بادشاہ کو مصر سے بھاگنا پڑا۔ اِس بدنصیب کا ٹھکانا اور کہاں تھا، سیدھا روم کا راستہ لیا۔ راستے میں جزیرۂ روڈس پر لنگر انداز ہوا جہاں کیٹو ٹھہرا ہوا تھا بادشاہ نے، جسے ابھی تک اہلِ روم کی خصلتوں کا صحیح اندازہ نہ تھا۔ کیٹو کو پیغام بھیجا کہ ذرا مجھ سے مل جاؤ۔ مدّعا یہی تھا کہ اِس ذی جاہ سردار سے کچھ امداد حاصل کی جائے مگر کیٹو نے، جو اُس روز کچھ بیمار تھا، کہلا بھیجا کہ ملاقات منظور ہے تو خود ہی قدم رنجہ فرماؤ۔

احتیاج بُری شے ہے۔ برگشتہ بخت بادشاہ طوعاً و کرہاً رومی سردار کی قیام گاہ پر پہنچا کیٹو نے اتنا بھی نہ کیا کہ تعظیماً کھڑا ہی ہو جاتا۔ بدستور بیٹھا رہا۔ بادشاہ کو بیٹھنے کا اشارہ کیا اور تند و تلخ الفاظ میں خوب ملامت کرتے ہوئے کہا "روم جا کر اعانت طلب کرنا قطعی حماقت ہے۔ اگر تم سارے مصر کی دولت بھی رومیوں کے قدموں پر ڈال دو گے تو بھی اُن کی ہوسِ زر کم نہ ہوگی۔ تمھیں چاہیے کہ مصر واپس جاؤ اور اپنی رعیّت کو وعدہ وعید سے رام کرو۔ غالباً شدّتِ مرض کے

[illegible]

کی مدد سے وہ مصر پر قابض ہو سکے مگر یکایک یہ امید خاک میں مل گئی۔ کسی سیاسی مخالف نے مقدس صحیفوں کا حوالہ دیا جن سے یہ فال نکلتی تھی کہ اگر کسی زمانے میں شاہِ مصر رومۃ الکبریٰ کی امداد کا طلبگار ہو تو اُس کے ساتھ دوستانہ اخلاق سے پیش آیا جائے لیکن فوجی امداد ہرگز نہ دی جائے۔ غرض بدنصیب بادشاہ آرزوؤں کا ماتم کرتا روم سے نکلا اور افیسس میں مقیم ہوا۔ البتہ عمونیس نامی ایک نائب کو روم میں چھوڑ دیا تاکہ واقعات کی رفتار سے مطلع کرتا رہے۔

تین سال اور گزر گئے۔ جنوری ۵۵ ق م میں بھی بادشاہ کا معاملہ زیرِ بحث تھا، اور پومپی کوشاں تھا کہ بادشاہ کو دوبارہ تخت و تاج دلایا جائے۔ سینیٹ اِس مہم کو کسی واحد سپہ سالار کے قبضے میں دینے کے لیے تیار نہ تھی۔ ایک تجویز پیش کی گئی کہ اگر مقدس کتابوں کی بشارت کے عین مطابق بادشاہ کی مدد کرنا ہی ہے تو کوئی مناسب طریقہ اختیار کیا جائے۔ یعنی بادشاہ ادھر ہی رہے اور سلیشیا کا صوبہ دار لنطولس اسپنتھر فوج لے کر جائے اور بادشاہ کے نائب کی حیثیت سے مصر پر قبضہ کر لے۔ مگر اِس تجویز سے بادشاہ کو کھٹکا ہوا کہ شاید اِس پردے میں مکار رومی میرے ملک پر قابض ہونا چاہتے ہیں۔ چنانچہ اس نے شدت سے اِس منصوبے کی مخالفت کی۔ پھر یہ تجویز ہوئی کہ مقدس صحیفوں کی بشارت پر عمل کیا جائے۔ لنطولس فوج کے بغیر تن تنہا جائے اور محض رومۃ الکبریٰ کے نام کی عظمت پر بھروسا کر کے یہ مہم انجام دے۔ غرض وقت یوں ہی گزرتا رہا۔

آخر بادشاہ نے دس ہزار ٹیلنٹ (کوئی پچاس لاکھ پونڈ) کی بھاری رشوت دی کہ بلا سے تخت و تاج تو ہاتھ آئے۔ نتیجہ حسبِ دلخواہ نکلا۔ شام کے گورنر عالص گیبینس نے جو بے انتہا مقروض تھا، صحیفوں کی بشارت کے خلاف مصر پر فوج کشی کی تیاریاں کیں۔ وہ ڈرتا تھا کہیں مقدس کتابوں کی بے حرمتی کا وبال نہ آ جائے مگر زر کی طمع بڑی ہوتی ہے۔ بہرحال اُس نے صحرائے فلسطین کی طرف سے مصر کی جانب پیش قدمی کی۔

اِس عرصے میں اہلِ اسکندریہ نے بادشاہ کی دختر برنیص چہارم کی شادی آرکیلس سے کر دی تھی۔ یہ ایک عالی مرتبہ ذی اقتدار پروہت تھا جسے پومپی نے ۶۴ ق م میں پروہتوں کا اسقفِ اعظم مقرر کیا تھا۔ ملکہ برنیص کے شوہر کی حیثیت سے آرکیلس ہی بادشاہ تھا۔ اُس نے پیش قدمی

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

تھے۔ اگرچہ حکومت کا رسمی کاروبار قلوپطرہ ہی کے ہاتھ سے انجام پاتا تھا۔ مگر حقیقتاً پوتھی نوس اور اس کے اخوان الشیاطین مصر کے فرمانروا تھے۔

قلوپطرہ کی حکومت کا تیسرا سال تھا کہ ایک معمولی واقعہ رونما ہؤا۔ شام کے رومی گورنر مارکس بی بولس نے جو اہلِ پارتھیا سے مصروفِ جنگ تھا، اپنے دو بیٹوں کو اسکندریہ بھیجا تا کہ وہ اُس محافظ فوج کو ساتھ لے کر شام آ جائیں جو گیبلیس کے زمانے سے شاہِ مرحوم کی حفاظت کے لیے شہر میں مقیم تھی۔ جیسا کہ بیان ہؤا یہ فوج فرانسیسی اور جرمن سواروں پر مشتمل تھی۔ بے راہرو، بے قید، تنومند سپاہی جن کی مہیب صورتیں دیکھ دیکھ کر اہلِ اسکندریہ کا دم نکلتا تھا۔ ان لوگوں نے یہاں رہتے رہتے یونانی اور مصری گھرانوں میں شادیاں کر لی تھیں اگرچہ ان شوریدہ سر سواروں کے ساتھ پیدل رومی فوج کے ضابطہ پرست اور فرض شناس دستے بھی تھے مگر ان کی شوریدگی میں کوئی کمی نہ ہو سکی۔ غرض مجموعی طور پر فوج قاعدے اور ضابطے سے آزاد تھی۔ اس فوج کے نام مارکس بی بولس کا فرمان طلب کیا آیا، بارود میں چنگاری پڑ گئی۔ سپاہی فوج یکایک باغی ہو گئی اور غضب ناک بدمست سپاہیوں نے مارکس بی بولس کے دونوں بیٹے تہ تیغ کر دیے۔ قلوپطرہ نے یہ خبر سنتے ہی قاتلوں کی گرفتاری کے احکام جاری کر دیے۔ سپاہیوں کا بھی نشہ ہرن ہؤا اور جب انھیں یہ اندازہ ہو گیا کہ بغاوت و سرکشی کا خمیازہ اچھی طرح بھگتنا پڑے گا تو اپنے سرغنوں کو پکڑ کر بے تامّل قلوپطرہ کے حوالے کر دیا۔ ملکہ نے انھیں پابجولاں بی بولس کے پاس شام بھیج دیا۔ تا کہ حسبِ دلخواہ کارروائی کرے مگر اس ذی حوصلہ گورنر نے، جو قدیم رومی امارت کی روایات کا امین تھا، انھیں قلوپطرہ کے پاس اس پیغام کے ساتھ واپس کیا کہ ایسے معاملات میں سزا دینے کا حق صرف رومی سینیٹ کو ہے معلوم نہیں کہ ان باغی سرداروں کا کیا انجام ہؤا مگر اس واقعے سے قلوپطرہ کی بیدار مغزی کا ثبوت ملتا ہے کہ وہ اُس عمر میں بھی دولۃ الکبریٰ سے دوستانہ تعلقات قائم رکھنے میں کتنی سمجھداری اور احتیاط سے کام لیتی تھی۔

تھوڑے عرصے بعد ۴۹ ق م میں پومپی نے اپنے بیٹے پومپیس کو مصر بھیجا۔ مطلب یہ تھا کہ یہاں جتنے جہاز اور سپاہی دستیاب ہو سکیں حاصل کر لیے جائیں کیونکہ روم کی خانہ جنگی،

جس میں پومپی اعظم اپنے تیز دست حریف جولیس سیزر سے الجھنے والا تھا، اب ناگزیر ہو چکی تھی۔ محافظ فوج، جو شام جا کر پارتھیا کے خونخوار لشکر سے لڑنے کے بجائے جولیس سیزر فوج سے لڑنا آسان سمجھتی تھی، بخوشی کوچ کے لیے تیار ہو گئی۔ پچاس جہاز اور پانچ سو سپاہی پومپیس کے ساتھ چلے اور بی بولس کے بیڑے میں شامل ہو گئے جو اس وقت پومپی کی طرف سے بحیرۂ ایڈریاٹک میں امیر البحر تھا۔ کہا جاتا ہے کہ پومپیس اور قلوپطرہ میں خاصا ارتباط اور دل بستگی پیدا ہو گئی تھی پھر بھی دونوں کے اختلاط کا کوئی تاریخی ثبوت نہیں ملتا۔ میرا خیال ہے کہ یہ افسانے دربارِ مصر کے عمائد نے تراش لیے ہوں گے جنھیں بظاہر یہی نظر آتا تھا کہ پومپی روما الکبریٰ کا مختارِ مطلق ہے اور جس طرح شہزادی برنیس کی شادی ایک پروہت سے ہو گئی تھی، اگر قلوپطرہ بھی پومپی کے نوجوان فرزند سے بیاہی جائے تو بہت مناسب ہو گا مگر یہ خیالات لباسِ عمل نہ پہن سکے اور یہ معاملہ ہاتھوں ہاتھ ختم ہو گیا۔

اگلے سال سنہ ۴۸ ق،م میں اہم واقعات رونما ہوئے جن کی تفصیل براہِ راست تاریخ میں نہیں ملتی۔ یہ اندازہ ہوتا ہے کہ قلوپطرہ اور اُس کے بھائی میں سخت اختلافات ہو گئے اور قصرِ شاہی دو مخالف کیمپوں میں تقسیم ہو گیا۔ پوتھی نوس خواجہ سرا، تھیوڈوٹس اتالیق اور اکیلاس سپہ سالار شہزادہ بطلیموس کے طرفدار تھے جنھوں نے ملکہ کی بلا شرکت تاجداری کا اعلان کر دیا۔ قلوپطرہ کا پلہ کمزور تھا۔ اُسے پناہ لینے کے لیے شام بھاگنا پڑا۔ اُس کا قصرِ شاہی سے نکلنا، قدم قدم پر موت سے دوچار ہونا اور شام جا پہنچنا، ان سب واقعات کی تفصیل کتابوں میں نہیں ملتی۔ تاریخ اِس شاہی ڈرامے کا پردہ اُٹھاتی ہے۔ تو ہمیں یہ نظر آتا ہے کہ جواں سال جواں ہمت ملکہ تھوڑے ہی دنوں میں شام کے علاقے سے سپاہِ کثیر جمع کر کے اپنا آبائی تخت و تاج حاصل کرنے کے لیے سرزمینِ مصر میں داخل ہو رہی ہے اور شہزادہ بطلیموس اور اُس کے طرفدار مصر کی مشرقی سرحد پر اُس سے نبرد آزمائی کے لیے صف آرا ہیں۔ مؤرخ یہ ڈراما دیکھتا اور اِس کم سن چلبلی عورت کے عزم و حوصلہ کی داد دینے پر مجبور ہو جاتا ہے۔ اُسے محسوس ہوتا ہے کہ وہ فی الواقع ایک پُر تدبیر، صاحبِ عزیمت ملکہ کے حضور میں ہے جو اپنے عدیم المثال تدبّر کے ذریعے سے تھوڑے ہی عرصے میں ایک غیر ملک سے لشکرِ جرّار فراہم کر کے اُس سرزمین میں بیباکانہ داخل ہو رہی ہے جہاں سے دشمنوں کی سازش نے اُسے کچھ عرصہ پہلے نکلنے پر مجبور کیا تھا۔

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

اثنا میں کوئی رومی سپاہی، جو مظلوم جنرل کے ماتحت کام کر چکا تھا، ادھر آ نکلا۔ دونوں نے مل کر ٹوٹے جہازوں کے ٹکڑے، گری پڑی لکڑیاں چتا کے لیے فراہم کیں اور پومپی کی لاش اُن پر رکھ کر آگ دے دی۔

اگلی صبح پومپی کا سردار لوشیش لنطولس، جو پومپی کے باڈی گارڈ کے دو ہزار جوان ساتھ لیے آ رہا تھا، پیلوشیم کے سامنے لنگر انداز ہوا۔ چتا کی لکڑیاں ہنوز سلگ رہی تھیں جنھیں دیکھ کر وہ بولا "کیا جانے کون غریب تھا جسے قضا یہاں لائی تھی۔" پھر ایک آہ بھر کر کہنے لگا "پومپی اعظم! کیا خبر کہیں یہ تیری ہی چتا نہ ہو۔" اس غریب کو نہ پومپی کے سفاکانہ قتل کی خبر تھی نہ یہ خبر تھی کہ یہی قضا بھی یہیں منڈلاتی پھر رہی ہے۔ غرض ساحل پر قدم رکھا ہی تھا کہ قاتل ٹوٹ پڑے اور اُسے بھی وہیں ڈھیر کر دیا۔

چند روز بعد ۲ اکتوبر کو جولیس سیزر اپنے حریف کے تعاقب میں دیوانہ وار اسکندریہ پہنچا۔ یہاں آ کر اُس نے دلی نفرت سے اپنے عالی مرتبت حریف کے قتل کی خبر سنی۔ تھوڑی دیر بعد غدار تھیوڈوٹس پومپی کی انگوٹھی اور خون آلود سر لیے حاضر ہوا۔ سیزر نے انگوٹھی لے لی مگر خونچکاں سر کی طرف دیکھنے کی تاب نہ لا سکا۔ منہ پھیر لیا اور انقلابِ زمانہ کا تماشا دیکھ کر بے اختیار رو دیا۔ بدمعاش تھیوڈوٹس، حیران کھڑا تھا کہ سیزر نے اُسے دفع ہو جانے کا اشارہ کیا۔ معاملے کی نزاکت بھانپ کر وہ فوراً مصر سے بھاگا اور مدتوں ایشیائے کوچک اور شام میں مارا مارا پھرتا رہا۔ آخر سیزر کی موت کے بعد مارکس بروٹس نے اُسے پہچان لیا اور پومپی کے قتل کی سزا میں بے انتہا ذلت سے سولی پر لٹکا دیا۔ خیال ہے کہ جولیس سیزر نے پومپی کی راکھ کارنیلیا کے پاس بھجوانے کا حکم دیا تھا جس نے اُس کے دیہاتی قصر میں دفن کر دیا۔ پومپی کا سر جولیس سیزر کے حکم سے گلزارِ نیمصص میں اسکندریہ کی فصیل کے پاس دفن کیا گیا۔ جہاں درختوں کی گھنی چھاؤں میں اُس کا روضہ تعمیر ہوا۔ بعد ازاں سیزر نے پومپی کے رومی سپاہیوں کے رہا کرنے کا حکم دیا جنھیں شہزادے کے مشیروں نے قید کر رکھا تھا۔ اور انھیں اپنے ظلِ حمایت میں لے لیا۔ اُس کے دل کو، جو مسلسل کئی ہفتے کے کشت و خون سے مرکتا ٹپکتا تھا، اک گونہ تسکین ہوئی کہ آخر میں نے اپنے ہزاروں ہم وطنوں کی جان بچا لی۔

[illegible]

مؤرخوں کے بیانات خواہ کچھ ہوں، میرا اندازہ ہے کہ جولیس سیزر کو روم واپس جانے کی جلدی ہرگز نہ تھی۔ پومپی ساری اٹلی کی آنکھوں کا تارا تھا۔ اُسے بے پناہ مقبولیت حاصل تھی۔ اُس کی شکست اور قتل کے واقعے سے روم میں ہیجان برپا تھا۔ لوگ اُس خانہ جنگی کے واقعات یاد کرکے کانپ اُٹھتے تھے جو ان دو حریفوں کی خونریز آدیزش میں پیش آئے تھے۔ اِس کے برعکس اہلِ روم جولیس سیزر کو ایک جاہ طلب جنگجو عیار سمجھتے تھے۔ مصلحتِ وقت یہی تھی کہ سیزر رائے عامہ ہموار کرنے کے لیے چند ماہ ملک سے باہر گزار دے پھر اطمینان سے فتح و ظفر کا پرچم لہراتا روم میں داخل ہو۔ چنانچہ اُس نے یہی کیا۔ اسکندریہ پہنچتے ہی اُسے پومپی کے بیکسانہ قتل کی خبر مل گئی تھی۔ اِس طرح اُس کا پہلا مقصد پورا ہوا۔ دوسرا مطلب یہی تھا کہ فاتحانہ شان سے قصرِ شاہی میں داخل ہو اور مصر کے اندرونی معاملات میں دخیل ہو کر اپنی بے پایاں طاقت میں مزید اضافہ کرے۔

اِس غرض کے پیشِ نظر سیزر کا کوکبۂ جاہ و جلال چار ہزار سورماؤں کے جلو میں پورے طمطراق سے قصرِ شاہی کی طرف روانہ ہوا۔ مختارِ روم کی حیثیت سے بارہ نیزہ بردار نیزے اور تبر چمکاتے اُس کے آگے آگے اہتمام کرتے چل رہے تھے۔ اِس وقت شہزادہ بطلیموس اور عمائدِ حکومت پیلوشیم کے قلعے میں قلوپطرہ سے مشغولِ جنگ تھے پھر بھی قصرِ شاہی کی حفاظت کے لیے ایک مسلح دستہ موجود تھا۔ شہر کے عوام بھی برہم تھے اُن میں بہت سے وہ رومی جلاوطن غنڈے بھی تھے جنھیں روم کے قانون نے جلاوطن کیا تھا۔ جولیس سیزر کا اِس طرح کرّ و فر سے داخل ہونا اُن کے نزدیک اُسی رومی حکومت کا تسلّط تھا جس کے آہنی پنجے سے بچنے کے لیے وہ مصر میں پناہ لینے پر مجبور ہوئے تھے۔ عوام نے اِس شاہانہ داخلے کو اپنے پیارے بادشاہ کی توہین سے تعبیر کیا۔ سیزر کے نیزہ برداروں کو دیکھ کر اُن کے تن بدن میں آگ لگ گئی۔ انھیں فوراً احساس ہوا کہ جس رومی غلامی کا ہلکا سا سایہ اُن کے وطن پر مدّتوں سے پڑ رہا تھا، آج وہ اپنی پوری ہیبت اور ذلت جلو میں لیے اُن کے سر پر مسلّط ہو گئی ہے۔ بغرض ایک دو جگہ پر غیظ عوام سے تصادم کی نوبت بھی آئی۔ اِن تمام باتوں کے باوجود جولیس سیزر کی ادائے بے نیازی کا وہی عالم تھا۔ اُسے معلوم تھا کہ میں حملے کی زد سے محفوظ ہوں۔

[illegible]

[illegible]

بحالی کا واحد طریقہ یہ ہے، جولیس سیزر اِس جھگڑے کا فیصلہ کرے۔ اِس مقصد کے لیے اُس کا بذاتِ خود قصر میں ہونا ضروری تھا جس کی بظاہر کوئی صورت نہ تھی۔ ایک روز اُس نے فوج کو توسیلوشیم کے پاس چھوڑا اور خود ایک جہاز میں سوار ہو کر اسکندریہ کا رُخ کیا۔ اکتوبر کی چھٹی یا ساتویں تاریخ تھی اور اندھیرا ہو چکا تھا۔ اسکندریہ کی بندرگاہ ابھی دور تھی کہ یہ باہمت شہزادی جہاز سے اتر کر ایک کشتی میں سوار ہوئی۔ صرف ایک جاں نثار اپالوڈورس ساتھ تھا۔ رات کی تاریکی میں یہ کشتی چپکے سے بندرگاہ میں داخل ہو گئی۔ یہ بہت بڑا کارنامہ تھا مگر اس سے کہیں خطرناک مرحلہ اب درپیش تھا۔ اُسے خوب اندازہ تھا کہ جولیس سیزر کے ساتھ شہزادہ بطلیموس اور پوتھی نوس اِسی محل میں مقیم ہیں اور یقیناً محل پر اُن کا پورا تصرف ہو گا۔ اُسے اپنے خاندان سے زیادہ با اقتدار فرمانروا کا تصور قدرتاً ہو ہی نہ سکتا تھا اِس لیے وہ کیونکر سمجھتی کہ محل کے چپے چپے پر جولیس سیزر کے سپاہی قابض ہیں اور بطلیموس یا پوتھی نوس وغیرہ کتنے ہی ذی اثر سہی مگر اس وقت سیزر کی حراست میں ہیں۔ اُسے فطرتاً یہی خیال تھا کہ شاہی گھاٹ کی سیڑھیوں پر پہنچی نہیں کہ شہزادے کے آدمیوں کے ہاتھوں قتل ہوئی۔ یا اگر وہاں سے بھی صحیح سلامت گزر گئی تو میری آمد کی خبر سنتے ہی جان کے گاہک سایے کی طرح ساتھ لگ جائیں گے اور پہلے ہی برآمدے میں ڈھیر کر دیں گے۔ عجب کشمکش و پیچ میں مبتلا تھی۔

قلوپطرہ نے آگے بڑھنا مناسب نہ سمجھا۔ دیوارِ قصر کے نیچے سمندر کی ساکن سطح پر کشتی میں موقع کا انتظار کرتی رہی یہاں تک کہ اندھیرا چھا گیا۔ اب اُس نے وہ مضحک کام کیا جو اُس کی تیز دماغی اور جرأت کا شاہد ہے۔ وہ ایک کمل اور بوری میں لپٹ گئی اور اپالوڈورس کو حکم دیا کہ مجھے بستر کی طرح لپیٹ کر اوپر سے رسّی باندھ لو اور یہ پلندا کاندھے پر اٹھا کر کسی دروازے سے محل میں داخل ہو جاؤ۔ آج کل کی طرح اُس زمانے میں بھی دری کمل تکیہ وغیرہ ایک مسافر کا سفری سامان ہوتا تھا جیسا کہ بیان ہوا قلوپطرہ نازک اندام دھان پان عورت تھی اور اپالوڈورس جیسے تنومند کے لیے اُسے کاندھے پر اُٹھالانا چنداں مشکل نہ تھا۔ راستے میں یقیناً پہرے داروں نے ٹوکا ہو گا اور اُس نے بھی اطمینان سے جواب دیا ہو گا کہ میں اپنے ایک رومی دوست کا بستر پہنچانے آیا ہوں۔ غرض اپالوڈورس حکومت کا بوجھ اپنے کاندھوں پر اٹھائے جولیس سیزر کے حضور میں

[illegible]

[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]

[illegible] [illegible]

پانچ

جولیس سیزر

جولیس سیزر کی تاریخ ولادت ۱۲ جولائی سنہ ۱۰۰ ق،م ہے۔ اِس حساب سے مصر کے شاہی محل میں قیام کے وقت وہ خاصا ادھیڑ آدمی تھا۔ زندگی کے ترپن سال گزر چکے تھے اور عمر گریز پا نے اُس کے چہرے پر فرسودگی کے نشان ثبت کرنے شروع کر دیے تھے۔ جوانی کی بدمستیوں نے چہرے کی رعنائی ختم کر دی تھی۔ جھرّیاں شبابِ رفتہ کی سوگوار تھیں اور آتے بڑھاپے کی غماز۔ اعصاب کی لچک، جو نوجوانی کا تحفہ ہے، صلابت میں تبدیل ہو رہی تھی لیکن اب بھی وہ خاصا خوش رو تھا اور اُس کی حرکات و سکنات سے مترشح ہوتا تھا کہ اُسے اپنے چاق و چوبند ہونے کا احساس ہے۔ وہ چھریرے بدن کا رئیس زادہ تھا جو آج بھی یورپ کے تمام ملکوں میں ملتے ہیں اور شہسواری یا چوگان بازی کے عاشق ہوتے ہیں۔ وہ بہت عمدہ شہسوار تھا۔ فرانس میں اُس نے ایک ایسے سرکش بدلگام گھوڑے کو رام کر کے سواری کی تھی جس پر کسی شخص کو چڑھنے کی ہمت نہ تھی۔ اُس کی عادت تھی کہ اپنے ہاتھ پشت کے پیچھے باندھ کر گھوڑے کو سرپٹ چھوڑ دیتا تھا۔ کشیدہ قامت ہونے کے باوجود اُس کا وزن ڈیڑھ من سے زیادہ نہ ہوگا مگر وہ بےحد پھرتیلا سپاہی، ایک ہوشیار اور تیز دست تیغ زن، بہت عمدہ تیراک اور اعلیٰ درجے کا ورزشی آدمی تھا جو میدانِ جنگ میں جرأت و شجاعت کا بارہا ثبوت دے چکا تھا۔ نوجوانی ہی میں اُس کی دلیری و جانبازی مُسلّم ہو چکی تھی۔ ابھی اکیس سال کا تھا کہ محاصرہ میٹیلین میں ایک سپاہی کی جان بچانے کے صلے میں روم کا سنہری تمغہ حاصل کیا جو ہمارے وکٹوریہ کراس کی طرح اُن دنوں جانبازی کا اعلیٰ ترین انعام تھا۔ گھمسان کی لڑائی میں وہ زرہ پہنے بغیر بے خوفی سے ایک صف سے دوسری میں جانا اور سپاہیوں کا دل بڑھانا۔ مشہور ہے کہ جب ایک لڑائی میں حریف کے بے پناہ حملے

سے بچنے کے لیے لشکر کا علمدار پیٹھ دکھا کر بھاگا تو اُس نے فوراً اُسے روکا، اُس کا رُخ بدلا اور دشمن کی طرف اشارہ کر کے کہا "میرے بہادر تم کہاں جا رہے ہو۔ دشمن اُدھر نہیں بلکہ اِدھر ہے۔"

جولیس سیزر کا ستواں چہرہ، گھٹی ہوئی ڈاڑھی، سیاہ آنکھیں، تیز نظریں، کھڑا نقشہ، مستحکم اور چسپاں ہونٹ، چھکی مونیا رنگت صاف اشارہ کرتے تھے کہ وہ بے خوف شہسوار، تیز دست سپاہی اور اپنے وقت کا صاحب عزم انسان ہے۔ نفاست پسندی اور زینت و آرائش اُس کے خمیر میں تھی۔ خوش وضع سر پر تھوڑے سے بال تھے جنھیں بنائے رکھنے سے وہ کبھی غافل نہ ہوتا۔ اُس کے چغے پر خوب چوڑی اودی گوٹ اور خاصا بڑا حاشیہ لگا رہتا تھا۔ جواہرات سے اُسے عشق تھا۔ ایک بار ایک بیش قیمت موتی ساٹھ ہزار پونڈ میں خریدا اور اپنی ایک آشنا کی نذر کر دیا۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ برطانیہ پر اُس کی فوج کشی کا سبب یہ تھا کہ اُسے وہاں بہترین موتی دستیاب ہونے کی خبر ملی تھی۔

جولیس سیزر کی سج دھج سے ایک طرح کا بانکپن اور اوضاع و اطوار سے خود آرائی و خود پسندی ٹپکتی تھی۔ صاف ظاہر ہوتا تھا کہ اُسے اپنی خوش وضعی و خوبروئی کا احساس ہے۔ اُسے یہ جتانے میں کچھ عار نہ تھی کہ عورتیں مجھ پر جان دیتی ہیں۔ اُس کی خوبروئی وجاہت سے خالی نہ تھی۔ بڑا سر، تیز تیز نظریں اور چہرے کا تحکم صاف کیے دیتے تھے کہ خوشنما نقش و نگار کے پردے میں عظمت کے نقوش پوشیدہ ہیں۔ ہر شخص، جو اُس کے سامنے آتا، اُس کی بے پناہ قوتِ ارادی، دماغی صلاحیت اور عزمِ بلند سے مرعوب ہو جاتا۔ مختلف زاویوں سے دیکھنے پر اُس کے جھریوں والے چہرے کے پس پردہ اُس کی قوتِ تخیل، شوقِ حسن پرستی اور فن کارانہ اندازِ فکر بے پردہ نظر آتے تھے۔ مگر بالعموم اُس سے ہم کلام ہونے والوں کے دل پر جو نقش بیٹھتا تھا وہ اُس کے عزم و حوصلہ، شدتِ مقصد اور شائستگی کا ہوتا تھا۔ اُس کی حرکات میں وقار و سکون تھا جس میں چستی، شگفتگی اور عزم کی جھلک پائی جاتی تھی اور جو امارت خاندانی کے علاوہ سپہ گری اور جوہرِ جانبازی کو آشکارا کرتی تھی۔ آواز بلند اور گونج دار تھی۔ وہ ایک بے مثال مقرر تھا جو دورانِ تقریر میں صحیح الفاظ کے انتخاب سے بلاغت کا طلسم باندھ دیتا تھا۔ اس کا اندازِ خطاب بے لاگ اور واضح ہوتا،

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

کہ جب وہ اپنے دوست نکومیڈیز شاہِ بی تھینیا کے ساتھ کچھ دن رہ کر لوٹا تو لوگوں نے اُسے مزاحاً ملکۂ بی تھینیا کا خطاب دے دیا۔ وہ اپنے دوستوں کی بیویوں سے کھلے بندوں عشق بازی کرتا۔ کوئی خوبصورت عورت بالخصوص وہ عورتیں جن کے شوہروں یا عزیزوں سے اُس کی دوستی ہوتی اُس کے پھندے سے بچ کر نہ نکل سکتی۔ انتہا یہ ہے کہ سیاسی مصلحتیں بھی اُسے اس کاروبارِ شوق سے نہ روک سکتی تھیں۔ چنانچہ پومپی کی بیوی موشیا کو پھانس کر تباہ کر دینا اور پومپی کی دشمنی مول لینا اس حماقت کا ثبوت ہے حالانکہ وہ اس وقت پومپی کی دوستی کا ضرورت مند تھا۔

اُس کی آشنائی ایک نہیں سیکڑوں عورتوں سے تھی۔ طلاق کے اکثر مقدمات میں اُس کا ہاتھ ہوتا تھا۔ اوماں لکھتا ہے "سیکڑوں غیر عورتوں سے اُس کی آشنائی دیکھ کر حیرت ہوتی ہے کہ اُن دنوں روم کا معاشرہ کتنا بے غیرت تھا جس نے اِس بدمست رنگیلے کو زندہ چھوڑا اور نہ چاہیے تو یہ تھا کہ کوئی غیرت مند کسی اندھیرے کونے میں اپنا خنجر اُس کے سینے میں اتار دیتا۔" غرض یہ قسمت کا دھنی صحیح سلامت رہا لطف کی بات یہ ہے کہ یہی آشنا عورتیں اُس کی سیاسی ترقی میں مددگار تھیں۔ کہا جاتا ہے کہ کسی زمانے میں کریسس، پومپی، گیبی نیس غرض اکثر اہم ترین اشخاص کی بیویاں اُس کے دامِ الفت میں اسیر تھیں۔ اپنے عہد کے رنگیلوں کا سرغنہ روم کے نوجوانوں کی نفسیات سے بخوبی واقف تھا اور اِس واقفیت سے میدانِ جنگ میں خوب فائدہ اُٹھاتا تھا پلوٹارک لکھتا ہے کہ جنگِ فارسیلیا میں اُس نے اپنے پیدل دستوں کو، جو پومپی کے سواروں کی یلغار روکنے پر مامور تھے ہدایت کر دی تھی کہ وہ تلواروں سے دشمن کے گھوڑوں کے پاؤں کاٹنے کے بجائے سواروں کے مُنہ پر وار کریں کیونکہ نوجوان ناآزمودہ کار سوار جان کو خطرے میں ڈالنے بالا اپنے حسین چہرے کو داغدار بنانے سے سخت گھبراتے ہیں۔ جولیس سیزر کا اندازہ بالکل صحیح نکلا۔ پومپی کے نوجوان سوار سیزر کے کارآزمودہ سپاہیوں کے حملے کی تاب نہ لا سکے اور مُنہ پہ ڈھالیں روک روک کر بھاگ نکلے۔

مالی معاملات میں وہ حد درجہ غیر محتاط تھا۔ نوجوانی میں بے حساب قرضہ لیا اور بے دریغ خرچ کیا۔ قرض کبھی ادا کیا تو مزید روپیہ کہیں اور سے قرض لے کر۔ غرض نوجوانی ہی میں پونے تین لاکھ پونڈ کا مقروض تھا۔ جس کا بیشتر حصّہ اُس نے فرانس کی لڑائیوں کے مالِ غنیمت سے ادا کر دیا لیکن

بعض مواقع ایسے بھی پیش آئے کہ وہ دیوالیہ ہو گیا اور تباہی کا بھیانک منہ صاف دکھائی دیا۔ بار بار قرض لینے کی وجہ یہ تھی کہ روم کی سیاست میں ممتاز مقام حاصل کرنے اور اپنی ٹولی کے امیدواروں کو انتخابات میں کامیاب کرانے کے لیے وہ اندھا دھند روپیہ پھونکتا تھا۔ اس کے علاوہ عوام کو خوش رکھنے کے لیے دعوتوں، تماشوں اور تھیٹروں میں دولت کو پانی کی طرح بہاتا تھا۔ ایک بار صرف ایک دعوت میں بائیس ہزار آدمی اُس کے دسترخوان پر موجود تھے۔ اپنی وزارتِ داخلہ کے زمانے میں اُس نے کوئی سو اتین سو شمشیر زنی کے مقابلوں کا خرچ اُٹھایا۔ اپنی زندگی میں اُس نے بے شمار کھیل تماشوں اور مقابلوں کا خرچ قرض لے لے کر برداشت کیا جس کی ادائی اُس کے دشمنوں اور مفتوحہ ملکوں کی تباہ حال رعایا کے آنسوؤں سے کی جاتی تھی۔!

چشمِ روزگار نے جولیس سیزر جیسے جاہ طلب آدمی کم دیکھے ہوں گے حصولِ اقتدار کی آگ اس کے سینے میں بھڑکتی رہتی تھی کسی بالادست حریف کا وجود اُسے کسی قیمت پر منظور نہ تھا۔ یہ مقاصد پورے کرنے کے لیے وہ بے دریغ قرض لینے اور اندھا دھند روپیہ پھونکنے سے ذرا نہ ہچکچاتا۔ کسی کا زیر دست رہنا اور بارگاہِ سیاست میں ثانوی حیثیت رکھنا اُس کے لیے ناقابلِ برداشت تھا۔ مکمل اور مطلق اقتدار کے سوا کوئی چیز اُس کے جذبہ طلبی کی تسکین نہ کر سکتی تھی۔ ایک مرتبہ وہ کوہِ الپس عبور کرتے ہوئے ایک کوہستانی قریے سے گزرا تو کسی نے اُس تباہ حال گاؤں کی ناداری و بے سروسامانی کا اشارہ کیا۔ سیزر نے فوراً جواب دیا کہ کچھ بھی سہی مگر جہاں تک میری پسند کا تعلق ہے میں اِس گاؤں کا سب سے بڑا آدمی بننا پسند کروں گا۔ بجائے اس کے کہ مجھے روم میں دوسرا آدمی بننے پر مجبور ہونا پڑے۔ اِسی طرح ایک بار سکندرِ اعظم کے حالات پڑھتے پڑھتے وہ تصور کر کے رونے لگا کہ جس عمر میں سکندر نے آدھی دنیا مسخر کر لی تھی اُس میں اُس کے ہاتھ سے کوئی کارنامہ کیوں نہیں ظاہر ہوا۔ یہ جذبہ بیتاب، جسے پلوٹارک 'عزت طلبی' کا نام دیتا ہے، اُس کے گفتار و کردار سے بہت کم مترشح ہوتا۔ صرف خاص خاص لوگوں کو اندازہ ہوتا تھا۔ اُس کی شائستگی، خوش پوشی اور خوش وضعی، دیکھنے والوں کو دھوکا دیتی تھی اور کسی کو یہ اندازہ نہ ہو سکتا تھا کہ اِس نفیس مزاج خوش اطوار شخص کے دل میں ناقابلِ تسکین حُبِ جاہ کے شیاطین ہاؤ ہو مچا رہے ہیں سیسرو کا بیان ہے "جب میں دیکھتا ہوں کہ وہ اپنے آراستہ بالوں کو بار بار انگلی سے درست کر رہا ہے

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

ایوان میں سختی سے سوال کیا کہ جولیس سیزر کو آخر کیا حق ہے کہ وہ جنگ جاری رکھنے کے لیے سرکاری خزانہ خالی کرتا رہے تو اُس نے اِس نوجوان جج کو برملا دھمکی دی کہ "یہ بے ہودہ اعتراضات بند کرو ورنہ تلوار کے گھاٹ اتار دوں گا۔ صاحبزادے اچھی طرح سمجھ لو کہ میں جو کچھ کہتا ہوں اُسے کر دکھانا میرے لیے بہت سہل ہے۔"

وہ ہر طبقے کے لوگوں سے گھل مل جاتا۔ خاندانی رئیس زادہ ہونے کے باوجود ادنی آدمیوں سے ملنے ملانے اور ہوشیاری سے انھیں اپنا لینے میں مشہور تھا۔ سپاہی اُس کے نام پر جان دیتے تھے۔ جنگ میں وہ اُن کے دوش بدوش سختیاں برداشت کرتا اور وہ بھی لڑائی کی صعوبتوں اور انتہائی صبر آزما تکالیف کے باوجود اس پر فدا رہتے۔ جنگ میں وہ روزانہ سَو میل کا سفر طے کر لیتا اور اگر راستے میں کوئی دریا حائل ہوتا تو بے تامل کود پڑتا اور تیرتا ہوا دوسرے کنارے پر جا پہنچتا۔ سفر کرتے وقت یا تو وہ اپنی بگھی کے جھولے میں پڑا سوتا تھا یا فرش پر گٹھڑی بن کر لیٹ جاتا۔ سادہ سے سادہ کھانا کھا لیتا۔ آخر عمر میں غالباً خرابیٔ صحت کی بنا پر شراب سے تائب ہو گیا تھا۔ وہی رندِ قدح خوار، جو نوجوانی میں بدمستی و مے نوشی کے لیے بدنام تھا، آخر عمر میں سَو پرہیزگاروں کا ایک پرہیزگار ہو گیا۔

جولیس سیزر جنگ فارسیلیا کے فوراً بعد یعنی پومپی کو شکست دے کر اسکندریہ جا پہنچا تھا۔ اس سے پہلے دس سال تک فرانس میں مصروفِ جنگ رہ کر اپنی فتوحات سے جمہوریہ روم میں بڑا نام پیدا کر چکا تھا۔ پومپی پر فتحیاب ہونے کے بعد وہ رومتہ الکبریٰ کی عظیم ترین ہستی اور سلطنتِ روم کا مختارِ مطلق تھا۔ اُسے بجا طور پر یہ احساس تھا کہ میں دنیا کی نگاہوں کا مرکز ہوں۔ اُسے اپنے وقار کا پورا خیال تھا بقول ما مسن اپنے مردانہ حسن کا خوشگوار احساس، متعدد شاندار فتحوں کا تصور اور ہر مشکل پر غالب آنے کا اعتماد، غرض ایک عالمِ کیف تھا جو اُسے بے خود بنائے ہوئے تھا۔ آدھی دنیا کا مختارِ مطلق ہونے کے بعد اب اسے سکندرِ اعظم پر رشک کرنے کی ضرورت نہ تھی۔ مگر بیقرار و لولہ خیز طبیعت فتوحات کے نئے نئے راستے تلاش کرنے کے لیے بیتاب تھی اور میدانِ جنگ میں بڑے بڑے سپہ سالاروں کو شکست دینے والا سورما اب اس دھن میں تھا کہ مصر کی اُس حسین نوخیز سرمست ملکہ کے دل پر قبضہ کرے جس کی طاقت اور دولت کا شہرہ دور دور تھا۔

چھ

قلوپطرہ اور سیزر اسکندریہ کے محصور قصر میں

محل میں قلوپطرہ کا ڈرامائی انداز سے داخل ہونا اور سیزر کا اُس سے آدھی رات تک باتیں کرتے رہنا صورتِ حال کو بدل دینے کا موجب بن گیا۔ اپنے حریف پومپی کا کٹا ہوا سر دیکھنے کے بعد سیزر کی خواہش صرف اتنی تھی کہ اسکندریہ جیسے اہم شہر پر، جو مشرق و مغرب کی تجارت کا مرکز تھا، اپنے جاہ و جلال کا سکہ بٹھا دے اور کچھ عرصہ یہاں کے پُرتکلف قصر میں گلابی جاڑوں کا لطف اُٹھا کر اپنے خستہ جسم کو آسودگی بخشے۔ پھر جب روم کے ہنگامے دب جائیں تو اطمینان سے وہاں پہنچ جائے۔ مگر اب یہ شگوفہ کھِلا کہ اس اہم ملک کی طرّار، نوخیز ملکہ اپنی تمام کافرادائیوں سے اُس کا دل مسحور کرنے آ گئی۔ اور خود بھی اُس کے مردانہ حُسن پر فریفتہ ہو گئی۔ قدرتاً سیزر کو اب یہ فکر تھی کہ اُس کی دوستی و محبت سے کس طرح استفادہ کیا جائے۔

غالباً قلوپطرہ نے اُس رات صفائی اور خلوص سے سیزر کو بتا دیا ہو گا کہ میرے بھائی نے مرحوم باپ کی وصیت کے برعکس مجھے سلطنت سے محروم اور جلاوطن ہونے پر مجبور کیا ہے۔ اُسی رات سیزر کے دل میں یہ تمنا اُبھری ہو گی کہ اِس طاقتور ملکہ کی محبت سے لطف اندوز ہونے کے ساتھ ساتھ سیاسی مفاد بھی کیوں نہ حاصل کیے جائیں۔ مصر کا یہ زرخیز ملک، بحیرۂ روم کی سب سے بڑی تجارتی منڈی، ناقابلِ تسخیر مشرقی ممالک کا یہ صدر دروازہ، مشرقی سیاسیات کی یہ سنہری کنجی آج رات میرے ہاتھ میں ہے، اِس سے کیوں نہ فائدہ اٹھایا جائے؟ یورپ فتح کیے کئی مہینے ہو چکے تھے، یونان اور ایشیائے کوچک حال ہی میں مسخر ہوئے تھے۔ اب وہی مصر، جو پومپی اور اُس کے ہواخواہوں کی امیدگاہ تھا، اپنی ساری دولت اور اپنی ملکہ کی محبت کا تحفہ اُس کے سامنے پیش کر رہا تھا۔ جو مؤرخ یہ کہتے ہیں کہ قلوپطرہ نے سیزر کو اپنے حُسن

سے مسحور کر کے دین و دنیا سے کھو دیا تھا مجھے اُن سے اتفاق نہیں۔ نوخیز ملکہ کی جوانی اُس وقت تک بے داغ تھی۔ اِس کے برعکس جولیس سیزر ایک رند ہزار شیوہ تھا جس کی بد چلنی اور آوارگی دور و نزدیک مشہور تھی۔ اندھی دنیا کا عجیب حال ہے کہ واقعاتِ مابعد کا سارا بوجھ جولیس سیزر کے کاندھے سے اتار کر غریب قلوپطرہ کی گردن پر رکھے دیتی ہے!

میرا خیال ہے کہ جولیس سیزر نے اُسی ہنگامہ پرور رات میں یہ طے کر لیا ہوگا کہ اس شوخ و شنگ عورت کے جذباتِ شوق کو خوب بھڑکایا جائے جس کا جلال سے ملا ہوا جمال اور سیاسی اہمیت اُس کے دل میں گھر کر چکی تھی۔ اُسی رات اُس نے فیصلہ کر لیا ہوگا کہ شہزادے کو تاج و تخت سے محروم کر کے قلوپطرہ کو مصر کی ملکہ بنا دے۔ دن چڑھتے ہی اُس نے شہزادے کو بلا بھیجا۔ وہ آیا اور یہ دیکھ کر مایوس ہو گیا کہ بڑی بہن، جسے وہ جلا وطن کر چکا ہے اور جو کل شام تک پیلوسیم کے میدان میں صف آرا تھی، آج بے تکلف قصر میں موجود ہے۔ سیزر نے اُسے سخت سرزنش کی کہ جس وصیت کا بجا لانا تم پر فرض تھا اور جس کی بجا آوری تمھارے متوفی باپ نے جمہوریہ روم کو سونپی تھی تم نے اُس کی خلاف ورزی کس طرح کی۔ اب بھی یہی مناسب ہے کہ تم اپنی بہن سے صلح کر لو۔ سیزر کے دل خراش الفاظ سُن کر شہزادہ غم و غصہ میں ڈوب گیا، بنیابانہ کمرے سے باہر نکلا اور اپنے رفیقوں اور خادموں سے چلّا کر کہا کہ مجھے فریب دے کر تباہ کیا گیا ہے۔ نوجوانی کے غیظ میں تاجِ شاہی زمین پر پٹک دیا اور زار زار رونے لگا۔ دیکھنے والوں کے دل سے آہ نکلی اور ذرا سی دیر میں ایک غلغلہ برپا ہو گیا۔ اہلِ اسکندریہ نے، جو قصر کے آس پاس موجود تھے شہزادے کی فوج کو بھڑکا دیا جس نے خشکی اور سمندر دونوں طرف سے قصر پر حملہ کر دیا۔

اب جولیس سیزر کو موقع کی نزاکت کا احساس ہوا۔ فوراً کمرے سے باہر نکلا اور پُرغیظ ہجوم سے خطاب کرتے ہوئے وعدہ کیا کہ تمام باتیں اُن کی مرضی کے مطابق طے کر دی جائیں۔ غرض شورش کچھ کم ہوئی۔ سیزر نے ایک اجلاس طلب کیا جس میں قلوپطرہ اور شہزادے کو بلایا۔ دونوں آئے۔ سیزر نے دونوں کے روبرو متوفی بادشاہ کی وصیت پڑھی جس میں ہدایت کی گئی تھی کہ بھائی بہن مل کر حکومت کریں گے۔ اُس نے خود کو رومتہ الکبریٰ کا نمائندہ ثابت کر کے بتایا کہ اس جھگڑے کا تصفیہ کرنا میرا ذاتی فریضہ ہے۔ غرض بھائی بہن میں مصالحت ہو گئی مگر نوعمر شہزادے

کو صاف نظر آگیا کہ آج میری آزادی و خود مختاری کا خاتمہ ہوگیا ہے۔ اور اب آئندہ میں ہمیشہ بڑی بہن کا زیر دست رہوں گا۔ ڈوین کیشیس کی رائے ہے شہزادے کو خوب اندازہ ہوچکا تھا کہ جولیس سیزر اور اس کی بہن باہم ساز باز کر چکے ہیں۔ قلوپطرہ کے اطوار و انداز خود غمازی کر رہے تھے کہ سیزر نے اسے چڑھا دیا ہے۔ وہی مجبور و مقہور جلا وطن عورت جو ایک رات پہلے جان بچاتی پھرتی تھی۔ آج رومتہ الکبریٰ کے اُس جبّار فرمانروا کے دل پر قابض تھی جس کے مُنہ سے نکلے ہوئے الفاظ قوموں کے قانون بن جاتے تھے اور جس کے ماتھے کی شکن سے حکومتیں کانپ اُٹھتی تھیں۔ ظاہر ہے کہ ایسے صاحب سطوت جبّار کے حضور میں اپنی کامیاب و کامراں بہن کے سامنے بیٹھنے سے ناشاد شہزادے کا دل ٹکڑے ٹکڑے ہوگیا ہوگا۔

اب جولیس سیزر کی یہ تمنّا تھی کہ نوجوان ملکہ کا دل مٹھی میں لے کر مصر کی سیاسیات پر قبضہ کرلے۔ اُسے شہزادے اور اُس کے ذلیل رفیقوں کا مطلق خیال نہ تھا کیونکہ متوفّی بادشاہ کی وصیّت سے منحرف ہوکر اور ذی جاہ پومپی کو غدّاری سے قتل کر کے وہ اس کی آنکھ سے گر چکے تھے۔ مگر اُسے یہ خیال ضرور تھا کہ جس طرح بنے، اسکندریہ کے باشندوں کو مطمئن کر کے اُن کی آنکھ کا تارا بن جائے تاکہ تین چار ہفتے بعد یعنی روم جاتے وقت ملک میں مکمل امن و امان ہو۔ اُسے اندازہ تھا کہ اہل اسکندریہ قبرص کو (جہاں متوفّی بادشاہ کے بھائی کی حکومت تھی) حکومت مصر میں شامل کرنے کے آرزومند ہیں اور اگر یہ آرزو پوری کر دی جائے تو وہ اُس کا دم بھرنے لگیں گے۔ روم نے سنہ ۵۸ ق،م میں قبرص پر قبضہ کر لیا تھا اور مصر کی رعایا نے برہم ہوکر اسی بنا پر متوفّی بطلیموس سیزدہم سے بغاوت کی تھی کہ اُس نے قبرص کی بازیافت کے لیے ذرا ہاتھ پاؤں نہ ہلائے۔ یوں بھی یہ جزیرہ اکثر و بیشتر حکومت مصر کا ضمیمہ تھا۔ سیزر نے اِن باتوں پر نظر رکھتے ہوئے جزیرہ قبرص کو مصر میں شامل کر کے اسے چھوٹے شہزادے اور چھوٹی شہزادی آرسینو کی جاگیر قرار دیا۔ ڈوین کا یہی بیان ہے مگر پختہ ثبوت نہیں ملتا کہ قبرص سے روم کا قبضہ اُٹھ کر مصر کا قبضہ ہوا ہو۔ ہاں سنہ ۴۲ ق،م میں البتہ یہ جزیرہ مصر کی قلمرو میں شامل ہوگیا۔

غرض حالات خوشگوار ہوتے ہی جولیس سیزر دوسرے امور کی طرف متوجّہ ہوا۔ متوفّی بادشاہ نے سنہ ۵۹ ق،م میں اپنی بحالی کے سلسلے میں روم کے ارکان کو ملانے کے لیے بے دریغ

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

سنبھالا اور جنگ تازہ جوش و خروش سے پھر شروع ہو گئی۔ ایکیلاس کے قتل سے پہلے پوتھی نوس اور اُس کے درمیان خفیہ مراسلات کا سلسلہ تھا جس کا مقصد یہ تھا کہ کسی طرح سیزر کو ٹھکانے لگا کر مجھے اور شہزادے کو اس رومی عفریت کی قید بے زنجیر سے آزاد کراؤ۔ اس منصوبے کی اطلاع سیزر کو اپنے حجّام سے ملی جو بہت ہی پُرکار اور تیز ہوش آدمی تھا۔ مزید توقّف خطرناک تھا۔ ایک دعوت پر، جو بھائی بہن کی صلح میں دی گئی، سیزر نے پوتھی نوس کو گرفتار کیا اور فوراً سر اڑا دیا۔ پوتھی نوس کا قتل بالکل اُسی طرح واقع ہوا جس طرح اُس نے پومپی اعظم کو قتل کیا تھا اور یہ موت بقول لیوکن شاعر بہت باعزّت موت تھی۔ اس بدبخت خواجہ سرا کو راستے سے ہٹانے اور اُس کی روز افزوں شرارتوں کا خاتمہ کرنے میں سیزر قطعاً حق بجانب تھا۔ وہ اُس ذلیل طبقے کا فرد تھا جو مشرقی درباروں میں ہر جگہ پایا جاتا ہے اور جسے اہلِ مغرب بجا طور پر نفرت سے دیکھتے ہیں۔ یہ اعتراف کرنا پڑے گا کہ اپنے مفادات کی فکر کے دوش بدوش وہ اپنے شہزادے کا سچّا وفادار تھا اور اُسے ایک ایسے خونخوار جبّار سے نجات دلانا چاہتا تھا جس نے آدھی دنیا کے شاہی خاندان بے چراغ کر دیے تھے۔ رہا پومپی کا قتل، سو ایسی حرکتیں بطلیموسی دربار میں بارہا ہوتی تھیں۔ اپنے دونوں غدّار ساتھیوں یعنی ایکیلاس اور ھیبدؔوٹس کی طرح اُسے بھی چند روزہ جاہ و اقتدار کی قیمت اپنے خون سے ادا کرنی پڑی اور اِس طرح اُس کی خیانتوں کا صحیح کفّارہ ادا ہو گیا۔

صورتِ حال بدستور رہی کہ غنیم نے پہلا وار کیا جس سے سیزر کو کچھ اضطراب ہوا۔ قصرِ شاہی میں پینے کا پانی زمین دوز نہروں کے ذریعے سے بڑی جھیل سے آتا تھا۔ غنیم نے نہروں کا پانی بند کر دیا۔ سیزر کو پہلے سے اِس بات کا اندیشہ تھا۔ اُس نے کوشش کی کہ شاہراہ قنبوصص سے لگا لگا جنوب کی طرف کچھ بڑھ جائے جس کے سرے پر جھیل والی بندرگاہ واقع تھی۔ یہاں غنیم نے جم کر مقابلہ کیا اور اگر جولیس سیزر یہاں سے نہ ہٹتا تو اُس کے بے شمار سپاہی کام آتے۔ خوش قسمتی سے شاہی احاطے کے اندر امتحاناً چند کنوئیں کھود دیے گئے تھے جن سے میٹھا پانی نکلا۔ اگر یہ غیبی مدد نہ ہوتی تو پانی کی قلّت کے باعث سیزر کو بیک بینی و دوگوش اُس شہر سے نکلنا پڑتا جس میں وہ شاہانہ طمطراق سے داخل ہوا تھا۔ مصر کے معاملات سلجھانے کی بیگار جو مول لی تھی چھوڑنی پڑتی اور قلوپطرہ کو روم و مصر کی ملکہ بنانے کا منصوبہ خاک میں مل جاتا۔

[illegible]

[illegible]

نے اب یہ کام اپنے ایک رفیق کو سونپ دیا تھا۔ اس مؤرخ نے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ صورت حال فی الواقع تشویشناک تھی۔ مگر اس کی تحریریں اور یہ بیان کہ ان دنوں بادِ مخالف کے سبب بیڑا بندرگاہ سے نکلنے کے قابل نہ تھا، محتاجِ تنقید ہیں حقیقت یہ ہے کہ جولیس سیزر رنگ رلیوں میں محو ہو کر روم کے اہم معاملات سے غافل ہو چکا تھا۔ مصری حملے کی شدت، بادِ مخالف کا زور اور قسمت کی ستم ظریفی وغیرہ عذرِ لنگ ہیں جو بعض مؤرخوں نے سیزر کی صفائی کے لیے تراش لیے ہیں۔

بڑے بندر پر ذلت آمیز شکست اُٹھانے کے بعد اُس نے مصمم ارادہ کر لیا کہ جنگ کا انصرام پوری مستعدی سے کرے اور سرکش مصریوں کو سزا دے۔ اُسے خبر مل چکی تھی کہ صحرا کے راستے شام سے تازہ کمک آ رہی ہے جس کی مشترکہ کمان ایک یہودی اور ایک عرب سردار کے ہاتھ میں ہے۔ اِس کمک کے پہنچتے ہی مصری لشکر کو شکست دے دینا اور مصر پر قبضہ کر لینا یقینی تھا۔ چنانچہ اب اُس نے بے تامل ایک ایسا قدم اُٹھایا جس سے ثابت ہو گیا کہ وہ مصری معاملات کو پوری سختی اور چیرہ دستی سے طے کرنے پر تلا ہوا ہے۔ اور قلوپطرہ کو بہت جلد وہاں کی ملکہ بنا کر حکومتِ مصر کی طاقت اپنے ہاتھ میں لینا چاہتا ہے۔

شہزادی آرصنیوہ جو گینی میڈ کے بہکانے سے قصر سے نکل بھاگی تھی، ملکہ بننے میں ناکام رہی گینی میڈ نے بہتیرے جتن کیے مگر مصری فوج نے اُسے ملکہ تسلیم کرنے سے انکار کر دیا اور شہزادہ بطلیموس کو سیزر کے پنجے سے نکالنے کی کوشش کرتی رہی تاکہ اُس کے جھنڈے کے نیچے سیزر اور قلوپطرہ سے جنگ کرے۔ سیزر نے یہی فیصلہ کیا کہ شہزادے کو قصر سے نکال کر مصری فوج میں بھیج دے۔ اُسے پورا یقین تھا کہ جنگ بدستور جاری رہے گی مگر جیسا کہ سیزر کے سرکاری مؤرخ کو اعتراف ہے، وہ چاہتا تھا کہ شہزادہ اُس کی حراست سے نکل کر آزادانہ شرائط صلح طے کرے۔ اِسی مؤرخ نے صاف صاف یہ بھی لکھا ہے کہ دراصل سیزر اسکندریہ کے بے قاعدہ بے سرے کمزور عوام سے لڑنے میں اپنی بے عزتی سمجھتا تھا۔ اُس کی خواہش تھی کہ لڑنا ہی ٹھہرا تو کم از کم یہ کہنے کی گنجائش تو رہے کہ اُس کا مدِ مقابل ایک شہزادہ ہے۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ درحقیقت سیزر شہزادے کو دفع کر کے قلوپطرہ کو بلا شرکتِ غیرے ملکہ بنانے کی فکر میں تھا تاکہ اُس کی

کمک کی خبر ملنے کے بعد شہزادے کو قصر سے نکالنے کا فیصلہ خود اس بات کی غمازی کر رہا ہے۔ سیزر کو یہ یقین ہو چکا تھا کہ اب جو جنگ ہو گی اُس میں مصری فوج کی شکست اور شہزادے کا قتل یقینی ہے۔ بدنصیب شہزادے کو بھی ان سب باتوں کا اندازہ تھا۔ چنانچہ جب سیزر نے اُسے قصر سے نکلنے اور مصری فوج میں شامل ہونے کا حکم دیا تو وہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا اور بڑی التجائیں کیں کہ مجھے قصر میں رہنے دیا جائے۔ اُسے یقین تھا کہ مصری فوج شکست کھائے گی اور اُس صورت میں جولیس سیزر مجھ پر ہرگز رحم نہ کرے گا۔ ادھر سیزر جانتا تھا کہ اگر شہزادہ میری حراست میں رہا تو مصری فوج کو شکست دینے کے بعد بادشاہ بطلیموس متوفی کی وصیت پر عمل کرنے یعنی قلوپطرہ اور شہزادے کو مشترکہ بادشاہ بنانے کی ذمہ داری مجھ پر آ پڑے گی۔ غرض شہزادے کی دردناک گریہ زاری اور وفاداری کی قسمیں بیکار گئیں۔ اُسے قصر سے نکال کر مصری فوج میں بھیج دیا گیا جس نے اپنے فرمانروا کو گرم جوشی سے ہاتھوں ہاتھ لیا۔

آخر شاہی کمک آ پہنچی۔ اُس نے پلوشیم کا قلعہ فتح کر کے اُس مصری فوج کو شکست دی جو دریائے نیل کے دہانے پر مزاحمت کے لیے آئی تھی۔ فتحیاب کمک قاہرہ کے نزدیک دریائے نیل کو عبور کر کے اُس کے مغربی ساحل پر اتر گئی۔ شہزادہ بطلیموس کو سیزر سے رحم و کرم کی امید باقی نہ تھی۔ اُس نے کچھ فوج قصرِ شاہی کے محاصرے کے لیے چھوڑی اور باقی لشکر لے کر شاہی فوج سے نبرد آزمائی کے لیے مردانہ وار بڑھا۔ اُس کے روانہ ہوتے ہی سیزر نے اپنی ساری فوج کو جہازوں پر سوار کیا اور محل کی حفاظت کے لیے تھوڑے سے سپاہی چھوڑ کر جہازوں کا رُخ مشرق کی طرف کر دیا گویا وہ پلوشیم کی طرف جانا چاہتا ہے۔ رات کی تاریکی میں اُس نے مغرب کا رُخ کیا اور اس طرح مصری بیڑے کو جھکانسہ دے کر اُس نے یہ بھی ثابت کر دیا کہ میں جب چاہوں سمندر کے سینے پر نقل و حرکت کر سکتا ہوں۔ اُس کے بعد چند میل جنوب کی طرف چل کر وہ قاہرہ کے قریب شاہی فوج سے جا ملا اور اس متحدہ لشکر سے یکایک مصری فوج کی طرف بڑھا۔ شہزادہ بطلیموس کو یہ خبر ملی تو ایک ٹیلے پر اس طرح قائم ہوا کہ دریائے نیل کو بائیں ہاتھ پر رکھا۔ دا[illegible] پیادے [illegible] دلدل اور سا[illegible] ایک [illegible] نہر تھی۔ مگر سیزر کی متحدہ فوج نے دو روز کی لڑائی کے بعد شہزادے کو شکست دی۔ آخری حملے کا انصرام کارنولیس جیسے جری سپاہی کے سپرد تھا جو بعد ازاں انطونی کے خلاف [illegible] معرکہ موطینا میں کام آیا۔ غرض کارنولیس

[illegible]

سات

سیزارین کی پیدائش اور سیزر کی مصر سے روانگی

شہزادے کی موت اور اسکندریہ کی فتح سے جنگ کا خاتمہ ہوگیا۔ اب پھر سیزر تھا اور قصرِ شاہی کا عیش و راحت جہاں وہ جنگ کے خرخشے سے آزاد ہو کر مصری معاملات کا تصفیہ کرنے کی طرف متوجّہ ہوا۔ چھوٹا شہزادہ محل میں موجود تھا مگر اُس میں لیاقت یا عزم و حوصلہ کی کوئی علامت نہ تھی، جس سے سیزر یا قلوپطرہ کو کچھ اندیشہ ہوتا۔ غرض یہ طے ہوا کہ شاہِ متوفّی کی وصیّت کے مطابق اُسے قلوپطرہ کے ساتھ برائے نام شریکِ سلطنت قرار دیا جائے۔ کئی ماہ پہلے سیزر نے اِس شہزادے اور شہزادی آرسینو کو جزیرہ قبرص کی حکومت دینے کا اعلان کیا تھا مگر اب صورتِ حال مختلف تھی۔ مؤخرالذکر ایک مجرم کی حیثیت سے اسیر تھی اور چھوٹا شہزادہ صغیرسنی کی بنا پر حکومت کا اہل نہ تھا۔ اِس لیے یہی قرار پایا کہ یہ بے ضرر لڑکا شریکِ حکومت بنایا جائے۔ سیزر نے اہلِ اسکندریہ سے کسی قسم کی سختی مناسب نہ سمجھی۔ وہ جنگی کارروائیاں جو انھوں نے دورانِ جنگ میں کی تھیں سیزر کے لیے ایک دلچسپ مشغلے سے زیادہ نہ تھیں۔ اُس نے یہی سوچا کہ جنگ کی تباہی، جو شہر کے بعض حصّوں کو برباد کر چکی تھی، اہلِ شہر کے لیے بجائے خود خاصی سزا تھی۔ شامی کمک کے یہودی سپاہیوں کی رعایت سے اُس نے اسکندریہ کے یہودیوں کو خاصی مراعات دیں اور انھیں مرتبے کے حیثیت سے یونانیوں کا ہم پلّہ بنا دیا۔

شہر میں امن و امان قائم رکھنے اور قلوپطرہ اور نوعمر شہزادے کی حفاظت کے لیے جولیس سیزر نے ایک حفاظتی فوج تیار کی۔ اِس کے دو دستے تو اُنھی رومی سپاہیوں پر مشتمل تھے جنھوں نے بانک قصر میں محصور رہ کر اپنی شجاعت کا ثبوت دیا تھا۔ تیسرا دستہ وہی شامی کمک تھی جو اُنھی ایشیائے کوچک سے آئی تھی۔ حفاظتی فوج کی کمان جولیس سیزر نے ایک قابل افسر رفینس کو سونپی — یہ

افسر سیزر کا آزاد کردہ غلام تھا جس نے محض اپنی لیاقت و شجاعت سے اس درجہ ترقی کی تھی — بالعموم یہی مشہور ہے کہ سیزر نے کسی معزز رومی کے بجائے اپنے آزاد غلام کو اِس لیے سپہ سالار بنایا تھا کہ اُسے اِس پردے میں اہلِ اسکندریہ کی ذلت منظور تھی۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ سیزر مصر کی حکومت اپنے پنجۂ اقتدار میں رکھنا چاہتا تھا اور اس مقصد کے لیے فنیقس سے زیادہ قابلِ اعتماد سردار اور کون ہو سکتا تھا۔ معلوم نہیں کہ سابقہ حفاظتی فوج کا کیا حشر ہوا مگر قیاس کہتا ہے کہ سیزر نے اس فوج کو، جو خود اس کے خلاف نبرد آزما ہوئی تھی مختلف حصوں میں تقسیم کر کے سمندر پار بھیج دیا ہو گا۔

اپریل کا مہینا تھا اور مصر رہتے رہتے سیزر کو چھ مہینے ہو چکے تھے۔ اصولاً اُسے گذشتہ نومبر میں روم واپس ہو جانا چاہیے تھا مگر مصری معاملات اور اہلِ شہر کی مزاحمت ایک معقول بہانہ بن گئیں کہ اُس پردے میں قلوپطرہ کی صحبت سے لطف اندوز ہوتا رہے۔ جنگ کے خاتمے اور قلوپطرہ کی تخت نشینی کے بعد اُس کے مصر میں رہنے کی کوئی وجہ نہ تھی مگر وہ چونکہ فطرتاً موقع شناس تھا اس لیے سمجھتا تھا کہ فتح کے بعد کچھ عرصہ اور قیام کرنا اُس کے مفادات کے لیے ازبس ضروری ہے۔ مصر جیسے زرخیز ملک کی دولت اُس کے حوصلہ مند دل کو فریفتہ کر چکی تھی۔ اُس نے بچشمِ خود ڈیلٹا اور اس سے اوپر کا علاقہ دیکھا تھا جہاں میلوں تک سرسبز و شاداب کھیت لہلہاتے ہیں۔ قلوپطرہ سے مصر کی لاانتہا دولت کی داستان سُنی تھی اُسے یہ اطلاعات بھی وصول ہو چکی تھیں کہ جنوبی مصر یعنی نیل کی بالائی وادی بھی نہایت زرخیز ہے جہاں کی امن پسند پابندِ قانون آبادی اطمینان سے سال بھر میں تین فصلیں کاشت کرنے، دیوتاؤں کے مندر بنانے اور اپنے سرداروں کے محل تعمیر کرنے میں لگی رہتی ہے۔ یہ لوگ مالیہ نقدی کے بجائے جنس کی صورت میں ادا کرتے تھے؛ چنانچہ شاہ آگسٹس کے عہد میں مصر کا سالانہ مالیہ دو کروڑ بوشل غلّہ درج ہوا تھا۔ یہ سب باتیں سیزر کی حرص و طمع بھڑکانے کے لیے کافی تھیں۔

مصر کی دولت و وسائل کے علاوہ اور متعدد روشن امکانات بھی تھے۔ مصر کے راستے ہندوستان کے ساتھ تجارت کا سلسلہ پہلے سے قائم تھا۔ اسی مصر کے جنوب میں ایتھیوپیا کی طلسماتی سرزمین واقع تھی جہاں نیل کا منبع ہے۔ غرض متعدد وجوہ سے یہ ایک ایسا ملک ہے جو فاتح اور

[illegible]

تسلیم کریں بالکل اُسی طرح جیسے ذوالقرنین عمین دیوتا کا فرزند تصوّر کیا گیا تھا۔ سیزر خود دیوتاؤں کے وجود کا منکر تھا مگر فخر یہ کہا کرتا تھا کہ میں لوکس اور زہرہ کی نسل سے ہوں۔ قلوپطرہ نے اُسے شہ دے کر یہ سوچنے پر مائل کر دیا تھا کہ فی الواقع وہ فوق البشر ہے۔ وہ خود مقدس آسمانی حقوق کے دعوے سے حکومت کرتی تھی۔ اسکندریہ کے تیز طرار باشندے تو اُس کی پرستش کے قائل نہ تھے مگر اہلِ مصر کا یہ عالم تھا کہ اُس کی صورت دیکھتے ہی سربسجود ہو جاتے اور اُسے عبد و معبود کی درمیانی ہستی سمجھتے۔ لوگ اُسے بچپن ہی سے غیر فانی اور مقدس مانتے تھے۔ انتہا یہ ہے کہ اُس کے خدم و حشم اور سہیلیوں تک کو مقدّس سمجھا جاتا تھا۔ غرض جونہی قلوپطرہ اور سیزر کی شادی کا اعلان ہوا لوگوں نے سیزر کو ملکہ کا رفیق سمجھ کر بے چون و چرا دیوتا تسلیم کر لیا۔

معلوم نہیں اُن دنوں سیزر کو اپنے متعلق کیا گمان تھا مگر یہ تحقیق ہے کہ کچھ عرصے بعد اُس نے روم میں اپنے آپ کو فوق البشر کہنا شروع کر دیا۔ خود دیوتاؤں کی ہستی کا منکر تھا مگر اپنے آپ کو آسمانی دیوتا سمجھتا۔ قلوپطرہ نے اُس کے دماغ میں عجیب و غریب خیالات بھر دیے تھے اور نادانستہ اُس کی خود پسندی کو اتنی شہ دی کہ وہ اپنے آپ کو عالمِ بالا کی ہستی سمجھنے لگا جسے اس خاکدان سے کچھ تعلق نہ ہو۔ قلوپطرہ اپنے آپ کو مقدس ہستی سمجھتی تھی۔ فطرتاً اُسے یہ خواہش ہوئی کہ اُس کا شوہر، جو دیوتاؤں کی نسل سے بتایا جاتا تھا، فوق البشر سمجھا جائے۔ غرض اِن خیالات کے تحت اُس نے سیزر کو رفتہ رفتہ اتنا چڑھایا کہ وہ خود کو مقدس اور فوق البشر سمجھنے لگا۔

ارفع و اعلیٰ ہستی ہونے کا خیال سیزر کے دماغ میں برابر بڑھتا رہا۔ یہاں تک کہ وہ جمہوریت بلکہ ریاست و امارت کو اپنی شان سے پست سمجھ کر مطلق العنان بادشاہت کی خواہش کرنے لگا۔ اہلِ مصر اُسے اپنی ملکہ کا شوہر تسلیم کرتے تھے بلکہ حقیقت یہ ہے کہ وہ صحیح معنی میں مصر کا بادشاہ تھا۔ رہی یہ بات کہ وہ فراعنۂ مصر کی طرح تاجِ شاہی نہ پہنتا تھا سو یہ اُس کی مصلحت تھی ورنہ عوام اُسے تاجِ شاہی پہنانے کے لیے تیار تھے۔ اُن کے لیے یہ تصوّر انتہائی دلکش تھا کہ اُن کی ملکہ کا عقد روم کی عظیم ترین ہستی سے ہو جائے۔ چند سال پہلے جب پومپی اعظم کا لڑکا مصر آیا تھا تو یہ تحریک ہوئی تھی کہ قلوپطرہ کی شادی اُس سے ہو جائے مگر بعض وجوہ سے یہ خیال لباسِ عمل نہ پہن سکا۔ اب کہ ملکہ ایک بچّے کی ماں بننے والی تھی، اُس کی باقاعدہ شادی کا یقین اہلِ مصر کے لیے قطعاً فطری تھا۔ یہ

چاہتی تھی کہ دنیا میں صرف وہی ایسی خاتون ہے جس کا شاہی خون اُس کے خون سے مل کر ایک ایسے شاہی خانوادے کی بنیاد ڈالنے کا شایاں ہوگا جو روئے زمین کی فرماں روائی کا استحقاق رکھ سکے۔

عنقریب ماں بننے کے خیال نے بظاہر اُس میں سنجیدگی پیدا کر دی تھی۔ آئندہ عزائم کی رفعت نے اُس کی ذہنی سطح اتنی بلند کر دی تھی کہ وہ متوفی شہزادے اور اُس کے نالائق مشیروں یعنی پوتھی نوس، ایکیلاس وغیرہ کے ساتھ اپنی گزشتہ کشمکش کے خیالات پر نفرت آمیز غلط انداز نگاہ ڈال کر گزر جاتی تھی۔ آخر وہ آسمانی دیوتاؤں کی اولاد، سورج[1] کی بیٹی اور چاند کی بہن تھی اور اُس شخص سے بیاہی گئی تھی جو ادلمپین دیوتاؤں اور زہرہ کی نسل سے تھا۔ ساتھ یہ امید کتنی حوصلہ افزا تھی کہ اُس کا ہونے والا بیٹا حقیقی معنی میں آسمان و زمین کا بادشاہ ہوگا!

قدیم تاریخ نویس اور جدید مورخ اس بات پر متفق ہیں کہ یہ دختر مصر غیر معمولی دماغی صلاحیت کی مالک تھی۔ وہ جس قدر حسین و جمیل تھی اتنی ہی صاحب وسطوت و شوکت تھی۔ اُسے اس ذی حوصلہ رومی کے عزائم کی تسکین میں کوئی دقت پیش نہ آئی ہوگی۔ وہ شاہانہ وقار، جو اُسے ایک قدیم شاہی دودمان سے ورثے میں ملا تھا، قدم قدم پر اُس کی حرکات سے مترشح ہوتا تھا حتیٰ کہ انتہائی نازک مواقع پر بھی اُس کی ذاتِ شاہی جاہ و جلال کا مرقع تھی۔ اُس کے شاہانہ تحمل کا نقش آج بھی دنیا کے دل پہ باقی ہے۔ اور یقیناً سیزر بھی اُس سے مستثنیٰ نہ ہوگا، یہ عاشق مزاج یہ رند ہزار شیوہ اُس کے شاہانہ تجمل و احتشام سے مسحور ہو چکا تھا ورنہ اس سیماب وش ہستی کا دس مہینے تک کسی ایک عورت کا پابند رہنا محال تھا۔ اس مطلق العنان ملکہ نے جس کا ہر لفظ اہل مصر کے لیے قانون تھا، اپنی شاہانہ معاشرت سے سیزر جیسے ناقابل تسخیر انسان کو اتنا فریفتہ کر لیا تھا کہ وہ اُس کی پرشوکت حرکات وسکنات کو رشک کی نظر سے دیکھتا تھا۔ وہ دودمانِ بطلیموس اور فراعنہ قدیم کے قصے سنا کرتا اور غیر شعوری طور پر اُس دختر شاہان و سلاطین کے نقطۂ نظر کا قائل ہوتا جا رہا تھا جو شاہانہ تجمل کا مجسم پیکر تھی!

---

[1] یہ حقیقت بہت دلکش ہے۔ ہندوستان کے چھتری راجہ بھی اپنے آپ کو سورج بنسی اور چندر بنسی کہتے تھے۔ (مترجم)

کچھ تو اپنے بے چین عزائم کے زیرِ اثر اور کچھ اس ذی جاہ ملکہ کے ایما سے اب سیزر دن رات اُس عالمگیر سلطنت کے نقشے بنانے میں محو تھا جس پر وہ اور اُس کی اولاد مدّتوں حکومت کرتی۔ سیزر کو یقیناً یہ خیال ہو گا کہ حکومت کی شرطوں میں سے ایک باوقعت شرط یہ بھی ہے کہ بادشاہ کی رگوں میں پشتینی شاہی خون ہو۔ وہ جانتا تھا کہ دیوتاؤں کی اولاد ہونے اور ذاتی امارت کے باوجود وہ اس شرط پر پورا نہ اُترتا تھا۔ ایک فاتح خواہ کتنا ہی عالی خاندان کیوں نہ ہو۔ ایک شہزادے کی برابری نہیں کرسکتا۔ اسی خیال نے نپولین اعظم کے دل کو بے چین کر کے اُسے پروشیا کی شہزادی سے شادی کرنے پر مائل کیا تھا تاکہ اس طرح اُس کی نسل میں شاہی خون کی آمیزش ہو جائے۔ اسی خیال کے تحت سیزر بھی کسی شاہی خاندان سے پیوند کرنے کا خواہش مند تھا۔ روم میں کوئی شاہی خانوادہ نہ تھا۔ اس لیے اس مقصد کے لیے بطلیموسی خاندان کی ملکہ اُس کی نظرِ انتخاب میں سب سے موزوں تھی۔ اس خاندان کی اصل مقدونیہ (شمالی یونان) سے تھی اور خواہ غلط ہی سہی مگر عوام کا عقیدہ تھا کہ یہ خاندان سکندرِ اعظم کی نسل سے ہے۔ غرض ایک طرف سیزر یہ منصوبے باندھتا تھا کہ قلوپطرہ کے بطن سے اُس کی اولاد روم اور مقدونی مصر کے مشترکہ تخت کی وارث ہو گی اور دوسری طرف قلوپطرہ سوچتی تھی کہ میرے بطن سے پیدا ہونے والا لڑکا روم اور فراعنۂ مصر کے تخت و تاج کا وارث ہو گا۔

قلوپطرہ مدت سے شادی کے قابل تھی۔ اُسے شوہر کی تلاش تھی جس نے سیزر کی صورت میں ظاہر ہو کر اُس کے دل پر قبضہ کیا اور اُسے ایک بچّے کی ماں بنا دیا۔ وہ قدرتاً اُسے اپنا شریکِ زندگی بنانا چاہتی تھی تاکہ بطلیموسی نسل میں بہترین رومی خون کا اضافہ ہو جائے۔ صحیح اندازہ نہیں کہ وہ اپنے شوہر کو فراعنۂ مصر کا جانشین بنا سکتی تھی یا نہیں مگر اتنا یقینی ہے کہ وہ اپنے متوقع نورِ نظر کو مصر کے تخت و تاج کا مالک بنانے اور بطلیموسی خاندان کے تاج میں قیصریت کے طرّۂ افتخار کا اضافہ کرنے کی آرزومند تھی۔ میری رائے بادی النظر میں عجیب معلوم ہو مگر یہ واقعہ ہے کہ روما الکبریٰ کی عظیم الشان سلطنت کے قیام میں اس ذی حوصلہ ملکہ کا بڑا ہاتھ ہے کیونکہ روم کی سلطنت قلوپطرہ اور سیزر کے سنجوگ ہی سے وجود میں آئی۔

غرض انھیں منصوبوں اور امیدوں کے سبب سیزر کو یہ جاننے کا اشتیاق تھا کہ ہونے والا

بچہ لڑکی ہوگی یا وارثِ تخت وتاج لڑکا۔ وہ زیادہ تر مصر میں اسی لئے ٹھہرا رہا کہ یہ بچہ اُس کے سامنے پیدا ہو لے تو وہ اطمینان سے روم واپس جائے۔ وہ قلوپطرہ کو اپنی بیاہتا بیوی سمجھنے لگا تھا اور فرطِ الفت کے سبب چاہتا تھا کہ وقتِ ولادت اپنی نازک اندام ملکہ کے قریب ہی ہو۔ اکثر مؤرخوں کی رائے ہے کہ حسین نوخیز ملکہ نے اپنی نفسانی خواہشات کی تسکین کے لیے سیزر کو روم جانے سے روکے رکھا مگر یہ لوگ اس فطری اصول سے بے خبر ہیں کہ حمل کے آخری ایام میں عورت کو نہ مرد کی خواہش ہوتی ہے نہ وہ اُس کے دل میں جنون خیز جذبات بھڑکانے کے قابل رہتی ہے۔ وہ اس مرحلے پر ماتا کا فطری فریضہ ادا کرنے اور نوعِ انسانی کی سب سے بڑی خدمت انجام دینے پر مائل ہوتی ہے۔ اس کے دوش بدوش مرد ذمہ داری ہمدردی و اہتمام کا فرض ادا کرنے کی تیاری کرتا ہے۔ یہ سوچنا قطعاً لغو ہے کہ اس نازک وقت میں جولیس سیزر حیوانی جذبات سے مغلوب تھا۔ اگر اُس کے دل میں کوئی جذبہ تھا تو وہی جو مرد کو اس نازک مرحلے پر اپنی رفیقۂ حیات کا ساتھ دینے پر راغب کرتا ہے۔ سیزر کا مصر میں پڑے رہنا نفسانی خواہشات کی بنا پر نہ تھا بلکہ الفت وحوصلہ مندی، جہانگیری وکشورکشائی کے منصوبوں اور ایک ایسے خاندان کی بنیاد رکھنے کی بنا پر تھا جو اُس کے بعد اُس کی تخلیق کردہ سلطنت کا وارث ہوتا[1]

مگر سیزر اس عرصے میں قصرِ شاہی کے اندر بیکار نہ بیٹھا وہ اپنی بیوی کے مقبوضات یعنی وسائل کا جائزہ لینا چاہتا تھا۔ چنانچہ شاہی بجرا آراستہ کیا گیا تاکہ وہ ملکہ کو ساتھ لے کر دریائے نیل کے راستے جنوبی مصر تک سفر کرے جس سے ملکہ کی صحت کو فائدہ پہنچنے کی امید نہ تھی۔ رومی دستوں اور تھوڑی سی مصری فوج کو جلو میں رہنے کا حکم ہوا۔ سپاہیوں کی مجموعی تعداد کئی ہزار

---

[1] بعض مؤرخوں کا یہ بیان ہے کہ سیزر اپنے بیٹے کی ولادت سے پہلے ہی مصر سے چلا آیا تھا، قطعاً غلط ہے۔ جیسا کہ پلوٹارک لکھتا ہے، سیزر اس بچے کی ولادت کے بعد مصر سے سپین گیا۔ سسرو نے بھی اپنے ایک خط میں، جو جون میں لکھا، یہ اشارہ کیا ہے کہ سیزر ایک خاص مجبوری کی بنا پر مصر میں رکا ہوا ہے۔ مطلب یہی تھا کہ وہ بچے کی ولادت کا منتظر ہے۔

ہوگی کیونکہ چارسو کشتیاں اُن کے لیے مخصوص ہوئی تھیں۔ شاہی بجرا اپنی نفاست و سعت کے لحاظ سے بے مثال تھا۔ اس میں مسقّف عرشہ، طعام خانے، نشست کے کمرے، شبستان، پائیں باغ اور زہرہ کا معبد غرض سبھی کچھ تھا۔ اس میں سرتاسر دیودار کی لکڑی لگی تھی جسے جا بجا رنگ رنگ و روغن، تصویروں اور سونے کے پتروں سے آراستہ کیا گیا تھا۔ فرنیچر تمام و کمال یونانی وضع کا تھا لیکن طعام خانے کے سامان میں مصری طرز کی جھلک تھی۔ پیچھے پیچھے سپاہیوں کی کشتیاں اور سامانِ رسد کے نواڑے تھے جن کی معمولی ساخت تھی۔

یہ بیڑا اسکندریہ سے نکل کر نیل کے ڈیلٹے کی قریب ترین شاخ میں داخل ہوا اور دھارے کے اوپر قاہرہ تک پہنچا جہاں سے قلوپطرہ نے پہلی بار اہرامِ مصر اور ابوالہول کی عظمت کا اندازہ کیا۔ تین ہفتے کے سفر کے بعد شہر تھیبیز دکھائی دیا جو کبھی مصر کا دارالسلطنت تھا مگر اب بے رونق ویران پڑا تھا۔ دریا کے دونوں طرف جا بجا عظیم الشان مندر اور مقبرے نظر آتے تھے، جنھیں دیکھ کر سیزر یقیناً متاثر ہوا ہوگا۔ غالباً اسی موقع پر سیزر کے ایما سے قلوپطرہ نے اپنے کسی مورثِ اعلیٰ کا تعمیر کردہ مینار[1] تھیبیز سے دریا کے راستے اسکندریہ منتقل کرایا تھا۔ وہاں یہ چوک میں نصب ہوا تھا اس کے قاعدے پر ایک کتبہ لگایا گیا جس پر اُس کے دوبارہ نصب کرنے کی تاریخ کندہ ہوئی۔

بہرحال سیزر یہاں سے واپس چلا۔ وادیٔ نیل کی دولت اور زرخیزی بچشمِ خود دیکھ کر اُسے اطمینان ہوا۔ دورانِ سفر میں مقامی آدمیوں سے بات چیت کر کے اُن تجارتی شاہراہوں کی ہر ممکن تفصیل معلوم کی جو اندرونِ ملک سے مختلف اہم شہروں کو ایتھوپیا اور برنیس کی اُس بندرگاہ تک جاتی ہیں جہاں سے ہندوستان کا بحری سفر شروع ہوتا ہے۔ روانگی سے لے کر اسکندریہ واپس آنے تک شاہی بیڑے کی نو یا دس ہفتے لگے۔ اس طرح جون کے آخر میں بیڑا واپس پہنچا اور جولائی کے پہلے ہفتے میں قلوپطرہ کے لڑکا پیدا ہوا۔

جولیس سیزر کی دلی مراد بر آئی۔ اہلِ مصر نے بھی اُس نومولود کو نجیب الطرفین تسلیم کیا کیونکہ

---

[1] حکومتِ مصر نے یہ مینار اس صدی کے آغاز میں حکومتِ برطانیہ کی نذر کر دیا تھا اور آج کل یہ ٹیمز کے پُشتے پر (لندن) قلوپطرہ کی سوئی کے نام سے مشہور ہے۔

وہ اُن کی ملکہ اور عمین دیوتا کے ارضی مظہر یعنی جولیس سیزر کے سنجوگ کا ثمر پیش رس تھا۔ اُس کا نام سیزاریَن یعنی ننھا سیزر رکھا گیا البتہ درباری نام بطلیموس شانزدہم تھا (جس پر خاندانِ بطلیموس کا خاتمہ ہوگیا) مصر میں وہ بطلیموس المعروف بہ سیزر کے نام سے مشہور رہا اور ایک تحریر میں، جو ٹیورن کے عجائب گھر میں موجود ہے، اُس کا یہی نام درج ہے۔

اب سیزر کو مصر میں مزید قیام کی ضرورت نہ تھی۔ پچھلے چند ماہ میں اُس نے رومی معاملات سے یک قلم غفلت اختیار کر لی تھی۔ حد یہ ہے کہ حکومتِ روم کو دو سطریں لکھنے کی زحمت تک گوارا نہ کی تھی۔ مگر اب اُن عظیم منصوبوں کی تکمیل کا وقت آچکا تھا جن کا خواب وہ جاڑوں بھر قصرِ شاہی میں پڑا دیکھتا رہا۔ بحیرۂ روم کے کنارے کبھی مصر کے دریلیش تھے۔ پارتھیا کی خودسر حکومت کو مسخر کرکے ہندوستان پر حملہ کرنا تھا۔ اس کے بعد میدان صاف تھا۔ پھر وہ ڈنکے کی چوٹ ملکۂ مصر سے اپنی شادی کا اعلان کرکے اور اس کے بعد اس کے ملک کو رومی مقبوضات کا جزو بنا کر روئے زمین کی فرمانروائی کا دعویٰ کر سکتا تھا۔ یہ منصوبے عظیم الشان تھے اور ایک عظیم ہستی کے شایانِ شان۔ اس میں شک بھی نہیں کہ اگر اُس کے قاتل عین وقت پر قتل نہ کر دیتے تو وہ اپنی تجاویز کو لباسِ عمل پہنا دیتا۔

موجودہ مورّخین کی رائے ہے کہ جولیس سیزر نے مصر میں جو وقت ضائع کیا وہ نہایت قیمتی تھا اور وہ عشقبازی کے چکر میں پھنس کر جہانگیری اور جہانبانی کے فرائض سے غافل ہوگیا۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ سیزر نے ان نو مہینے میں حکومتِ روما کی بنیاد رکھ دی۔ یہ صحیح ہے کہ قاتلوں کی تلوار ول نے اُس کی زندگی کے ساتھ اُس کے منصوبوں کو بھی ختم کر دیا مگر سیزر کے بعد انطونی کی مدد سے قلوپطرہ ان منصوبوں کی تکمیل میں سرگرم رہی اور آخر آکٹیوین نے انھیں پورا کیا۔

غرض سیزر نے جہاز میں سوار ہو کر روم کا رُخ کیا۔ یقین ہے کہ اسکندریہ سے رخصت ہوتے وقت اُس نے قصرِ شاہی کے در و دیوار پر دلچسپی اور پُرجوش سرگرمی سے نظر کی ہوگی۔ اُس کے سخت سے پیوست لبوں پر عجیب انداز کا تبسّم کھیلنے لگا ہوگا اور دل میں اُس عظیم منصوبے کا خیال چٹکیاں لے رہا ہوگا جو اُسے اب انجام دینا تھا مگر ان تمام خیالات و جذبات پر اُس خلوت گاہ کا تصوّر غالب آ رہا ہوگا جہاں اُس کی ملکہ اُس نومولود بچے کو سینے سے لگائے پڑی تھی جو روئے زمین کی حکومت کا وارث بننے والا تھا! ٭

آٹھ

قلوپطرہ اور جولیس سیزر روم میں

مصر سے واپس آکر سیزر سال بھر تک جن فتوحات میں مشغول رہا اُن کا اس کتاب سے چنداں تعلّق نہیں۔ غرض وہ جولائی کے پہلے ہفتے میں ایک تیز رفتار جہاز میں سوار ہوا اور کھُلے سمندر کے پانچ سو میل طے کر کے انطاکیہ پہنچا۔ ایک دو دن میں وہاں کے معاملات درست کرنے کے بعد فوراً ایفیسس روانہ ہو گیا جو وہاں سے چھ سو میل ہے۔ جولائی کا تیسرا ہفتہ ختم ہوتے ہوتے وہاں پہنچا۔ انطاکیہ میں سیزر کو یہ خبر ملی تھی کہ فارنکیس نے اُس کے ایک جنرل ڈومیشس کو شکست دے کر پونطس سے مار بھگایا تھا۔ اُس نے شکست خوردہ جنرل کی امداد کے لیے تین دستے روانہ کیے اور یہ ہدایت کی کہ تم شمالی مغربی گیلیشیا میں میرا انتظار کرنا۔ ایفیسس میں ایک دو روز قیام کے بعد سیزر نے صرف ایک ہزار سوار ساتھ لیے اور کمال برق رفتاری کے ساتھ ۲ اگست کو اپنے تین دستوں سے بمقام زیلا جا ملا۔ اور غنیم پر اس طرح گرا کہ پہلے ہی حملے میں اُسے شکستِ فاش دی۔

سیزر نقل و حرکت میں تیز رفتاری ملحوظ رکھتا تھا۔ فرانس کی مہمات میں وہ اکثر سو میل یومیہ کی رفتار سے چلتا۔ انتہائی گرانبار فوج کو بھی وہ چالیس میل یومیہ کی رفتار سے لے چلتا تھا مثلاً روم سے سپین تک کا فاصلہ اُس نے صرف ستائیس دن میں طے کر کے رکھ دیا تھا معرکۂ زیلا میں بھی اُس کی برق رفتاری کام آئی۔ اتنے بڑے دشمن کو اس طرح شکست دینا ایسا کارنامہ تھا کہ اس پر وہ جتنا ناز کرتا کم تھا۔ اُس کی سرخوشی کا یہ عالم تھا کہ روم میں اپنے دوست کو اِس فتحِ عظیم کی خوشخبری بھیجتے ہوئے اُس نے یہ مختصر عبارت خط میں لکھی "آیا، دیکھا، شکست دی" اعتماد و مسرّت کا یہ جوش ظاہر کرتا ہے کہ وہ دل ہی دل اپنے آپ کو دیوتا سمجھنے لگا تھا۔

آٹھ

قلوپطرہ اور جولیس سیزر روم میں

مصر سے واپس آکر سیزر سال بھر تک جن فتوحات میں مشغول رہا اُن کا اس کتاب سے چنداں تعلّق نہیں۔ غرض وہ جولائی کے پہلے ہفتے میں ایک تیز رفتار جہاز میں سوار ہوا اور کھلے سمندر کے پانچ سو میل طے کر کے انطاکیہ پہنچا۔ ایک دو دن میں وہاں کے معاملات درست کرنے کے بعد فوراً ایفیسس روانہ ہو گیا جو وہاں سے چھ سو میل ہے۔ جولائی کا تیسرا ہفتہ ختم ہوتے ہوتے وہاں پہنچا۔ انطاکیہ میں سیزر کو یہ خبر ملی تھی کہ فارنکیس نے اُس کے ایک جنرل ڈومیٹیس کو شکست دے کر پونطس سے مار بھگایا تھا۔ اُس نے شکست خوردہ جنرل کی امداد کے لیے تین دستے روانہ کیے اور یہ ہدایت کی کہ تم شمالی مغربی گیلیشیا میں میرا انتظار کرنا۔ ایفیسس میں ایک دو روز قیام کے بعد سیزر نے صرف ایک ہزار سوار ساتھ لیے اور کمال برق رفتاری کے ساتھ ۲ راگست کو اپنے تین دستوں سے بمقام زیلا جا ملا۔ اور غنیم پر اِس طرح گرا کہ پہلے ہی حملے میں اُسے شکستِ فاش دی۔

سیزر نقل و حرکت میں تیز رفتاری ملحوظ رکھتا تھا۔ فرانس کی مہمات میں وہ اکثر سو میل یومیہ کی رفتار سے چلتا۔ انتہائی گرانبار فوج کو بھی وہ چالیس میل یومیہ کی رفتار سے لے چلتا تھا مثلاً روم سے سپین تک کا فاصلہ اُس نے صرف ستائیس دن میں طے کر کے رکھ دیا تھا۔ مگر کہ زیلا میں بھی اُس کی برق رفتاری کام آئی۔ اتنے بڑے دشمن کو اس طرح شکست دینا ایسا کارنامہ تھا کہ اس پر وہ جتنا ناز کرتا کم تھا۔ اُس کی سرخوشی کا یہ عالم تھا کہ روم میں اپنے دوست کو اِس فتحِ عظیم کی خوشخبری بھیجتے ہوئے اُس نے یہ مختصر عبارت خط میں لکھی "آیا، دیکھا، شکست دی" اعتماد و مسرت کا یہ جوش ظاہر کرتا ہے کہ وہ دل ہی دل اپنے آپ کو دیوتا سمجھنے لگا تھا،

جس کی سُرعت اور طاقت بے پناہ تھی۔

اِن ہنگاموں سے فارغ ہو کر اُس نے روم کا رُخ کیا اور ٹھیک ایک سال کی غیر حاضری کے بعد ستمبر میں وہاں پہنچا۔ یہاں صرف اڑھائی مہینے رہا۔ دسمبر میں وہ شمالی افریقہ میں تھا۔ جہاں متوفی پومپی کے ہواخواہ کیٹو، سپیو وغیرہ کی سرکردگی میں جو با شاہِ نومیڈیا کی اعانت سے ایک عارضی حکومت تشکیل کر کے اپنی طاقت بڑھا رہے تھے۔ ۲۸ دسمبر کو یہ قہرمان وہاں پہنچا اور بے تامّل حملہ آور ہوا۔ تین چار مہینے کی جنگ کے بعد ۶ اپریل کو غنیم کی طاقت بالکل برباد ہو گئی۔ متوفی پومپی کے چیدہ چیدہ سردار مثلاً سلّا، افری کینس اور لوشس جولیس قتل کر دیے گئے۔ کیٹو اور سپیو نے خودکشی کر لی۔ پچاس ہزار قیدیوں کی بے دریغ گردن ماردی گئی۔ غرض سیزر مظفر و منصور ۲۵ جولائی کو روم میں پہنچا۔ اور اپنے جشنِ فتوحات کی تیاریوں میں مصروف ہوا، جو اگست میں ہونے والا تھا۔ قلوپطرہ اِن دنوں مجسّم مامتا بنی اپنے شیر خوار کو پال پوس رہی تھی۔ اُسے بھی پیغام بھیجا کہ آؤ اور جشن کی تقریب سعید میں شرکت کرو۔

ڈیون کا خیال ہے کہ قلوپطرہ جشن کے بعد روم پہنچی مگر اکثر معاصر مؤرّخوں کی طرح میری بھی یہی رائے ہے کہ وہ مصر کے شاہی قیدیوں یعنی شہزادی آرسینو، گینی میڈ وغیرہ کے ساتھ جشن سے کچھ پہلے روم پہنچ گئی تھی۔ یوں بھی یہ فطری ہے کہ قلوپطرہ نے بخوشی اُس جشن میں شرکت کی ہو گی جس میں اُس کے جانی دشمن یعنی اسکندریہ کے غدّار کیفرِ کردار کو پہنچے۔ پوتھی نوس ایکیلاس، آرسینو، گینی میڈ وغیرہ آخر اُس کے دشمن ہی تھے، جن کی ذلّت کا تماشا دیکھنا اُسے منظور و مرغوب تھا۔ وہ ظاہر کرنا چاہتی تھی کہ یہ ذلّت اور شکست مصر کی نہیں بلکہ مصری غدّاروں کی ہے۔ سیزر اُس کی شرکت کا اس لیے آرزومند تھا کہ اُسے اپنی مقبولیت اور جاہ و جلال کا منظر دکھا کر متاثر کرے۔ یہ تیسری بار تھی کہ وہ روم کا مختارِ مطلق بنایا گیا تھا۔ یہی مطلق العنانی رسمِ شہنشاہی کا پیش خیمہ تھی جس میں آگے چل کر قلوپطرہ اور اُس کا لڑکا نمایاں حصہ لینے والے تھے۔

سیزر اپنے آپ کو ہر قسم کی تنقید و اعتراض سے بالاتر سمجھتا تھا۔ اسکندریہ کے قصرِ شاہی میں نو مہینے تک شہزادوں کی زندگی سے کھیلنے اور پونطس و نومیڈیا کی فتوحات کے بعد وہ بادۂ نخوت سے اِتنا سرشار ہو گیا تھا کہ مصلحت اندیشی کو بالائے طاق رکھ دیا اور اپنی ملکہ کو اہلِ روم

سے روشناس کرایا۔ دراصل اُسے لازم تھا کہ روما الکبریٰ کے تخت پر ملکہ کو ساتھ لے کر بیٹھنے سے پہلے میدان ہموار کر لیتا۔ مگر خود نمائی کا جذبہ مصلحت پر غالب آیا۔ میری رائے یہ ہے کہ قلوپطرہ کو اپنی رفیقۂ حیات بنا کر دکھانے سے سیزر کا مدعا یہ تھا کہ مصر میں اُس کی قابلِ فخر نبرد آزمائیاں صرف ملکہ کے دشمنوں سے تھیں۔

قیاس ہے کہ روم میں قلوپطرہ کے آنے سے بڑا ہیجان پھیلا ہوگا۔ گاڑیوں سامان سیکڑوں غلام، متعدد خواجہ سرا اُس کی جلو میں تھے۔ چھوٹا شہزادہ بطلیموس بھی ساتھ تھا۔ کیونکہ قلوپطرہ ایسی کچی گولیاں کھیلنے کی قائل نہ تھی کہ شہزادے کو وہاں چھوڑ کر مفت کے فتنہ و فساد کو دعوت دیتی۔ عین ممکن تھا کہ خاندانی روایات کی تقلید میں وہ وہاں آزادی و خود مختاری کا جھنڈا بلند کر دیتا۔ غرض اُسے بھی ساتھ چلنے پر مجبور کیا۔ سال بھر کا شیر خوار بچہ سیزر آرین فوجی پہرے اور پُر شور ڈرائیول کے ہجوم میں اہلِ روم کی نگاہوں کا مرکز بن گیا۔ تیز طرار اہلِ روم جو ریذلم یزل جولیس سیزر کی طبیعت سے خوب واقف تھے، بتائے بغیر بچے کا نسب جان گئے۔ دریائے ٹائبر کے پار سیزر کی ایک دیہاتی اقامت گاہ تھی۔ دریا کے داہنے کنارے پر کنجوں اور باغوں کے درمیان اس پُر لطف و خوش منظر منزل میں قلوپطرہ اور اُس کے حشم و حشم نے قیام کیا۔ سیزر کی بیاہتا بیوی کلپورنیا اپنے متعلقین کے ساتھ شہر ہی میں مقیم رہی۔

ٹھیک اندازہ نہیں کہ اُن دنوں قلوپطرہ کے ساتھ سیزر کا رویہ کیا تھا۔ غالباً اُس کی سابقہ گرم جوشی ٹھنڈی پڑ چکی تھی۔ سیزر جیسی بے قرار طبیعت کے آدمی کسی ایک محبوب کے پابند نہیں ہوا کرتے۔ گزشتہ جاڑوں میں، جب وہ شمالی افریقہ میں مقیم تھا اُسے شاہ موریطینیا کی بیوی یونوئے سے الفت ہو گئی تھی۔ بایں ہمہ اُس کا دل قلوپطرہ کے دامِ عشق سے آزاد نہ تھا، قیاس کہتا ہے کہ جن دنوں قلوپطرہ دریائے ٹائبر کے کنارے دیہاتی اقامت گاہ میں مقیم تھی سیزر نے ملکۂ مصر کی صحبت میں محفلِ عشرت کے وہی لطف اٹھائے ہوں گے جو اُسے اسکندریہ کے شاہی قصر میں میسر آئے تھے۔ نئی نویلی محبت کے چونچلے ختم ہو چکے تھے مگر اب اُس سے بھی زیادہ استوار رشتہ قائم ہو گیا تھا۔ دونوں پورے طور پر ایک دوسرے کے رفیقِ حیات تھے اور دونوں کی متفقہ خواہش تھی کہ جیسے اسکندریہ میں اُن کی شادی کا اعلان ہو چکا تھا روم میں بھی اُسے تسلیم کرا لیا جائے۔

سیزر اپنی شوخ و شنگ بذلہ سنج ملکہ کے ساتھ رہنے میں فرحت محسوس کرتا تھا۔ اب کہ وہ وہیاتی اقامت گاہ میں مقیم تھی، وہ جب چاہتا وہاں پہنچ جاتا اور اُس کی مسرت بخش صحبت کا لطف اُٹھاتا۔ علاوہ بریں اُس کا بیٹا سیزر آرین جو اب سوا سال کا ہو چکا تھا، اپنے معصوم نماشوں سے اُسے خوش کرتا تھا۔ اُس میں اپنے باپ کی کامل شباہت تھی۔ بڑا ہو کر تو وہ سیزر سے اتنا مشابہ نکلا کہ اُس کا ناک نقشہ بالخصوص اندازِ رفتار صاف کہے دیتا تھا کہ وہ کس باپ کا بیٹا ہے۔ بغرض اِس سوا سال کی جان نے دونوں کی باہمی محبت میں اور اضافہ کر دیا تھا۔ قلوپطرہ سیزر کو مردانہ وجاہت اور خوش اطواری کا بہترین نمونہ سمجھتی اور اُس کی صحبت میں مسرت محسوس کرتی۔ وہ اُس کی تیز دماغی رئیسانہ خود اعتمادی اور عظیم شخصیت سے مسحور رہتی۔ سیزر کی صحت خراب ہونے لگی تھی اور چہرہ عمر سے آگے نکل گیا تھا۔ اُس میں نوجوان عاشقوں کی سی گرم جوشی باقی نہ تھی۔ پھر بھی قلوپطرہ اُسے اپنا محبوب رفیقِ زندگی سمجھتی اور اُس کے ساتھ رہ کر مسرور رہتی۔ دونوں میں بہت سی باتیں مشترک تھیں۔ دونوں تو صلہ مند اور ایک دوسرے کے مزاج داں تھے۔ دونوں کے مفاد مشترک تھے سب سے بڑھ کر یہ اُس بچے نے دونوں کا رشتۂ الفت اور محکم کر دیا تھا۔

قلوپطرہ کے روم میں آتے ہی چہ میگوئیاں ہونے لگیں۔ مگر سیزر نے اُن کے جواب میں بے نیازانہ خاموشی اختیار کر لی۔ عوام کو سیزر کی بیاہتا بیوی کلپورنیا سے ہمدردی تھی جو بارہ سال سے اپنے شوہر سے جدا پڑی ہوئی تھی۔ سیزر کے اہالی موالی ملکہ کی چاپلوسی کرتے تھے، جسے دیکھ کر عوام کو صدمہ ہوتا۔ یہ خیال غلط ہے کہ وہ قلوپطرہ کو مصری ہونے کی حیثیت سے غیر سمجھتے تھے۔ وہ جانتے تھے کہ وہ مقدونی یونانی خاندان کی چشم و چراغ ہے۔ بایں ہمہ انھیں اُس سے کوئی لگاؤ نہ تھا۔ اُس کے برعکس انھیں اُس کی بہن آرسینو پر ترس آتا تھا جسے قلوپطرہ نے سیزر کی مدد سے اِس حالِ تباہ کو پہنچا دیا تھا۔ اِن تمام باتوں کے باوجود قلوپطرہ نے سنجیدگی و متانت سے کام لیا اور کسی خرخشے کے بغیر روم میں رہتی رہی۔

یہ جشنِ فتح و فیروزی جسے سیزر نے اپنی اور عوام کی تفریح کے لیے منعقد کیا تھا، چار روز جاری رہا۔ پہلے دن فاتح فرانس کی حیثیت سے اُس کا جلوس نکلا۔ شہر کی شاہراہوں سے گزر کر جب یہ جلوس ایوانِ حکومت کی طرف بڑھا تو شام پڑ چکی تھی۔ چالیس ہاتھیوں پر بے شمار آتشی مشعلیں

روشن کیے اُس کی رتھ کے داہنے بائیں چل رہے تھے۔ جلوس کے اختتام پر بدنصیب ورسنج ٹورکس کی گردن ماری گئی، جو چھ سال تک اسیر رہنے کے بعد سیزر کی قید اور قیدِ حیات دونوں سے آزاد ہوا۔ یہ وہ قابلِ احترام سورما تھا جس نے جنگِ فرانس میں محض اِس لیے ہتھیار ڈالے تھے کہ مزید بے نتیجہ لڑائی سے ملک کو برباد کرنا اُسے منظور نہ تھا۔

دوسرے دن سیزر کا جلوس فاتحِ مصر کی حیثیت سے نکلا۔ شہزادی آرصینو اور غدار گینی میڈ کو پابجولاں شہر کی سڑکوں پر پھرایا گیا۔ آخر میں گینی میڈ کا سر قلم کیا گیا اور شہزادی آرصینو کو قلوپطرہ کی بہن ہونے کی نسبت سے معاف کیا گیا۔ ایکیلاس اور پوتھی نوس پہلے ہی قتل ہو چکے تھے مگر ان کے مجسمے اِس جلوس میں موجود تھے جن پر لوگ طرح طرح کے آوازے کستے رہے۔ جلوس میں دریائے نیل اور فرعون کے مجسمے بھی تھے جن سے یہ دکھانا مقصود تھا کہ مصر جیسا عظیم الشان ملک آج رومۃ الکبریٰ کے قبضۂ اقتدار میں ہے۔ لوگوں کی تفریح کے لیے مصر کے جنگلی جانور مثلاً زرافہ، زیبرا وغیرہ اور مصر و حبش کے عجائبات بھی جلوس میں موجود تھے۔

تیسرے روز فتح پونطس کا جلوس نکلا جس میں سیزر کے آگے آگے ایک بڑی تختی لوگ اُٹھائے ہوئے تھے۔ اُس پر "آیا، دیکھا، شکست دی" کی عبارت جلی حروف میں لکھی ہوئی تھی۔ چوتھے روز شمالی افریقہ کی فتح کا جشن منایا گیا۔ اُس میں رومی حریفوں سے چھینے ہوئے ہتھیار اور جھنڈے تھے جنھیں دیکھ کر اہلِ روم کچھ برہم ہوئے مگر انھیں یہ کہہ کر خاموش کر دیا گیا کہ یہ جنگ دراصل جوبیا شاہِ نومیڈیا سے لڑی گئی تھی جو پومپی اعظم کے ہوا خواہوں کا مددگار تھا۔ مگر جب لوگوں نے دیکھا کہ جلوس میں کیٹو جیسے ذی جاہ رومیوں اور سیزر کے دیگر عالی مرتبت حریفوں کے تمسخر انگیز مجسمے بھی موجود ہیں تو انھیں تابِ ضبط نہ رہی اور انھوں نے اِس بیہودہ مذاق پر اظہارِ غیظ کیا۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اِس سال جب سیزر کی فوجی فتوحات اور اقتدارِ حکومت نقطۂ عروج پر پہنچ چکے تھے، اُس کی متانت و ہوش مندی میں فرق آ گیا تھا۔ وہ خود کو فوق البشر سمجھتا اور اپنے دشمنوں کی حد درجہ تذلیل کرتا۔ ایسا انسان جو مختارِ مطلق بننے کا آرزومند ہو، جو خود کو دیوتا اور اپنے دشمنوں کو حقیر و ذلیل سمجھے اُس کے متعلق بجز اس کے اور کیا کہہ سکتے ہیں کہ وہ دماغی توازن کھو چکا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ اُن دنوں سیزر کا دماغی توازن کسی قدر خراب ہو گیا تھا۔ چند سال سے اُسے مرگی کے دورے پڑنے لگے تھے جن کی شدّت اور تعداد اُن دنوں خاصی بڑھ گئی تھی۔ جنگ تھاپسس میں بھی اُسے مرگی کا دورہ پڑا تھا۔ اکثر ایسا ہوتا کہ فرائضِ منصبی ادا کرتے کرتے اُسے دورہ پڑجاتا۔ غالباً اسی نامراد مرض نے اُس کے دماغ میں دیوتا ہونے کا خبط بھی بھر دیا تھا۔ اکثر مذہبی قائد اس مرض میں گرفتار پائے گئے ہیں۔ دورہ پڑنے سے سیزر پر مخبوط الحواسی چھا جاتی تھی مگر لطف یہ تھا کہ قلوپطرہ اِس حالت کو روحانی معراج سمجھتی۔ وہ خود کو دیوتاؤں کی دختر سمجھتی تھی اور سیزر کو پیہم سمجھایا کرتی تھی کہ زہرہ کی اولاد اور میرے شوہر ہونے کی حیثیت سے تم بھی دیوتا ہو!

غلط اندیشی اور کج فہمی کی یہ حالت بڑھتی ہی رہی تا اینکہ آخر ستمبر میں سیزر ایک ایسی حرکت کر گزرا جس سے روم میں سنسنی سی پھیل گئی۔ اُس نے اپنی جدّۂ ماجدہ زہرہ کی یادگار میں ایک عالی شان مندر بنوایا، ساتھ ساتھ قلوپطرہ کا ایک مجسمہ بھی تیار کرایا اور جس روز مندر کا افتتاح ہوا تھا اُسے مندر کے مرمریں شہ نشین میں نصب کرادیا۔ زہرہ کے مندر میں قلوپطرہ کا بُت رکھنے سے سیزر اہلِ روم کے دل پر یہ نقش کرنا چاہتا تھا کہ اُس کی نئی رفیقۂ حیات، جو آج کل دریائے ٹائبر کے کنارے محوِ گلگشت ہے اور جس کی اہلِ مصر پرستش کرتے ہیں، عام دنیوی مخلوق نہیں بلکہ خود زہرہ کی اولاد ہے جو پردۂ خاک پر اُس کا ارضی مظہر بن کر عالمِ بالا سے اُتر آئی ہے۔

معلوم نہیں کہ قلوپطرہ کے متعلق سیزر کا یہ کہنا محض زبانی تھا یا وہ فی الواقع اُسے آسمانی مخلوق سمجھتا تھا۔ ممکن ہے کہ مرگی کے اثر سے اُس کی سابقہ سنجیدگی اور ذکاوت پر اوس پڑ گئی ہو مگر غالباً وہ دانستہ خود فریبی میں مبتلا اور عوام فریبی پر تُلا ہوا تھا وہ چاہتا تھا کہ لوگ اُسے اور قلوپطرہ کو فوق البشر سمجھنے لگیں اور وہ مطلق العنان شہنشاہی کے منصوبے کو لباسِ عمل پہنا سکے۔ عوام فریبی کا مرض اکثر بادشاہوں کو لگا ہے۔ سکندرِ اعظم اگرچہ تمام باتوں میں اپنے آپ کو فانی مخلوق سمجھتا تھا مگر دعویٰ یہی کرتا تھا کہ میں مشتری کی اولاد ہوں۔ نپولین کے دماغ میں بھی مصر کے دوران میں پیغمبری کا سودا سمایا تھا جس کا اظہار اُس نے اپنے ایک دوست سے بلطورِ تمسخر کیا تھا۔

زہرہ کے نئے مندر کی (جسے قلوپطرہ کا مندر سمجھنا چاہیے) رسمِ افتتاح بڑے تزک و احتشام سے ادا ہوئی۔ بیتع زنوں کے کئی اکھاڑے قائم ہوئے۔ ایک جھیل پر بحری لڑائی کا مظاہرہ بھی کیا گیا۔

روم جیسے ہنگامہ پسند شہر کے باشندے جوشِ طرب سے مست ہو گئے۔ وہ کسی غیر ملکی یا کسی نئے دیوتا کی پرستش سے کوسوں دُور بھاگتے تھے مگر قلوپطرہ کہ زہرہ (آئی سس) کی نسل سے بتائی جاتی تھی اِس لیے بڑے ذوق و شوق سے اُس کی تعظیم کرنے لگے۔ آئی سس یعنی مصری ستارۂ زہرہ کی پرستش عام ہو گئی۔ ادنیٰ طبقہ تو آئی سس کا ایسا پجاری بنا کہ جب ایک رومی قونصل لوشش پالس نے ازروئے قانون آئی سس کے ایک مندر چاہا تو ایک بھی مزدور اُسے ڈھانے کے لیے تیار نہ ہوا۔ غرض اس رسمِ افتتاح پر سیزر نے بڑا اہتمام اور خرچ کیا۔ وہ ہر موقع پر لوگوں کو خوش کرنے کے لیے دولت کو پانی کی طرح بہا دیتا۔ ایک بار فقط ایک دعوت میں بائیس ہزار رومیوں نے اُس کے دسترخوان پر کھانا کھایا۔

ان مواقع پر بے دریغ خرچ کرنا ایک اعتبار سے ضروری تھا۔ اگرچہ سیزر اتنا ہردل عزیز ہو چکا تھا کہ لوگ اُسے دس سال کے لیے رومۃ الکبریٰ کا مختارِ مطلق بنانا چاہتے تھے پھر بھی اُس کی پارٹی بہت مضبوط نہ تھی۔ انطونی، جو اس پارٹی کی روح رواں تھا، ایک مرتبہ سیزر سے جھگڑ کر اپنا وقار کھو بیٹھا تھا۔ لوگ تو یہاں تک کہنے لگے تھے کہ وہ سیزر کو قتل کرنے کی فکر میں ہے۔ فارسلیا اور تھاپسس کی جنگ میں متوفّیٰ پومپی کی پارٹی تباہ ہو چکی تھی مگر اُس کی کُھرچن ابھی باقی تھی۔ سیزر نے بیباکانہ حرکتوں سے خاصے آدمیوں کو دشمن بنا لیا تھا جو اُسے بدنام کرنے کے موقعے تلاش کرتے رہتے تھے۔ جنگ تھاپسس کے بعد کیٹو جیسے ذی جاہ رومی کی حسرتناک موت اور بعد ازآں جشن میں اُس کے مجسمے کی تذلیل کے باعث اکثر آدمی برہم تھے۔ سسرو نے کیٹو کی حمایت میں ایک نظم کہی جس کا سیزر نے بہت تلخ جواب لکھا۔ اونچی سوسائٹی میں قلوپطرہ پر آوازے کسے جاتے تھے۔ پھر جب سیزر نے اُس کے بطن سے پیدا ہونے والے لڑکے کو اپنا خاندانی نام دیا تو افواہیں زیرِلب چہ میگوئیاں ہونے لگیں کہ بس اب قلوپطرہ سے شادی کا اعلان بھی ہوا چاہتا ہے۔

اہلِ روم کو سیاسی کشتیاں دیکھنے میں لطف آتا تھا۔ اگرچہ اب سیزر کی ذات ہر قسم کے حملے سے بالاتر ہو چکی تھی۔ لیکن اب بھی بہت سے آدمی تھے جو اُس کی پھبتی اُڑانے سے نہ چوکتے۔ ایوانِ حکومت میں اکثر ہلڑ مچتا تھا۔ شہر کے گلی کوچوں میں ایک ہمہ گیر بے چینی محسوس ہوتی تھیٹروں میں واقعاتِ حاضرہ کی کوئی تلمیح بیان کی جاتی تو تماشائی آسمان سر پر اُٹھا لیتے۔ ایوانِ وزرا میں

بھی اکثر ہنگامے برپا ہو جاتے تھے۔ غرض سیزر کو ان تمام عناصر پر قابو پانے کے لیے خاصی توجہ کرنی پڑتی تھی۔ خوش قسمتی سے (بقولِ اومان) وہ اپنی خوبیوں کا ڈھنڈورا پیٹنے میں یکتا تھا۔ اُس کی خوش اطواری اور دلکش شخصیت بھی عوام کے دِل اپنی طرف کھینچتی تھی۔ رہا قلوپطرہ کا معاملہ سو اس سے بھی سیزر بحیثیتِ مجموعی کچھ نفع ہی میں تھا۔ روم کے امرا اگرچہ کچھ بدظن تھے مگر عوام، جو یہ دیکھ چکے تھے کہ اُس نے فرانس کی کتنی عورتوں کو خراب کیا ہے، اب یہ دیکھ کر مطمئن تھے کہ اُن کا محبوب جنرل سمندر پار سے ایک ملکہ کو کھینچ لایا ہے، جو اصل اور نسب کے رو سے خالص یونانی ہے۔ روم کے عوام کا بڑا حصہ غیر ملکی کھچڑی تھا جو مختلف ملکوں سے آ آ کر یہاں جمع ہو گئے تھے۔ سیزر اُن کی تفریح کے لیے مختلف زبانوں مثلاً یونانی، شامی، عبرانی، اندلسی میں تھئیٹر اور ڈرامے اپنے خرچ پر کراتا تھا جن میں یہ لوگ جوق در جوق جمع ہوتے تھے۔ غرض عوام کے لیے قلوپطرہ کی ذات احترام اور دلچسپی کا مجموعہ بن گئی۔ وہ سیزر کی سیاست میں یہ رومانی عنصر دیکھ دیکھ کر خوش ہوتے۔

روم واپس آ کر سیزر نے جو اصلاحات کیں اُن میں سے ایک اہم اصلاح مصر کی مرہونِ منت ہے۔ رومی تقویم (کیلنڈر) خاصی مدت سے بے ترتیب چلی آ رہی تھی اور اس سے بہت بے قاعدگی واقع ہو رہی تھی۔ غالباً قلوپطرہ کے اشارے سے سیزر نے فیصلہ کیا کہ روم میں مصری تقویم رائج کی جائے۔ اُن دنوں اسکندریہ میں سوسی جینیس جیسا شہرۂ آفاق ہیئت داں موجود تھا۔ سیزر نے اُسے اسکندریہ سے طلب کیا۔ رومی تقویم میں موسم کے لحاظ سے نوّے دن کا فرق نکلا۔ سیزر نے اعلان کر دیا کہ موجودہ ۴۶ ق،م بارہ مہینے کے بجائے پندرہ مہینے یعنی چار سو پینتالیس دن کا ہے۔ اِس طرح روم میں جولیس سیزر کی وہ تقویم رائج ہوئی جو آج تک شمسی تقویم کے نام سے رائج ہے۔ یہ خیال بہت پُر لطف ہے کہ اگر قلوپطرہ روم آ کر تقویم میں اصلاح نہ کراتی تو آج دو ہزار سال بعد کی دنیا میں ایک عجیب بے ڈھنگی تقویم کا رواج ہوتا جس کے مہینے بالکل مختلف اور بے جوڑ ہوتے۔

ان دنوں سیزر مشرق کے منصوبے باندھ رہا تھا۔ ۶۵ ق،م میں پومپی اعظم نے خشکی کے راستے مشرق تک پہنچنے کی تفصیلات تیار کر لی تھیں۔ یہ راستہ بحیرۂ اسود کی بندرگاہ فاصص سے ہو کر بحیرۂ کیسپین، وسطِ ایشیا اور کشمیر ہوتا ہوا ہندوستان جاتا تھا۔ جن دنوں سیزر مصر میں تھا، اُس نے مصر کے بری اور بحری تجارتی راستوں سے ہندوستان تک پہنچنے کی تفصیلات حاصل کر لی

تھیں۔ غرض یہ تجویز زیرِ غور تھی کہ رومی پرچم مشرق میں لہرا دیا جائے۔ سیزر کی رائے تھی کہ حملہ کرنے کے لیے وسطِ ایشیا والا راستہ اور کمک یا رسد بھیجنے کے لیے مصر کا تجارتی راستہ موزوں ہے مگر وسطِ ایشیا والی تجویز میں یہ قباحت تھی کہ ایران کی جنگجو سلطنت راستے میں حائل تھی۔ آخر سیزر نے اعلان کر دیا کہ وہ سب سے پہلے ایران سے دو دو ہاتھ کرنے کا ارادہ رکھتا ہے۔

اگرچہ کوئی ثبوت نہیں ملتا کہ سیزر ایران سے گزر کر ہندوستان تک پہنچنے کا عزم رکھتا تھا۔ مگر میری رائے ہے کہ چند در چند وجوہ سے اُس کا منصوبہ یہی تھا۔ اُس نے سکندرِ اعظم کے کارنامے بڑے شوق سے پڑھے تھے اور علانیہ کہا کرتا تھا کہ میں بھی اُس کی ہمسری کر کے دکھاؤں گا اُس نے پومپی اعظم سے خشکی کے راستے ہندوستان پہنچنے کی تفصیلات سنی تھیں۔ عالمگیر فتوحات کا شوق اُس کے سر پر سوار تھا۔ قیامِ مصر کے دوران میں اُس نے ہندوستان کے تجارتی راستے کی تفصیلات تیار کی تھیں۔ ہند کی بے اندازہ دولت کا تصور اُس کے خیالات میں ہیجان برپا کیے ہوئے تھا۔ خود قلوپطرہ ہندوستان اور مشرقِ بعید تک پہنچنے کی آرزومند تھی۔ یورپ میں سوا فرانس، سخت جان جرمنی کے اور تمام ممالک فتح ہو چکے تھے۔ غرض ان تمام وجوہ کے پیشِ نظر میری رائے ہے کہ سیزر فتحِ ہندوستان کا مصمم ارادہ رکھتا تھا اور ایران پر حملے کی تیاری سے اُس کا مقصد یہی تھا کہ ہندوستان تک پہنچنے کا راستہ ہموار کر لیا جائے۔

ان دنوں مشرقِ بعید کی بے اندازہ دولت کا تذکرہ لوگوں کی زبان پر تھا۔ حوصلہ مند اشخاص دیکھ رہے تھے کہ مشرق سے جواہرات، ریشم، عطر، گرم مسالے وغیرہ روم میں آ کر فروخت ہو رہے ہیں۔ پلینی کا بیان مبالغہ آمیز سہی مگر وہ لکھتا ہے کہ اُن دنوں ہر سال روم سے چار لاکھ پونڈ کا سونا چاندی ان چیزوں کی قیمت کے طور پر ہندوستان بھیجا جاتا تھا۔ روم میں یہ سامان سو گنی قیمت پر فروخت ہوتا تھا۔ ان تمام باتوں کے پیشِ نظر یہ قیاس صحیح معلوم ہوتا ہے کہ سیزر نے، جو دنیا کا سب سے بڑا فضول خرچ اور اپنے وقت کا سب سے بڑا لٹیرا تھا، ایران سے گزر کر ہندوستان کی دولت سمیٹنے کا تہیہ کر رکھا تھا۔ یقیناً اُس کا یہی منصوبہ تھا اور وہ اپنی حوصلہ مند ملکہ سے، جو مشرق کے پھاٹک یعنی ملکِ مصر کی فرمانروا تھی، فتحِ ہندوستان کے مشورے کیا کرتا ہوگا۔ رہا یہ سوال کہ اُس نے اس منصوبے کا اعلان نہیں کیا، یہ الگ بات ہے۔ نپولین نے بھی ۱۷۹۸ء میں مصر پر حملہ کر کے

ہندوستان کی تسخیر کا ارادہ کیا تھا۔ تو اپنے عزائم مخفی رکھے تھے۔

حقیقت یہ ہے کہ وادیٔ نیل کو ہر زمانے میں مشرق کی کنجی سمجھا گیا ہے۔ یونان اور فرانس کے جہاندیدہ سرداروں نے بارہا اپنے بادشاہوں کو مصر پر قبضہ کرنے کی ترغیب دی ہے۔ نپولین نے اپنی سوانح میں خود لکھا ہے "مصر پر قبضہ کرنے سے میرا مقصد یہ تھا کہ اسی راستے ساٹھ ہزار فوج لے کر ہندوستان پر حملہ کروں"۔ دورِ حاضر میں برطانیہ کو مصر سے محض اس لیے دلچسپی رہی کہ یہ ملک مشرقِ بعید کا پھاٹک ہے۔ یہی اہمیت ایران کو بھی حاصل ہے۔ روس اس تاک میں ہے کہ جس طرح ہو سکے شمالی ایران و افغانستان پر قبضہ کر لے تاکہ مشرق کا راستہ ہموار ہو جائے۔ ان تمام باتوں کے پیشِ نظر یہ فیصلہ درست ہوگا کہ قیامِ مصر کے زمانے میں سیزر نے وقت فضول ضائع نہیں کیا۔ تاجروں کی اطلاعات کے علاوہ اُس کی فراست اُسے مصر کی اہمیت سے آگاہ کر چکی تھی۔ قلوپطرہ کو اپنی رفیقۂ حیات بنا کر وہ مصر پر قبضہ کر چکا تھا۔ اب اُس کی نظریں ایران پر جمی ہوئی تھیں تاکہ ان دونوں برّی اور بحری راستوں پر قبضہ کر کے مشرقِ بعید کی تسخیر کا بندوبست کرے۔ نپولین اعظم کی طرح، جس کے بے پایاں دلی منصوبے کبھی کبھی اُس کی زبان سے اُبل پڑتے تھے، جولیس سیزر بھی دریائے ٹائبر کے کنارے اپنی خوش منظر اقامت گاہ کے صحن میں قلوپطرہ کے ہاتھ میں ہاتھ ڈالے گلگشت کرتا ہوا اس عظیم منصوبے کا خاکہ اُسے سمجھایا کرتا ہوگا!

جولیس سیزر فتح مشرق کا سہانا خواب دیکھ ہی رہا تھا کہ ناگہاں ایک ناخوشگوار واقعہ پیش آیا۔ اُسے خبر ملی کہ متوفّی پومپی اعظم کی پارٹی نے سپین میں بغاوت کا جھنڈا بلند کیا ہے۔ اپنے عظیم منصوبے میں رکاوٹ پڑ جانے سے سیزر بے تاب ہو گیا مگر مجبوراً سپین کا رُخ کیا۔ وہ چاہتا تھا کہ اس غیر حاضری کے دوران میں روم کے اندر کوئی خلفشار پیدا نہ ہو۔ اس لیے چلنے سے پہلے اگلے سال یعنی ۴۵ ق م کے لیے مختارِ مطلق کی حیثیت سے اپنے تقرر کا اعلان کروالیا۔ پورے آمرانہ اختیارات حاصل کرنے کے بعد وہ سپین کو روانہ ہوا۔ راستے میں سے ایک فرمان بھیجا جس کی رو سے روم کا انتظام آٹھ ناظموں کے سپرد کیا گیا تھا۔ یہ ناظم عملی اعتبار سے سیزر کے نائب تھے جنھیں ایوانِ حکومت یا رائے عامہ سے رجوع کرنے کے بجائے خود اپنی رائے سے ملکی معاملات کا انتظام کرنے کا اختیار حاصل تھا۔ اہلِ روم سیزر کی اس چیرہ دستی سے بہت برہم ہوئے مگر سیزر اپنے منصوبوں کی تاخیر سے جھنجلایا ہوا تھا۔ سپین کی مہم سامنے تھی۔ اُسے اپنے مخالفوں کی

برہمی کا احساس ہوتا تو کیونکر۔

۱۷ مارچ ۴۵ ق، م کی صبح کو منڈا کے خونیں میدان میں سیزر کی مڈبھیڑ فوجِ مخالف سے ہوئی۔ متوفی پومپی کے دونوں بیٹے اس فوج کے سردار تھے۔ بڑی خونریز جنگ ہوئی۔ شام کے وقت دشمن کو شکستِ فاش ہوئی۔ اُس کے تیس ہزار سپاہی کام آئے۔ پومپی کا بڑا لڑکا کینس پومپیس، جو چند سال پہلے قلوپطرہ سے شادی کا خواستگار ہوا تھا، اس لڑائی میں کام آیا۔ چھوٹا لڑکا سیکسٹس جان بچاکر بھاگ نکلا۔ سیزر فتح و فیروزی کے جھنڈے اُڑاتا دارالسلطنت روم واپس آیا۔ مئی کے مہینے میں جشنِ فتح منایا مگر اہلِ روم سیزر کی اس حرکت سے بہت بگڑ گئے۔ یہ جنگ خود رومیوں کی دو پارٹیوں میں ہوئی تھی اور اہلِ روم کی رائے میں فتح مند فریق کو اتنا حق ہرگز حاصل نہ تھا کہ خاموش مسرت کے بجائے باقاعدہ جشن منائے۔ وہ خونریز جنگ بقول پلوٹارک، سیزر کے لیے باعثِ مسرت نہیں بلکہ وجہِ ندامت ہونی چاہیے تھی مگر اب سیزر کے دل میں نخوست سما چکی تھی۔ وہ اپنی ذات کو روما الکبریٰ سمجھنے لگا تھا اور اپنے رومی مخالفوں کو غدارانِ وطن سمجھتا تھا۔ جو کچھ کرتا تھوڑا تھا۔

پومپی اعظم کی جماعت کو نیست و نابود کرنے کے بعد سیزر نے ضروری سمجھا کہ اپنے مخالفوں کی کچھ دلجوئی کرے۔ اُس نے پومپی اعظم کے بُت، جو کچھ عرصہ پہلے ہٹا دیے گئے تھے، دوبارہ نصب کرائے۔ پومپی کے ہواخواہوں کو معاف کیا بلکہ بروٹس اور کیشیس کو، جو آگے چل کر اُس کے قاتل بنے، بڑے بڑے عہدے دیے۔ روم کے قوانین میں مناسب اصلاحات کیں اور کچھ عرصے کے لیے اپنی زوجہ کلپورینا کے ساتھ رہ کر خانگی سکون کا لطف اُٹھایا۔ اس عرصے میں وہ حسبِ مرضی قلوپطرہ کی اقامت گاہ پر بھی ہو آتا تھا۔

نوَ

مصری رومی ملوکیّت کی بنیاد

سیزر نے اطمینان سے روم کا نظم و نسق سنبھالا۔ اُس کی حکومت اتنی منظّم ثابت ہوئی کہ عوام نے اُس پر اعزازات کی بارش کر دی۔ وہ دس سال کے لیے روم کا قونصل مقرّر کیا گیا۔ یہ بھی افواہ تھی کہ وہ عمر بھر کے لیے مختارِ مطلق بنا دیا جائے گا۔ سینیٹ کے ارکان عضوِ معطّل کی طرح بے تعلق ہو کر سیزر کے احکام بجا لانے کا آلہ بن کر رہ گئے البتہ بعض ارکان بذلہ سنجی کے انداز میں اپنی بے بسی کا ذکر کرنے سے نہ چوکتے۔ سیزر ایک کار آزمودہ و جہاندیدہ سپہ سالار تھا۔ ارکانِ حکومت اُس کے اشاروں پر چلتے تھے۔ بالکل اُسی طرح جیسے کسی کمپنی کے منتظمین اپنے سفری گماشتے کی ہدایات پر عمل کرتے ہیں۔ ملکی مہمات کے سلسلے میں اُس نے دنیا کا کونا کونا چھان مارا تھا۔ مدتوں باہر رہ چکا تھا۔ قلوپطرہ جیسی ملکہ کے شریک زندگی بننے کے بعد اُس کی نظر اور وسیع ہو گئی تھی۔ وہ دار السلطنت روم کو ایک انتظامی مرکز بلکہ ایک معمولی صدر مقام سمجھتا تھا۔ اُس کے دماغ میں جہانبانی کے منصوبے تھے۔ دوسرے ملکوں کے دار السلطنت اُس کی نگاہ میں خود اپنی ہی حکومت کے مختلف صدر مقام تھے۔ وہ جہاں گیری و جہاں بانی کے منصوبے باندھتا ہوا ایک ایسے بلند و رفیع تختِ شاہی پر چڑھ رہا تھا جس کی بلندی سے وہ روئے زمین کی مفتوحہ قوموں پر نظر رکھ سکے۔

بلاشبہہ سیزر میں اقوامِ عالم پر حکومت کرنے کا جوہر موجود تھا مگر اس کارِ عظیم کو اپنے ذمّے لے کر وہ ایسی ذمّہ داریوں کا بار اٹھانا چاہتا تھا جو انسانی طاقت سے بالاتر تھیں۔ بایں ہمہ خود رائی و خود پسندی کے ہاتھوں وہ کسی کی نصیحت سننے یا یہ تسلیم کرنے کے لیے تیار نہ تھا کہ اب میری گرتی ہوئی صحت جہانبانی کا بار سنبھالنے کے قابل نہیں رہی۔ اُس کے قریبی دوست مثلاً

بلبس اور اوپیس صاف محسوس کر رہے تھے کہ اُس کی خود رائی، تُند خوئی اور اقتدار پرستی بڑھتی چلی جا رہی ہے۔ وہ دُنیا بھر کے ملکوں کی زمامِ حکومت اپنے ہاتھوں میں رکھنا چاہتا تھا۔ یہ حالت تھی کہ ابھی شمالی افریقہ اور کورنتھ میں نو آبادیاں قائم کرنے کے منصوبے باندھتا۔ ابھی ایشیائے کوچک کا بندوبست کرنے لگتا۔ ابھی اٹلی کے معاملات سلجھانے میں محو ہو جاتا۔ کبھی کبھی یہ عالمگیر مسائل اُسے بدحواس کر دیتے اور وہ چلّا اُٹھتا کہ میں اِس دُنیا میں بہت رہ چکا۔ اگر اُس کے دوست اُسے قتل ہو جانے کے خطرے سے متنبہ کرتے تو وہ بیدلی سے کہہ دیتا کہ موت اتنی خوفناک چیز نہیں۔ اُسے اب مرگی کے دَورے زیادہ پڑنے لگے تھے، یہ البتہ ایسا معاملہ تھا جس سے وہ ہر وقت دل شکستہ رہتا تھا۔ احباب اُس کا اُترا ہوا چہرہ دیکھ کر اندازہ کر رہے تھے کہ جہاں بانی کا بار اُس کی صحت کو تباہ کر رہا ہے۔ باایں ہمہ ہوسِ اقتدار اُسے مستعد بنائے رکھتی تھی اور اُس کی خار اشگاف نگاہ اپنے نصب العین یعنی روئے زمین کی بادشاہی پر جمی ہوئی تھی۔

اُن دنوں عموماً لوگوں کا موضوعِ سخن یہی تھا کہ سیزر کو بادشاہ بنا دیا جائے۔ اُن کا خیال تھا کہ سیزر بادشاہ اور قلوپطرہ کو ملکہ بنانا چاہتا ہے۔ علاوہ بریں وہ روم کے بجائے کسی اور شہر کو دارالسلطنت بنانے کا خیال رکھتا ہے۔ کئی اعتبار سے روم اچھا شہر نہ تھا۔ سمندر سے دُور ہونے کے باعث وہ عمدہ تجارتی مرکز نہ تھا۔ آس پاس کی سرزمین بھی زرخیز نہ تھی۔ شہر کی سڑکیں اور گلیاں تنگ تھیں جو اکثر تیز رفتار دریائے ٹائبر کے سیلاب میں ڈوب جاتی تھیں۔ آب و ہوا میں سمّیت تھی۔ مومسن کا بیان ہے کہ قرونِ وسطیٰ میں بار ہا جرمن فوجیں اِس شہر پر حملہ آور ہوئیں مگر سب کی سب اِس کی دیواروں کے نیچے مر کھپ گئیں۔ غرض کچھ بعید نہیں کہ روم کے بجائے کسی اور شہر کو دارالسلطنت بنانے کا منصوبہ سیزر کے دماغ میں ہو۔ اُن دنوں روم تھا بھی کچھ بے ڈھنگا سا۔ پُر پیچ سڑکوں میں قدم قدم پر اُتار چڑھاؤ تھے۔ وہ اتنی تنگ تھیں کہ سیزر کو یہ قانون بنانا پڑا کہ دن کے وقت سڑکوں پر کوئی گاڑی نہ آئے اور بوجھ ڈھونے کا سارا کام آدمیوں یا جانوروں سے لیا جائے۔ عالی شان سرکاری عمارتیں اور امرا کے محلّات اِن سڑکوں اور آس پاس کے ٹوٹے پھوٹے مکانوں کے درمیان ایسے معلوم ہوتے تھے گویا سرو صنوبر کے پودے خودرو گھاس پھوس کے درمیان کھڑے ہیں۔ کیا تعجب ہے کہ سیزر نے اسکندریہ کو دارالسلطنت بنانے کا منصوبہ سوچا ہو جس کے

باغ دِراغ اور وسیع شاہراہیں اُن دنوں جنتِ نگاہ بنی ہوئی تھیں۔

جن اشخاص نے سیزر اور قلوپطرہ کی باہمی زندگی کا مطالعہ کیا ہے وہ ضرور سوچتے ہوں گے کہ اُن دنوں قلوپطرہ کا ذاتی اثر اُس شخص پر کتنا ہوگا جو ہر طرح اُس کا شریکِ زندگی تھا۔ کوئی شخص سیزر کی روح سے اتنا قریب نہ تھا جتنی وہ تھی۔ وہ یقیناً اپنے ملک، اپنی اور سیزر کی ذات اور اپنے مشترکہ بیٹے سیزارین کی فلاح و بہبود سے غافل نہ تھی۔ یہ سوچنا سراسر غلط ہے کہ وہ ان دنوں سیزر سے امورِ مملکت پر مبادلۂ خیالات نہ کرتی ہوگی۔ وہ سخت جاہ پرست حوصلہ مند عورت تھی اور آگے چل کر اُس نے ثابت کر دیا کہ حکومتوں اور فوجوں سے کھیلنا اُس کے لیے اتنا ہی معمولی مشغلہ ہے جیسے ایک خاتون اپنے خانگی امور یا ملازموں کا بندوبست کرتی ہے۔ بظاہر صورتِ حال یہ ہے کہ سیزر بہت جلد قتل ہو گیا اور قلوپطرہ کو روم سے نکلنا پڑا۔ اس کے بعد وہ انطونی کی شریکِ زندگی بن گئی مگر تھوڑے ہی عرصے میں دونوں کا خاتمہ ہو گیا۔ اس طرح اگرچہ بظاہر جمہوریۂ روم پر قلوپطرہ نے نمایاں اثرات نہیں چھوڑے مگر جاننے والے جانتے ہیں کہ اُس کی بے پناہ اور دلآویز شخصیت اُس دَور کی سیاسیات پر یقیناً اثر انداز ہوئی ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ قلوپطرہ کی عظیم شخصیت اُن دنوں بھی سیاسیاتِ حاضرہ پر اپنا نقش جما رہی تھی۔ آگے چل کر معرکۂ ایکشیم میں اُس کی شخصیت اور نمایاں ہو گئی لیکن اُس کی ذات بجائے خود اتنی اثر انگیز ہے کہ اگر یہ واقعہ نہ ہوتا تو بھی اُس دَور کی تاریخ میں اُس کا نام نمایاں رہتا۔ قصرِ اسکندریہ میں اُس کا سیزر کے ساتھ رہنا، اسکندریہ کے معرکے، سیزر کے قتل کے بعد انطونی سے اُس کی تباہ کن آشنائی اور معرکۂ ایکشیم وغیرہ ایسے نمایاں واقعات ہیں کہ مؤرخ کی نظر اُن پر مرکوز ہو کر رہ جاتی ہے اُسے یہ سوچنے کا موقع ہی نہیں ملتا کہ جن دنوں وہ دریائے ٹائبر کے کنارے سیزر کے محل میں مقیم تھی وہ مقامی سیاسیات پر کیا اثر ڈال رہی تھی۔ بایں ہمہ فریرو اُن دنوں کے واقعات پر بحث کرتا ہوا سرسری اشارہ کر کے لکھتا ہے:

"جمہوریۂ روم کی تباہی میں ملکۂ مصر کا حصہ بہت عجیب اور نہایت اہم ہے۔ وہ چاہتی تھی کہ سیزر کی ملکہ بن جائے اور اُسے امید تھی کہ وہ سیزر کے سینے میں ملوکیت کی آرزو مشتعل کر سکے گی۔"

غرض کوئی سمجھدار شخص یہ ماننے کو تیار نہیں ہو سکتا کہ قلوپطرہ جیسی ذی جاہ ملکہ جو سیزر کے انتہائی عروج کے وقت اُس کی ہمدم و ہمراز تھی، روم کی سیاسیات پر اثر ڈالنے سے باز رہی ہو گی۔ قلوپطرہ کے خاندان میں بادشاہی موروثی تھی۔ وہ روم آئی تو یہاں ملوکیت کے بجائے جمہوریت دیکھی۔ اہلِ روم اپنے پرانے بادشاہوں کو بھول بھال چکے تھے اور ملوکیت اُن کے خواب و خیال میں بھی نہ تھی۔ اُن کے تصوّرات نے قلوپطرہ کے ملوکانہ خیالات میں تھوڑا بہت اعتدال ضرور پیدا کیا ہو گا مگر یہ کیونکر ممکن ہے کہ وہ اپنی موروثی بادشاہی کی روایات سراسر بھول گئی ہو۔ اُس کی پرورش ایسے ماحول میں ہوئی تھی کہ مطلق العنان حکومت کا جذبہ اُس کے سینے میں ہر وقت مشتعل رہتا تھا۔ سیزر اپنے وقت کا خاصا حصہ اُس کی صحبت میں گزارتا تھا اور اُس کے لیے ممکن ہی نہ تھا کہ اس ذی شان ملکہ کے خیالات سے متاثر نہ ہو۔ اگرچہ سیزر جاہ پرست تھا اور روز بروز عروج و عظمت کی بلندیوں پر چڑھ رہا تھا مگر یہ خیالات اور اُس کی جاہ و طلب طبیعت اُسے ملوکیت کی ترغیب دینے میں ہرگز کامیاب نہ ہوتے۔ یہ قلوپطرہ کی ملوکیت پرست طبیعت تھی جس نے سیزر کے دل میں بادشاہ اور دیوتا بننے کا جذبہ بھڑکا دیا۔

اپنی زندگی کے آخری دس مہینوں میں یعنی معرکہ سپین کے بعد سے واقعۂ قتل تک (جو مارچ ۴۴ ق، م میں ہوا) سیزر بادشاہی منصوبوں کی تکمیل کرتا رہا۔ اوّل اوّل اُس کا خیال تھا کہ ایران کی مہم سر کرنے کے بعد تاجِ شاہی سر پر رکھے مگر ابھی اس مہم کی تیاریوں میں خاصی دیر تھی۔ سیزر کی بے قرار طبیعت اس تاخیر کا تحمّل کہاں تک کرتی۔ علاوہ بریں یہ پیش گوئی بھی مشہور تھی کہ ایران کی سلطنت ایک رومی بادشاہ کے ہاتھ سے ختم ہو گی۔ سیزر اتنا ضعیف الاعتقاد تو نہ تھا کہ پیش گوئیوں کو سچ سمجھتا مگر اپنی تجاویز پوری کرنے کی تمنا اُس کے دل کو بے تاب کر رہی تھی۔ وہ روز بروز اپنی شان و شوکت اور ذاتی اختیارات میں شاہانہ طمطراق اور ملوکانہ انداز پیدا کر رہا تھا۔

جلد ہی سیزر نے اپنے لیے کمانڈر انچیف کا عہدہ منظور کرا لیا۔ سینٹ نے یہ بھی منظور کر لیا کہ یہ عہدہ اُس کی نسل میں موروثی ہو گا۔ اگرچہ اس منصب کو بادشاہی سے کوئی نسبت نہ تھی مگر اس کے موروثی ہونے کی شرط بڑی اہمیت رکھتی تھی۔ ارکانِ حکومت خوب جانتے ہوں گے کہ سیزر کے بعد یہ عہدہ اُس لڑکے کو ملے گا جو آج کل دریائے ٹائبر کے کنارے

سیزر کے دیہاتی قصر میں پرورش پا رہا ہے۔ ہر شخص جانتا تھا کہ عنقریب سیزر اور قلوپطرہ کی باقاعدہ شادی کا اعلان ہونے والا ہے۔ بظاہر یہ صورتِ حال عجیب تھی کہ روم کے ارکانِ حکومت 'کمانڈر انچیف' جیسے منصب کو موروثی کر کے اُس لڑکے کو اِس کا مستحق بنا رہے تھے جو آگے چل کر مصر کا بادشاہ بننے والا تھا، پھر بھی ان باتوں سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ اہلِ روم قلوپطرہ کو غیر ملکی یا مشرقی ملکہ نہیں سمجھتے تھے۔ معاصر مورخ لاکھ کہیں کہ قلوپطرہ غیر ملکی خاتون تھی مگر واقعات شاہد ہیں کہ اہلِ روم اُسے یونانی نسل کی ملکہ سمجھتے تھے جس کا دارالسلطنت اسکندریہ شان و شوکت' تموّل اور تہذیب میں ہر لحاظ سے روم کا حریف تھا۔ ایک افواہ یہ بھی تھی کہ روم کے جج ایک ایسا قانون بنانے والے ہیں جس کے رُو سے سیزر، کلپورنیا اور قلوپطرہ دونوں کو بیک وقت بیوی کی حیثیت سے رکھ سکے گا۔

اہلِ روم کو خوب اندازہ تھا کہ سیزر عنقریب اُن کا بادشاہ بننے والا ہے۔ وہ سیزر آرین کو اُس کا وارث سمجھتے تھے اور اُن کا تصوّر یہ تھا کہ قلوپطرہ سے شادی کر کے سیزر پُرامن طریقے سے مصر کو روم کے ممالکِ محروسہ میں شامل کر لے گا۔ اِس طرح سیزر اور اُس کی نسل اُس قدیم شاندار حکومت کی بھی وارث ہو گی جو اب تک روم کے تسلّط سے آزاد تھی اور جس کی تہذیب' دولت' وسائل و ذرائع رومی حکومت میں قابلِ قدر اضافہ ہوں گے۔ بے شک سیزر کے مرنے کے بعد جب قلوپطرہ انطونی کی رفیقۂ حیات بن گئی تو اہلِ روم اُس کے دشمن ہو گئے مگر سیزر کی زندگی میں وہ اُسے اپنے فرمانروا کی ملکہ اور اُس کے بیٹے سیزر آرین کی والدہ سمجھتے تھے —— وہی شیر خوار سیزر آرین جو آگے چل کر اپنے باپ کے عہدے اور اعزازات کا وارث بننے والا تھا۔

انھیں دنوں ایک ایسا واقعہ پیش آیا کہ یہ شیر خوار بچہ مصر کا بادشاہ بن گیا۔ شہزادہ بطلیموس یازدہم یعنی قلوپطرہ کا چھوٹا بھائی یکایک صفحۂ ہستی سے محو ہو گیا۔ ان ہنگامہ خیز ایّام میں اُس کا وجود سایے کی طرح نظر آتا تھا اور سایے کی طرح غائب ہو گیا۔ کچھ معلوم نہیں کہ وہ اپنی موت مرا یا قلوپطرہ اور سیزر نے اپنی مصلحتوں کے پیشِ نظر اُسے قتل کرا دیا۔ البتہ جوزیفس کا بیان ہے کہ قلوپطرہ نے اُسے زہر دے کر مار ڈالا[1]۔ اس قسم کے الزامات قدرتی ہیں۔ اگر شہزادہ کسی

---

[1] پورفائرا جو کئی صدی بعد کا مورخ ہے۔ لکھتا ہے کہ شہزادہ بطلیموس کی موت میں قلوپطرہ کا ہاتھ تھا۔ مگر اُس کا

بقیہ حاشیہ ۱۱۳ پر

بیماری میں مبتلا ہو کر ناگہانی موت کا شکار ہؤا ہو تو بھی کہنے والے یہی کہیں گے۔ غرض قلوپطرہ کو نوجوان شہزادے کا قاتل ٹھہرانا قرینِ انصاف نہیں۔ اگرچہ یہ بھی بعید نہیں کہ قلوپطرہ نے اپنی مصلحتوں کے لیے اس فعلِ قبیح کا ارتکاب کیا ہو پھر بھی بغیر کسی ثبوت کے اُسے قاتل ٹھہرانا مناسب نہیں۔

انھیں دنوں سیزر نے اپنا بت بنوا کر ایوانِ حکومت میں نصب کرا دیا۔ اس سے پہلے سات قدیم بادشاہوں کے مجسمے وہاں نصب تھے۔ یہ مجسمہ آٹھواں تھا۔ اُس نے منقش کشیدہ کاری کی پوشاک بھی پہننی شروع کر دی جو شاہانِ البا کا دستور رہا تھا۔ رومی سکوں پر شاہی انداز میں سیزر کے چہرے کا ٹھپا لگنے لگا۔ ایوانِ حکومت میں وہ شاہی تخت پر بیٹھتا۔ ہاتھ میں ہاتھی دانت کا عصا، سر پر تاج نما زریں ٹوپی۔ سرکاری تقریبوں میں وہ شاہانِ مصر کی طرح ایک مقدس رتھ میں سوار ہو کر نکلتا۔ گرد و پیش ارکانِ حکومت اور امرا کا باڈی گارڈ ہوتا۔ از روئے قانون اُسے یہ حق بھی عطا ہو چکا تھا کہ سکندرِ اعظم کی طرح، جو اسکندریہ کی شہر پناہ کے اندر دفن ہؤا تھا، اُسے بھی روم کے اندر دفن کیا جائے گا۔ کمانڈر انچیف کا عہدہ نسلاً بعد نسلٍ اُسے مل ہی چکا تھا۔ مختارِ مطلق کا عہدہ اُسے ملنے والا تھا۔ غرض تمام شاہی لوازم تیار ہو چکے تھے اور بادشاہی کے خواب کی تعبیر ملنے والی تھی۔

اُن دِنوں سیزر اور قلوپطرہ کی زندگی ارمانوں اور ولولوں سے بھری ہوئی تھی۔ عوام میں طرح طرح کی چہ میگوئیاں ہوتی تھیں۔ سیزر کو سسرو نے ایک طولانی خط لکھا جس میں اُسے سمجھایا کہ بادشاہی ہرگز قبول نہ کرنا۔ مگر بعد ازاں دوستوں نے اُسے سمجھایا کہ ایسا خط بھیجنا مناسب نہیں کوشش کوٹا ایک سابق قونصل نے یہ شوشہ چھوڑا کہ سیزر کو اٹلی سے باہر تمام بیرونی مقبوضات کا بادشاہ بنا دیا جائے۔ مگر اس تجویز کی چنداں تائید نہ ہوئی۔ خود سیزر بھی مذبذب تھا کہ شاہی کا عہدہ ابھی قبول کرے یا اُسے ایرانی مہم کے خاتمے تک ملتوی رکھے۔ بہت غور و خوض کیا مگر کچھ طے نہ کر سکا۔

سیزر کو اب چنداں ضرورت نہ تھی کہ اپنے عزائم احتیاط سے مخفی رکھے۔ تمہیداً اُس نے یہ

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۱۲) یہ بیان جوزیفس کے بیان پر مبنی ہے۔ ان بیانات سے اور پروفیسر مہیفی کی یادداشتوں سے مستفاد ہوتا ہے کہ شہزادے کی موت قلوپطرہ کے آٹھویں یا نویں سالِ جلوس میں واقع ہوئی۔

اعلان کرہی دیا کہ میں اپنے آپ کو مقدس وملکوتی سمجھتا ہوں چنانچہ اپنا ایک مجسمہ دیوتاؤں کے مجسموں کے درمیان بھی رکھوا دیا۔ اُس نے مشتری کے نام پر ایک مندر تعمیر کرایا۔ قیرینس کے مندر میں بھی اپنا ایک مجسمہ نصب کرایا جس پر "غیر فانی دیوتا" کندہ تھا۔ روم کے بڑے بڑے مندروں میں اُس کی نشست گاہ مقرر ہوگئی۔ فراعنۂ مصر کی طرح اُس کے لیے بھی پروہتوں کی ایک جماعت مقرر ہوئی جو اُس کے مجسّے کا احترام کرنے کے لیے وقف تھی سیاسی حلف ناموں میں جہاں دیوتاؤں کا نام لے کر قسم کھائی جاتی تھی وہاں شاہانِ مصر کے دستور کے مطابق سیزر کا نام بھی شامل کرلیا گیا۔ بقول مومسن اہلِ روم کا مذہب سیزر کی اجارہ داری بن کر رہ گیا تھا۔ یہ کہنا غلط نہ ہوگا کہ اُن دنوں از روئے مذہب سیزر کو دیوتا سمجھا جانے لگا۔

۴۴ق،م کے آغاز میں لوگوں کو قطعاً یقین ہوگیا کہ سیزر بادشاہ بننا چاہتا ہے۔ اب صرف یہ سوال باقی تھا کہ شاہی کا اعلان ایرانی مہم شروع کرنے سے پہلے کیا جائے یا اُس کے خاتمے پر۔ آغازِ فروری میں اُسے زندگی بھر کے لیے مختارِ مطلق یا آمر کا پُرجلال عہدہ عطا کر دیا گیا۔ کمانڈر انچیف کا موروثی عہدہ پہلے ہی مل چکا تھا۔ اب شاہی میں بس تھوڑی سی کسر رہ گئی تھی۔ ایک خیال یہ بھی ہے کہ شاہانِ روم کا لباس، عصا اور دیگر شاہی ساز و سامان سنبھال لینے کے باوجود سیزر "بادشاہ" کا لقب اختیار کرنے کے لیے تیار نہ تھا۔ ظنِ غالب یہ ہے کہ وہ کوئی نیا خطاب اختیار کرنا چاہتا تھا۔ اِنھیں دنوں اُس نے ایک موقع پر کہا "میں بادشاہ نہیں بلکہ سیزر ہوں" یعنی لفظ سیزر جیسا کہ آج کل بھی اس لفظ (قیصر) سے مترشح ہوتا ہے بادشاہ کے خطاب سے ارفع و اعلیٰ ہے۔

اِن دنوں سیزر کی روز افزوں خود پسندی نمایاں ہوتی جا رہی تھی۔ ہوسِ اقتدار اتنی بڑھ گئی کہ روئے زمین کا طول و عرض اُس کے لیے تنگ ہو چلا تھا۔ جاہ طلبی کا یہ حال تھا کہ جب ایک مرتبہ ججوں کی نشست گاہ کے سامنے سے گزرا اور ایک جج پونٹس اکیلہ اُس کی تعظیم کو نہ اُٹھا تو اُسے خوب جھاڑا۔ بعد ازآں اکثر دورانِ تقریر میں اُس پر طنز کیا کرتا۔ اُس کے برعکس جب ایک مرتبہ ارکانِ حکومت اعزازات پیش کرنے کے لیے اُس کے پاس آئے تو ان کی تعظیم کے لیے اپنی جگہ اُٹھنا گوارا نہ کیا۔ اکثر ایسا ہوتا کہ قریب ترین دوست ملنے آتے اور وہ اُنھیں گھنٹوں تک برابر کے کمرے میں منتظر رکھتا۔ سسرو کو اِس امر کی خاص شکایت ہے۔ اگر کوئی شخص اُس کے

اختیارات پر نکتہ چینی کرتا تو وہ آپے سے باہر ہو جاتا اور انتہائی غیظ و غضب میں قسمیں کھانے لگتا۔ ٹائی ٹس امبیلیس کا بیان ہے کہ ایک بار اُس نے یہاں تک کہہ دیا۔ "لوگوں کو لازم ہے کہ میرے منہ سے نکلے ہوئے الفاظ کو قانون تصور کریں" روم میں ایسے دلیر بہت کم تھے جو اُسے ٹوک دینے کی ہمت رکھتے ہوں۔ جو ایسا کرتے سخت نقصان اٹھاتے۔ ایک مرتبہ کسی ہوا خواہ نے سیزر کے مجسمے سر پر شاہی تاج رکھ دیا۔ شہر کے دو ججوں نے اندروئے قانون اُس شخص کو قید کر دیا اور تاج اُٹھوا دیا۔ سیزر نے اسے اپنی توہین سمجھا اور اُن ججوں سے بدلا لینے کی فکر میں رہا۔ ایک روز جب اُس کا جلوس بازار سے گزر رہا تھا تو کسی شخص نے سیزر کو بادشاہ سلامت کہہ کر سلام کیا۔ وہی دونوں جج موجود تھے کہ انھوں نے اُس شخص کو گرفتار کر کے جیل بھیج دیا۔ سیزر کو تاب ضبط نہ رہی۔ وہیں ایک ہنگامہ برپا کر دیا اور دونوں ججوں کو اُن کے عہدے سے معزول کرا کے دم لیا۔

سیزر کے اس رویے کا اثر قلوپطرہ پر بھی پڑ رہا تھا۔ بعض اوقات اہل دربار قلوپطرہ کی بد دماغی سے آزردہ ہو جاتے تھے۔ اُس کے مصری اُمرا اور ارکان دولت اپنی خود پسندی کو دبانے سے قاصر تھے اور اکثر رومی امرا اُن سے کبیدہ خاطر ہو جاتے تھے۔ سیزر کے دوستوں کو ان مصری حشم و خدم سے نفرت سی ہو چلی تھی۔ قلوپطرہ سسرو پر مہربان تھی مگر سسرو اپنے دوست ایٹی کس کو خط لکھتے ہوئے اپنی کراہت کا اظہار ان لفظوں میں کرتا ہے:

"مجھے ملکہ اور ملکہ کے انعامات سے نفرت ہے۔ یقین مانو میں ایسا کرنے میں حق بجانب ہوں اگرچہ ملکہ نے مجھے جو انعامات دینے کا وعدہ کیا ہے وہ میری حیثیت اور مرتبے کے شایاں ہیں۔ صارافیون (ایک مصری امیر) بے اصول اور کمینہ ہے وہ ایک بار میرے گھر آیا تھا۔ میں نے اخلاقاً پوچھا کہ کوئی خدمت میرے لائق ہو تو کہیے۔ بولا کہ میں تو یہاں آپ کے دوست ایٹی کس سے ملنے کی امید میں آیا تھا۔ خود ملکہ کی صحبت میں بھی مجھے کوفت کے سوا کچھ نہیں ملتا۔ میں نے طے کر لیا ہے کہ ان مصری لوگوں سے کوئی تعلق نہ رکھوں گا۔"

ان دنوں لوگوں کو سیزر سے بددلی پیدا ہو گئی تھی۔ جس کے نتیجے میں وہ قلوپطرہ سے بھی نفرت کرنے لگے۔ مگر اس بددلی کا اصلی سبب رشک و حسد تھا۔ سیزر نے ہر بات میں مصر کی تقلید

شروع کر دی تھی۔ اُس کے احباب دیکھ رہے تھے کہ وہ بطلیموسی خاندان کی طرح بادشاہ اور دیوتا بننے کا آرزومند ہے۔ اپنے اکثر منصوبوں کی تکمیل مصری امرا کے حوالے کرتا ہے۔ تقویم میں اصلاح کے لیے مصری ہیئت دانوں کی جماعت بلائی گئی ہے۔ ٹکسال کی ترمیم کے لیے مصری سکّہ ساز طلب کیے جا رہے ہیں۔ محکمۂ مال مصری عہدہ داروں کے ہاتھ میں ہے۔ زہرہ مندر کا افتتاح کرتے وقت جو بحری مشقیں کرائی گئی تھیں اُن میں سراسر اہل مصر نے کام کیا تھا۔ یہ بھی افواہ تھی کہ روم کے بجائے اسکندریہ کو دارالسلطنت بنایا جائے گا۔ ان تمام باتوں نے اہل روم کے دلوں میں آگ لگا رکھی تھی۔ اگرچہ ان سب باتوں سے سیزر کا مدعا صرف یہ تھا کہ رومی اور مصری ایک دوسرے سے شیر و شکر ہو جائیں تاکہ جہانبانی کے منصوبوں میں دونوں قوموں کی ہم آہنگی مفید نتائج پیدا کر سکے۔

لاریب سیزر عظیم دماغی صلاحیتوں کا مالک تھا۔ وہ ہر روز سینیٹ میں ایک نئی تجویز، نیا منصوبہ پیش کرتا۔ ہر روز کسی نہ کسی قانون کی ترمیم ہوتی۔ ایک مرتبہ اُس نے یہ تجویز پیش کی کہ دریائے ٹائبر کا رُخ پھیر کر اُس کی گزرگاہ بدل دی جائے۔ ایک بار خاکنائے کورنتھ میں نہر کاٹ کر دونوں سمندروں کو ملانے کی تجویز پیش کی۔ ایک بار کوہ ایپی نائن پر سڑک بنانے کا خاکہ تیار کیا۔ ایک دفعہ اوشیا کی بندرگاہ تعمیر کرنے کا ارادہ کیا۔ روم میں متعدد لائبریریاں قائم کرنے کی تجویز سنائی۔ روم اور اسکندریہ میں مزید سرکاری عمارتیں تیار ہو رہی تھیں، اُن کے نقشے اُس کے ملاحظے کے لیے آتے۔ مگر ان تمام منصوبوں سے عظیم تر ایران کی مہم تھی جس کے بندوبست پر اُس کی توجّہ مرکوز تھی۔ اُسے یقین تھا کہ یہ مہم تین چار سال لے گی اس لیے ایک قانون کے ذریعے سے آئندہ تین سال تک کے لیے نئے عمّال، مجسٹریٹوں اور عہدہ داروں کا تقرّر کر دیا۔ اس دور دراز کی مہم میں دارالسلطنت سے باقاعدہ رابطہ رکھنا غیر ممکن تھا اس لیے سیزر نے ضروری سمجھا کہ روانگی سے پہلے ایسا بندوبست کر دے کہ بعد میں کوئی بدنظمی نہ پیدا ہو۔

اِن عظیم تیاریوں سے یہ اندازہ کرنا آسان ہے کہ سیزر کے پیشِ نظر صرف ایران کی فتح نہ تھی۔ کسی ملک کا فتح کرنا اُس کے لیے صرف چند ہفتے یا چند ماہ کا کام تھا۔ ایک مہم کی فتح کے بعد اپنے دوست کو اُس کی اطلاع دیتے ہوئے یہ مختصر عبارت لکھنا کہ "آیا، دیکھا، شکست دی" اُس کی

تیز دستی اور خود اعتمادی کا بیّن ثبوت ہے۔ تین سال تک کی تیاریوں کا صاف مطلب یہ تھا کہ وہ سکندرِ اعظم کی طرح ایران سے گزر کر ہندوستان اور مشرق کے تمام ممالک فتح کرنے اور اُن کی دولت سمیٹنے کا ارادہ رکھتا تھا۔ اُس کے ذہن میں یہ خوش آئند تصوّر تھا کہ تین سال بعد مُلک مُلک کی دولت سمیٹے ہوئے روم میں قدم رکھوں گا۔ عوام جوشِ مسرت مجھے فاتحِ مشرق کا خطاب دیں گے اور یک زبان ہو کر کہیں گے کہ ہاں یہ بہادر تختِ شاہی کا حقدار ہے۔

چند ہفتے اِسی طرح گزر گئے۔ اگرچہ سیزر کی دلی تمنّائیں لوگوں کو معلوم تھیں مگر وہ چند مصلحتوں کے پیشِ نظر بادشاہی کا لقب اختیار کرنا خلافِ احتیاط سمجھتا تھا۔ ایران کی مہم سامنے تھی۔ سوچتا تھا کہ اگر روانگی سے پہلے بادشاہی کا اعلان کر دوں تو میری غیر موجودگی میں دشمن کیا جانے کیا کیا فتنے اُٹھائیں گے۔ پلوٹارک کا بیان ہے کہ یہی تمنّا سیزر کی تباہی کا سبب بنی۔ اُس کے پوشیدہ دشمنوں نے اِسی بات کو ہوا دے دے کر لوگوں کو اِس سے برگشتہ کر دیا۔ ابھی چند ہفتے پہلے جب وہ سینیٹ کے ارکان کے اعزاز میں کھڑا نہیں ہوا تھا تو بڑی لے دے ہوئی تھی اور سیزر نے یہ کہہ کر پیچھا چھڑایا تھا کہ اُس وقت مجھے دورہ پڑ رہا تھا۔ یہ افواہ بھی پھیلائی گئی کہ سیزر تو اُٹھنا چاہتا تھا مگر بلبس نے اُسے یہ کہہ کر روک دیا کہ یہ اعزاز تو تمھارا حق ہے۔ اُٹھنے اور تعظیم دینے کی کیا ضرورت ہے۔ یہ بھی مشہور کیا گیا کہ جب سیزر کو عوام کی ناراضی کا احساس ہوا تو اُس نے گردن جھکا کر دوستوں سے کہہ دیا کہ اگر عوام مجھ سے ناخوش ہیں تو میں اپنا گلا کٹوا دینے کے لیے تیار ہوں۔

اِن واقعات سے صاف ظاہر ہے کہ بادشاہی کا اعلان کرنے کے لیے ابھی فضا سازگار نہ تھی یہی وجہ تھی کہ سیزر نے اِس اِرادے کو ملتوی کر دینے کا خیال کیا اُس کے دوش بدوش بعض وجوہ تھیں کہ اگر وہ ایران کی طرف کوچ کرنے سے پہلے شاہی کا اعلان کر دیتا تو مناسب تھا بالخصوص اگر عوام خود اُسے شاہی تاج پہنانے کا اصرار کرتے تا سے قلوپطرہ کے معاملے میں خاص اضطراب تھا۔ وہ اُس کے لیے ایک موزوں رفیقۂ حیات اور اُس کے بیٹے کی والدہ تھی۔ سوچتا تھا کہ اگر ایران روانہ ہونے سے پہلے اپنے بادشاہ ہونے اور قلوپطرہ کو ملکہ بنانے کا اعلان کر دوں تو معلوم نہیں کہ میری سہ سالہ غیر حاضری کے دوران میں قلوپطرہ امورِ مملکت کو سنبھال سکے گی یا نہیں۔ روم میں اور کوئی خاتون اِس پائے کی نہ تھی جو اُس کی ملکہ بن کر قلوپطرہ کی طرح سیزر کے شاہی خاندان کی بنیاد رکھ سکے غرض

اِن حالات میں یہی ہو سکتا تھا کہ سیزر قلوپطرہ کو مصر بھیج دے تاکہ اُس کی غیر حاضری میں وہاں رہے اور اُس کی واپسی پر پھر روم آجائے تاکہ سیزر اپنی بادشاہی اور اُس کے ملکہ ہونے کا بیک وقت اعلان کر سکے۔ رہی کلپورنیا بے شک وہ سیزر کی منکوحہ بیوی تھی مگر بانجھ ہونے کے سبب اُس کے مقاصد کی تکمیل نہ کر سکتی تھی۔ اُسے راستے سے ہٹانے کا سہل طریقہ یہ تھا کہ ایک روز اُس کی سخت علالت کا اعلان کر کے کچھ دنوں بعد اُس کے مرنے کی خبر سنادی جائے۔ کسے خبر ہوگی کہ اِس بیماری اور موت کی تہ میں سیزر کی عیاری اور زہر فروش کا ہاتھ ہے!

روانگی سے پہلے سیزر نے اپنے وصیت نامے کا اعلان کیا اور مہر توثیق لگادی۔ وصیت نامے کی عبارت سے صاف ظاہر تھا کہ وہ بادشاہی کے ساتھ قلوپطرہ کو اپنی ملکہ اور سیزارین کو ولی عہد بنانے کا بھی آرزومند تھا۔ از روئے قانون کمانڈر انچیف کا عہدہ سیزر کے مرنے کے بعد ننھے سیزارین کو ملنا ہی تھا۔ مگر سیزر کی تمنائیں اس پر قناعت کرنے کے لیے تیار نہ تھیں۔ اس وصیت نامے کے رُو سے سیزر کی موت واقع ہونے کی صورت میں اُس کی املاک و جائداد کا کچھ حصہ عوام کے لیے اور باقی اُس کے اعزّہ و اقربا کے لیے وقف کیا گیا تھا جس میں اُس کے بھانجے آکٹیوین کا خاصا حصہ نکلتا تھا۔ ایک شق یہ بھی تھی کہ اگر ایران کی مہم پر روانگی کے بعد کلپورنیا کے اولاد ہو تو فلاں فلاں اشخاص میرے بچے کے نگراں ہوں گے مگر خود سیزر کے نزدیک یہ امکان اِتنا ضعیف تھا کہ اُس کے مصارف وغیرہ کا کوئی انتظام نہ کیا۔ سیزارین کے لیے کسی بندوبست کی ضرورت ہی نہ تھی کیونکہ قلوپطرہ خاصی دولت مند تھی۔ یوں بھی بادشاہ بنے بغیر قلوپطرہ یا سیزارین کے متعلق کوئی وصیت کرنا لاحاصل تھا۔ اگر وہ مختارِ مطلق کی حیثیت سے ایران یا ہندوستان کی مہم میں مرجاتا تو قلوپطرہ کو ملکہ اور سیزارین کو ولی عہد بنانے اور ایک شاہی خاندان کی داغ بیل ڈالنے کی تمنائیں خوابِ پریشاں ہو کر رہ جاتیں۔ البتہ اگر روانگی سے پہلے عوام سیزر کو تاجِ شاہی پہنا دیتے تو وہ اِس وصیت نامے کو منسوخ کر دیتا۔ عوام میں تو یہ بھی مشہور تھا کہ سیزر نے اِس وصیت نامے کے علاوہ ایک اور وصیت نامہ الگ تیار کر رکھا ہے جس کا اعلان تاج پوشی کے بعد کیا جائے گا۔

دراصل سیزر کو اپنے منصوبوں کے سوا کسی اور چیز سے دلی لگاؤ نہ تھا۔ اُسے قلوپطرہ سے جو محبت تھی وہ صرف اِس لیے کہ وہ اُس کے مقاصد کا بہترین آلۂ کار تھی۔ اگر وہ ایران کی مہم میں

مارا جاتا تو اُسے مرتے وقت یہ خیال تک نہ
محبت کے جو پچھلے کبھی کے ختم ہو چکے تھے۔ یہ صحیح
کا اثر قبول کرتا تھا مگر واقعہ یہی ہے کہ سیزر قلوپطرہ
ایک موزوں ملکہ سمجھ کر چاہتا تھا جو اُس کا شاہی
تھی۔ اُس کے برعکس قلوپطرہ کی محبت میں کوئی تغیر واقع
دیکھتی تھی جس سے کوئی محبت بھری جوان عورت اپنے
اِن دِنوں سیزر کی صحت گر چکی تھی۔ نوادر کے عجائب اُس کی جو تصویر آج تک محفوظ ہے اُس سے لاغری و اضمحلال کے آثار نمایاں ہیں۔ عمر ابھی ساٹھ سال سے کم ہی تھی مگر چہرے کی دلکشی ختم ہو چکی تھی۔ مسلسل محنت اور بیماری کی شدت نے اُس کے دُبلے پتلے جسم کو چُور چُور کر دیا تھا۔ یہ اُس کی بے قرار روح اور پُرجوش طبیعت تھی جو اُسے اپنے فرائض و عزائم پورے کرنے کے لیے اڑائے پھرتی تھی۔ قلوپطرہ کو اُس کی گرتی ہوئی صحت کے خیال سے سخت تشویش تھی۔ سوچتی تھی کہ خدا جانے سیزر کی صحت اِس مہم کی سختیوں کا تحمل کر سکے گی یا نہیں۔ وہ اُس کی امیدوں کا مرکز تھا۔ یہ تصور کہ سیزر کی بادشاہی کا منصوبہ تین چار سال کے لیے ملتوی ہوا جا رہا ہے اُس کے لیے سوہانِ روح بن گیا تھا۔ وہ خود بھی سمجھتی تھی کہ سیزر کا اس وقت بادشاہ بن کر تین چار سال کے لیے باہر نکل جانا سراسر خلافِ مصلحت ہے۔ روم کے عوام اُس کی جاہ طلبی کے خلاف اور دشمن نئے شگوفے کھلانے کی فکر میں ہیں۔ کلپورنیا کا وجود بھی سدِ سکندری کی طرح حائل ہے۔
مگر تمنا ـــــ بیتاب تمنا اِن دلائل کو سننے کے لیے تیار نہ تھی۔ یہ آرزو قلوپطرہ کا حاصلِ حیات تھی۔ اُس نے پچھلے تین سال اِسی تمنا کا تانا بانا بُننے میں بسر کیے تھے کہ سیزر بادشاہ بن جائے، وہ اُس کی ملکہ کہلائے اور اِس طرح اپنے بیٹے کے لیے نصف دنیا کا تختِ حکومت یا کم از کم مصر کا تختِ شاہی محفوظ کر لے، ورنہ ظاہر تھا کہ اگر حالات نے پلٹا کھایا تو مصری حکومت بھی رومی مقبوضات کی بڑھتی ہوئی لہروں کا لقمہ بن جائے گی۔

مگر سیزر کا تذبذب بھی بے جا نہ تھا۔ بقولِ سسرو وہ ایک مدت سے اپنے عزائم کی تیاریاں کر رہا تھا۔ بادشاہی کے منصوبے کی تکمیل کے لیے اُس نے سیکڑوں خطرے مول لیے اور ہزاروں جتن

س نا، دشمنوں سے فیاضی کے مظاہرے، عوام کے لیے کھیل
ۓ ت مہیا کرنا، بائیس بائیس ہزار رومیوں کو بیک وقت دستر خوان پر کھانا
ت، رشوت، نمائشیں، سرکاری عمارات کی تعمیر، غرض کون سی تدبیر تھی جو سیزر نے
دل موہنے کے لیے نہ کی تھی۔ اب اُس کا مقصد حاصل ہونے میں بس ایک مرحلہ باقی تھا۔
جلدی کرنے اور قبل از وقت عوام کے سر پر بادشاہ بن کر مسلّط ہو جانے میں کوئی خوبی نہ تھی۔ وہ اُس لمحے کا تصور کر رہا تھا جب تین سال بعد مشرقی ممالک کی تسخیر کا اعزاز سنبھالنے ایران و ہندوستان کی دولت سمیٹے اور پُراسرار مشرق کے بادشاہوں کو پابجولاں اپنی جلو میں لیے روم میں داخل ہو گا۔ عوام جوشِ مسرت میں تالیاں بجا بجا کر فاتح مشرق کا استقبال کریں گے اور اپنی شکر گزاری کا اظہار کرنے کے لیے اُسے بدست تختِ شاہی پر بٹھا دیں گے۔ یہ سب صحیح مگر قلوپطرہ کو اس صبر آزما تاخیر کی تاب نہ تھی۔ اُس نے سیزر اور انطونی کی مدد سے، جو اُن دنوں سیزر کا دستِ راست تھا، یہ بندوبست کیا کہ فروری کی کسی موزوں تاریخ پر شاہی کا اعلان کر دیا جائے۔

فروری کی پندرھویں تاریخ تھی اور لوپرکیلیا کی عید جس روز اہلِ روم لوپرکس دیوتا کی نیاز کرتے تھے۔ اس عید کی رسموں کا سراغ نہیں ملتا۔ مگر اتنا معلوم ہے کہ اہلِ روم بلا امتیازِ نسل اس تہوار کو بڑی گرم جوشی سے مناتے تھے۔ جس طرح مصر میں عمین کو تخلیق کا دیوتا مانا جاتا تھا اسی طرح روم میں لوپرکس کو، جو فونس کا مظہر تھا، تخلیق کا دیوتا سمجھتے تھے۔ وہ معزز پروہت (پجاری) ایک بکرے اور ایک کتے کو قربان گاہ پر بھینٹ چڑھاتے تھے، اُن کی کھال کے تسمے بنا کر چابک تیار کرتے اور یہ چابک ہاتھوں میں لیے سارے شہر میں دوڑے پھرتے۔ جہاں کہیں کوئی عورت نظر آتی اُس پر بے تحاشا چابکوں کی بارش کر دیتے۔ مُراد یہ تھی کہ اُن چابکوں کی مار سے بُری ارواح غائب ہو جائیں گی اور وہ عورت صاحبِ اولاد ہو گی۔ جو عورتیں اولاد کی متمنی ہوتی تھیں وہ ۱۵ فروری کو گھر سے باہر آ جاتیں اور چابکوں کی مار کھایا کرتیں۔ اس چابک کو فروا کہتے تھے، جس کے معنی "خالص کنندہ" ہیں۔ اِس لفظ سے فوری بنا جو اِس تقریب کے مہینے کا نام ہے یہی تہوار مصر میں بھی منایا جاتا تھا۔ اگرچہ دونوں ملکوں کی رسوم میں مکمل مطابقت کا سُراغ نہیں ملتا مگر اتنا معلوم ہے کہ اہلِ مصر عمین کو توالد و تناسل کا دیوتا مانتے تھے اور عمین کی نیاز کے دن ایک

گیدڑ اور ایک مینڈھے کی قربانی چڑھایا کرتے تھے۔

جن دنوں سیزر مصر میں مقیم تھا، اہلِ اسکندریہ اُسے ہمین کا اوتار سمجھنے لگے تھے، قلوپطرہ کے حاملہ ہونے کے باعث) خود قلوپطرہ، زہرہ کی اوتار مشہور تھی کہ وہ بھی توالد و تناسل کی دیوی ہے۔ اس مرتبہ جو اس تہوار کی تاریخ آئی تو سیزر نے از خود قلوپطرہ کے ایما سے، بڑی دھوم دھام کے ساتھ یہ تقریب منائی۔ وہ خود کو عیمن اور لوپرکس کا اوتار سمجھتا ہو یا نہ سمجھتا ہو مگر اس سال خود ہی تقریب کا مہتمم بنا۔ انطونی، جو سیزر کا دستِ راست تھا، اُن دو پروہتوں میں سے ایک تھا جو چابک سنبھالے سارے شہر کی عورتوں کی خبر لیتے پھر رہے تھے۔ جوش اور محنت کے سبب انطونی کا چہرہ سُرخ ہو رہا تھا۔ یہ دونوں پروہت جب چوک میں تقریب کے صدر یا مہتمم یعنی سیزر کے سامنے آئے تو اُسے تخلیق کا دیوتا کہہ کر سلام کیا۔ پُرجوش عوام نے بھی جو دونوں پجاریوں کے پیچھے چلے آ رہے تھے۔ اِسی نام سے سیزر کو سلام کیا۔ جوش اور تعظیم کا ہیجان چاروں طرف پھیل گیا۔ انطونی نے یا تو عوام کے اِس جوش سے فائدہ اُٹھانے کے لیے یا کسی سوچی سمجھی تجویز کے مطابق اپنی بغل سے ایک سنہری تاج نکالا اور پوری تعظیم سے یہ کہہ کر سیزر کو پیش کیا "اے آسمانی دیوتا، حقیر دنیا کی حکومت کا تاج بھی قبول کیجیے" انطونی کے یہ کہتے ہی بہت سے آدمیوں نے، جو اِس انبوہ کے مختلف حصّوں میں موجود تھے یا قصداً کھڑے کیے گئے تھے، رضامندی کے نعرے بلند کیے۔ مگر عوام کی اکثریت خاموش رہی، سیزر جو عوام کا مزاج شناس تھا، صورتِ حال سمجھ گیا اور بیدلی سے بولا کہ مجھے تاج کی تمنا نہیں۔ اُس کے الفاظ سن کر عوام الناس نے تحسین و آفرین کے نعرے بلند کیے۔ اب کے انطونی نے دوبارہ تاج پیش کیا اور سیزر نے لوگوں کی خاموشی کا اندازہ کر کے بڑے وقار سے دوبارہ اُسے نامنظور کر دیا۔ اہلِ روم نے اپنے مختارِ مطلق کی ادائے بے نیازی پر جی بھر کر تحسین و آفرین کے نعرے لگائے۔ سیزر نے حکم دیا کہ یہ تاج ایوانِ حکومت میں رکھ دیا جائے اور اس پر یہ لکھ دیا جائے کہ "سیزر نے اِسے منظور نہ کیا" اب انطونی کو اپنی غلط حرکت کا احساس ہوا مگر تھا صاحب تدبیر۔ دوبارہ چابک سنبھالا اور اِس طرح جیسے کوئی بات ہوئی ہی نہ تھی دوسرے پروہت کو ساتھ لیے داہنے بائیں چابک برساتا آگے بڑھ گیا۔

اِس واقعے نے فیصلہ کر دیا کہ سرِدست بادشاہی کا اعلان نامناسب ہے۔ سیزر کو اگلے مہینے ایران کی مہم پر روانہ ہونا تھا۔ اُس نے قلوپطرہ کو بیش بہا تحفے دیے اور بہتر دِنوں کی امید دلا کر ہدایت کی کہ میری غیر حاضری تک کے لیے اسکندریہ جا کر اپنی حکومت کا کاروبار سنبھالو۔ اگرچہ انطونی اب بھی کوشش کر رہا تھا کہ مارچ کی کسی تاریخ پر سیزر کو دوبارہ تاجِ شاہی پیش کرے مگر قلوپطرہ جو اس واقعے سے عوام کے مزاج کا اندازہ کر چکی تھی، پُرامید نہ تھی۔ اپنی تمام آرزوئیں کو غیر معیّن مدّت کے لیے ملتوی کر کے اُس نے رختِ سفر باندھنے کا حکم دیا اور بادلِ محزوں اُس طولانی بحری سفر کے لیے تیار ہو گئی جسے طے کر کے اُسے اپنے پُرسکون دارالسلطنت میں پہنچنا تھا۔

دس

سیزر کا قتل اور قلوپطرہ کی مُراجعت مصر

بلاشبہہ انطونی، جو اس عہد کی تاریخ میں آگے چل کر ایک اہم کردار ثابت ہوگا، مختلف موقعوں پر قلوپطرہ کو دیکھ چکا تھا۔ سالِ گزشتہ کے آغاز سے جب سیزر سے اُس کی مصالحت ہو چکی تھی، وہ متعدد بار آمر کی فرودگاہ پر گیا ہوگا اور قلوپطرہ سے ملا ہوگا۔ سیزر کی وصیت کی تکمیل میں اُس کی سرگرمی کا ایک بڑا سبب قلوپطرہ کی دلفریب شخصیت بھی تھی۔ یہ بھی ثابت ہے کہ تقریباً دس سال پہلے، جب وہ گیبی نیس کے ساتھ شاہ بطلیموس سیزدہم کو مصر کے تخت پر بحال کرنے کے لیے گیا تھا، قلوپطرہ کے حسن و جمال سے مسحور ہو گیا تھا۔ اُس کے مزاج میں تلوّن اور جذباتیت تھی اور یقین سے نہیں کہا جا سکتا کہ اُن دنوں سیزر سے اُس کا تعلق کس نوعیت کا تھا۔ سیزر کے قیامِ مصر کے دوران میں وہ اُس کا جانشین تھا۔ بعد ازاں دونوں میں اختلافات ہو گئے۔ یہاں تک کہ سیزر نے اُسے معزول کر دیا۔ انطونی اِس واقعے سے سخت برہم ہوا۔ یہاں تک مشہور ہو گیا کہ وہ سیزر کو ٹھکانے لگانے کی فکر میں ہے۔ فتح سپین کے بعد دونوں میں مصالحت ہو گئی۔ وہ سیزر کی جماعت کا رکنِ رکین اور اُس کا پُرجوش حامی بن گیا۔ حتّٰی کہ گزشتہ تہوار پر اُسے تاجِ شاہی بھی پیش کیا۔ بایں ہمہ سیزر کو اُس پر مکمل اعتماد ہرگز نہ تھا۔

سیزر بے شک عظیم دماغی صلاحیت کا مالک تھا مگر خوشامد پسند تھا اور مردم شناسی کے جوہر سے عاری۔ اُس کے معتمد و مقرب وہ لوگ تھے جو لیاقت سے نہیں بلکہ رومی قہرمان کے صحیح یا غلط منصوبوں کی حمایت سے اُس کی خوشنودی حاصل کر کے جاہ و عظمت کی بلندی تک پہنچے تھے۔ بالبس اور اوپیس جو سیزر کے خاص معتمد تھے، معمولی لیاقت کے آدمی تھے۔ ڈولابیلا جس نے حال ہی میں کچھ اعزازات حاصل کیے تھے، سخت طامع شخص تھا۔ سیزر نے ...

تک بڑھا یا کہ اُس کی روانگیٔ ایران کے سبب کونسل کا جو عہدہ خالی ہونیوالا تھا اُس کے لیے نامزد کر دیا۔ سیزر اِس ۲۵ سالہ نوجوان پر جو عنایت کر رہا تھا اُس سے یقیناً انطونی کو صدمہ پہنچتا ہوگا کیونکہ یہ بھی عاشق انطونی کی سابقہ بیوی انطونیا پر عاشق تھا۔ اِس لیے انطونی نے اُسے طلاق دے کر اپنی موجودہ بیوی فلویا سے شادی کی تھی۔ ظاہر ہے کہ انطونی، سیزر کا دل سے بہی خواہ نہ ہو سکتا تھا۔ ایک بار پھر یہ افواہ اُڑی کہ انطونی، ڈولا بیلا سے ساز باز کر کے سیزر کی فکر میں ہے۔ شیر دل سیزر یہ سن کر بولا" مجھے ان دونوں موٹے مسٹنڈوں سے کوئی اندیشہ نہیں البتہ بعض دُبلے زرد رو لوگوں کی طرف سے کچھ فکر ہے۔"

سیزر کی بات کو چاہے لطیفہ سمجھیے مگر یہ بات بالکل ٹھیک تھی۔ تند خو، زرد رو، خفیف الجثہ کیشئیس اسی دوسری قسم کا آدمی تھا۔ یہ شخص، جو ایک اچھا سپاہی اور جوڑ توڑ کرنے والا سیاست داں تھا، جنگِ فارسیلیا میں متوفی پومپی کے ساتھ سیزر کے مقابلے پر آیا تھا مگر فتح کے بعد سیزر نے اُسے معاف کر دیا۔ کیشئیس بچپن ہی سے امارت و بادشاہی کے خلاف تھا۔ ایک مرتبہ سکول میں جب سلّا کے بیٹے فاسٹس نے فخر سے اپنے باپ کے امیرانہ جاہ و جلال کا ذکر کیا تو نوعمر کیشئیس نے جو نفرت میں اُس کا سر پھوڑ دیا تھا۔ اب جو سیزر کی بادشاہی کے چرچے سُنے تو کیشئیس غصّے کے مارے دیوانہ ہو گیا۔ فروری ۴۴ ق م میں کیشئیس اور اُس کے دوستوں نے سیزر کے قتل کی سازش کی۔ کسی طرح بروٹس کو بھی اپنا شریک بنا لیا۔ رفتہ رفتہ یہ سازش وسیع تر ہو گئی۔ انھیں دنوں ایک بار سیزر نے یہ الفاظ کہے "کیشئیس کا چہرہ زرد ہے معلوم نہیں آج کل وہ کس فکر میں ہے۔"

سیزر، بروٹس کی بہت عزّت کرتا تھا یہاں تک کہ ایک بار اُسے اپنا جانشین بنانے کی بھی تجویز کی تھی۔ آج بھی یہ دیکھ کر صدمہ سا محسوس ہوتا ہے کہ روم کا مختار (سیزر) اُسی فاضل و ہوش مند نوجوان پر مہربان تھا جو اُس کی شمعِ زندگی گل کرنے کے لیے کیشئیس سے ساز باز کر رہا تھا۔ متعدد خامیوں کے باوجود سیزر میں ایسے اوصاف موجود تھے کہ ہم اُس کی عزّت اور اُس سے ہمدردی کرنے پر مائل ہیں۔ ایک مرتبہ جب اُسے کسی نے جتایا کہ بروٹس تمھیں قتل کرنے کی فکر میں ہے تو سیزر کا جواب تھا" چہ خوش! کیا تم بروٹس کو اتنا بے صبر سمجھتے ہو کہ وہ میری موت تک انتظار کرنے کے بجائے جلد بازی سے کام لیگا۔"

گمانِ غالب ہے کہ بروٹس سیزر کا صلبی بیٹا تھا جس سال بروٹس پیدا ہوا اُس سال اور اُس کے مدتوں بعد تک سیزر کی آشنائی سرویلیا سے رہی جو بروٹس کی والدہ تھی۔ اُس کے برعکس بروٹس کا دعویٰ تھا کہ میں اپنی ماں سرویلیا کے جائز شوہر کی اولاد ہوں جس کا سلسلۂ نسب جونیس بروٹس تک پہنچتا ہے۔ بروٹس کی والدہ کیٹو کی بہن تھی جس نے شمالی افریقہ میں سیزر سے شکست کھانے کے بعد خودکشی کر لی تھی۔ کیٹو کی دختر پورشیا، بروٹس کی بیوی تھی۔ اِس لحاظ سے بروٹس کو سیزر سے یقیناً عداوت ہو گی — اُس سیزر سے جس نے سسرو کے جواب میں ایک نظم لکھ کر متوفی کیٹو پر حملے کیے تھے۔

مگر ایک لحاظ سے بروٹس کو سیزر سے ہمدردی ہو سکتی تھی۔ بروٹس کا باپ پومپی کے ہاتھ سے قتل ہوا تھا۔ اس اعتبار سے سیزر وہ شخص تھا جس نے اُس کے باپ کے قاتل کو شکست دے کر اُس کا خاتمہ کر دیا۔ حقیقت یہ ہے کہ بروٹس نہایت حق پرست، بااصول نوجوان تھا۔ یہ معاملات کہ سیزر اُس کے سسر کا قاتل، اُس کی ماں کا آشنا یا اُس کے باپ کے قاتل سے انتقام لینے والا تھا: اُس کے حق پرست دماغ میں راہ نہ پا سکتے تھے۔ باپ کے قتل کے بعد اُس نے پومپی سے قطع کلام کر لیا تھا مگر بعد ازاں اُس کی ایمانداری سے اتنا متاثر ہوا کہ جب پومپی اور سیزر میں جنگ چھڑی تو وہ کسی ترغیب کے بغیر پومپی کی فوج میں شامل ہو گیا۔ اُسے اپنے کیمپ میں دیکھ کر پومپی فرطِ حیرت سے بیخود سا ہو گیا۔ اُٹھ کر اُسے گلے لگایا اور بڑا عہدہ دیا۔ پومپی کی شکست کے بعد بروٹس کو بھی بھاگنا پڑا۔ سیزر نے سرویلیا کی محبت کی یاد میں اپنے سپاہیوں کو حکم دیا تھا کہ کوئی شخص لڑائی یا تعاقب میں بروٹس پر ہاتھ نہ اُٹھائے۔ بھاگنے کے بعد بروٹس نے سیزر کو لکھا کہ میں چند مناسب اور باعزت شرطوں پر آپ سے آ ملنے کے لیے تیار ہوں۔ سیزر نے یہ شرطیں منظور کر لیں، بروٹس کو عزت سے لیا اور اعزازات عطا کیے۔ قول اور اصول ہی کی خاطر بروٹس نے سیزر کو بتایا کہ پومپی بھاگ کر مصر پہنچا ہے۔ سیزر اسی نشان دہی پر اُس کے تعاقب میں وہاں پہنچا۔

بروٹس ایک عالم، فاضل نوجوان تھا جو تحریر و تقریر میں حکیمانہ اقوال، اخلاقی اصول اور پُرجوش الفاظ سے آتش نوائی کیا کرتا تھا۔ ایک مرتبہ سیزر نے اُس کی پُرجوش تقریر سن کر بے ساختہ کہا "معلوم نہیں یہ نوجوان مقرر کیا کہنا چاہتا ہے مگر اسے جو کچھ کہنا ہے انتہائی جوش سے کہہ رہا ہے"

وہ خود کو ایماندار اور بااصول کہا کرتا تھا اور فی الواقع ایسا ہی تھا۔ ممکن ہی نہ تھا کہ کوئی شخص خوشامد یا کسی ذلیل طریقے سے اُسے اپنی طرف مائل کر لے۔ وہ کہا کرتا تھا کہ اگر کوئی شخص پختہ عمری میں بھی اپنے دوستوں کی غلط درخواستوں کو رَد کرنے کی ہمت نہیں رکھتا تو سمجھ لو کہ وہ نوجوانی میں بالکل بے اصول رہا ہو گا۔ کیشیس نے، جو برو ٹس کا نسبتی بھائی تھا، ضروری سمجھا کہ اِس شخص کو جس کی اصول پرستی ضرب المثل تھی، اپنی طرف ملا لے۔ ایک روز باتوں باتوں میں بولا کہ بروٹس اُسنتے ہیں اگلے مہینے ایوانِ حکومت میں سیزر کی بادشاہی کا اعلان کیا جائے گا۔ بروٹس بولا کہ میں اُس روز ہرگز ہرگز قدم نہ رکھوں گا۔ کیشیس نے پوچھا کہ اگر سیزر تمھیں ایوان میں طلب کرا لے تو؟ بروٹس نے بانکپن سے جواب دیا" تو میں خاموش نہ رہوں گا۔ بلکہ مردانہ وار سیزر کی مخالفت کروں گا اور آزادیِ ملک کے لیے جان دے دوں گا۔"

کیشیس جانتا تھا کہ ایسے اصول پرست آدمی کو ملا لینا اور سیزر کے قتل پر آمادہ کر لینا کچھ مشکل نہیں۔ یہ صحیح ہے کہ سیزر نے جنگِ فارسلیا میں اُس کی جان بخشی کی تھی، وہ اُس کا محسن سہی مگر عوامی مفاد کا دشمن تھا۔ عوامی آزادی کے نام پر بروٹس کو بھڑکا دینا آسان تھا۔ چنانچہ سازش کے ارکان نے کاغذ کے ٹکڑوں پر طرح طرح کے ہیجان خیز نعرے لکھ کر اُس کی کرسی پر ڈال دیے۔ "بروٹس! تیری سچائی کہاں گئی؟" "بروٹس! حق و باطل میں تمیز کر" وغیرہ۔ اُسے مزید برافروختہ کرنے کے لیے کسی نے اُس کے مورثِ اعلیٰ یعنی جونیس بروٹس کے مجسمے پر یہ الفاظ لکھ دیے "کاش آج تم موجود ہوتے" غرض قاتلوں نے بروٹس کے جذبات میں ہیجان برپا کر دیا اور کئی دن تک سوچنے کے بعد اُس نے یہ فیصلہ کیا کہ سیزر کو ختم کر دینا میرا اندوہناک فرض ہے!

یکم مارچ تک سازشی جماعت نے ستّر اَسّی ارکانِ حکومت کو اپنے ساتھ ملا لیا۔ اگر اُن دنوں سیزر بادشاہی کا اعلان کرتا تو یقیناً اہلِ سازش کے خنجر کا شکار ہو جاتا مگر اُس کے خلاف سازش کی افواہ اِتنی گرم تھی کہ اُسے اِس اقدام کی جرأت نہ ہوئی۔ ۱۷ مارچ کو اُسے ایران کی مہم پر روانہ ہونا تھا اور یہ سننے میں آ رہا تھا کہ دو دِن پہلے یعنی ۱۵ مارچ کو اُس کی ہر دل عزیزی کے شاندار مظاہرے کیے جائیں گے اور روانگی سے پہلے اُسے تاجِ شاہی پیش کیا جائے گا۔ سازشی جماعت نے فیصلہ کیا کہ اسی تاریخ کو جب وہ ایوانِ حکومت میں آخری بار آئے اس کی زندگی کا خاتمہ کر دیا جائے۔

۱۵ مارچ کی خونیں صبح طلوع ہوئی۔ اس روز بروٹس کے دل میں غضب کا اضطراب تھا۔ وہ فطرتاً نیک اور قابلِ احترام تھا مگر طبیعت کی کمزوری اور صداقت واصول کے راستے سے بال بھر نہ ہٹنے کی شدید خواہش اُسے اکثر اپنے دوستوں اور آقاؤں سے غداری پر مائل کر دیتی تھی۔ فی الحقیقت حبِ وطن اور اصول پرستی نے اُسے یہ فرض انجام دینے پر آمادہ کیا تھا مگر اسے اس اقدام سے پہلے اچھی طرح سوچ لینا چاہیے تھا کہ جس چیز کو وہ حبِ وطن یا فرض شناسی سمجھ رہا تھا وہ صریحی محسن کشی اور غداری بھی ہے۔ بروٹس کے ذہن میں اُس رات اتنا اضطراب و ہیجان تھا کہ بستر پر کباب سیخ کی طرح کروٹیں بدلتا رہا۔ اُس کی بیوی پورشیا نے بڑی منت سے اُس کی بے چینی کا سبب پوچھا۔ بروٹس نے آخر اُسے راز سے آگاہ کر دیا اور اس طرح تمام رفیقوں کی زندگی کو خطرے میں ڈال دیا۔

اُس روز سارے شہر پر اندوہ و اضطراب چھایا ہوا تھا۔ غالباً اس وجہ سے کہ سیزر کے خلاف سازشوں کی افواہیں بہت گرم تھیں۔ مگر سیزر بدستور مہم کی تیاریوں میں مصروف تھا۔ حسبِ معمول بڑی بڑی رقمیں بے تامّل قرض لیں۔ پھر بھی اُس روز سیزر اور اُس کے رفیقوں کو ایک طرح کا اضطراب تھا ضرور۔ اہلِ سازش کی اکثریت اُن اُمرا پر مشتمل تھی جنھیں سیزر نے اُن کی سابقہ دشمنی کے باوجود معاف کر کے بڑے بڑے عہدوں پر سرفراز کیا تھا۔ غالباً اُس روز سیزر شہر میں اپنی بیوی کلپورنیا کے گھر مقیم تھا اور اتنا مشغول تھا کہ قلوپطرہ سے ملنے کے لیے وقت نہ نکال سکا۔ اضطراب و تعطّل کی حالت میں اُس غریب کے لیے پہاڑ سا دن کاٹنا مشکل ہو گیا ہو گا۔ یکم مارچ کو بادشاہی کے اعلان کی جو امید تھی وہ کبھی کی مر چکی تھی۔ سیزر کو اب صاف نظر آ رہا تھا کہ اگر تاجِ شاہی قبول کر کے دور دراز کی مہم پر فوراً روانہ ہو جاؤں تو نتیجہ اچھا نہ ہو گا۔ سکندرِ اعظم کے کم عمر بیٹے کا دردناک انجام اُس کی نظر میں تھا جسے سکندر کے مرتے ہی غداروں نے ٹھکانے لگا دیا تھا۔ وہ اپنے لختِ جگر کو اِس طرح موت کے مُنہ میں نہ دینا چاہتا تھا۔ اِن حالات میں اُسے لازم تھا کہ قلوپطرہ کو نشیب و فراز سے آگاہ کر کے سمجھا دیتا کہ بادشاہی کا اعلان سراسر نامناسب ہے کیونکہ اگر ایران کی مہم میں میرا خاتمہ ہو جائے تو میرا تیز طرار بھانجا آکٹیوین میرا جانشین ہو جائے گا۔ مگر قلوپطرہ کے دل میں امید کی کرن ابھی باقی تھی۔ سوچتی تھی کہ شاید ۱۵ مارچ کا دن مبارک ثابت ہو اور بادشاہی کا اعلان ہو جائے تو میں

اطمینان کے ساتھ ملکۂ روم کی حیثیت سے مصر کو واپس جاؤں۔[1]

اُس روز لوگوں کے دل پر غم واندوہ طاری تھا۔ جا بجا منحوس علامات، ڈراؤنے خیالات اور بھیانک واقعات کے افسانے سننے میں آ رہے تھے۔ کوئی کہتا تھا کہ کل رات آسمان میں خوفناک آوازیں اور روشنیاں محسوس ہوئیں۔ کوئی کہتا تھا انسان کے بھیس میں چھلاوے رات بھر شیطانی جنگ کرتے رہے ہیں۔ کسی کا بیان تھا کہ رات کے وقت منحوس صورت پرندے چوک میں اُترتے دیکھے گئے۔ ایک نجومی نے، جسے غالباً اس سازش کی ہوا لگ گئی ہوگی، پیش گوئی کی کہ آج کا دن سیزر کے لیے منحوس ہے مگر سیزر جیسے خطرات میں لطف آتا تھا۔ اِن باتوں سے متاثر نہ ہوا۔

اس نامراد صبح کی سابقہ رات کو سیزر نے اپنے دوست مارکس لیپی ڈس کے ساتھ کھانا کھایا باتوں باتوں میں یہ ذکر چل نکلا کہ موت کی کون سی صورت سب سے اچھی ہے۔ سیزر کے سامنے اُس وقت کچھ کاغذات دستخط کے لیے آئے تھے۔ کاغذوں سے سر اُٹھا کر سیزر بے اختیار بولا "مرگِ ناگہاں" بات آئی گئی ہو گئی مگر اُس کے دوستوں نے اگلی صبح اِس فالِ بد کو پورا ہوتے دیکھا۔ پلوٹارک کا بیان ہے کہ اُس رات ہمانہ تھی۔ مگر سیزر کی خواب گاہ کے دروازے یکایک کھُل گئے اور چاندی کی روشنی اندر داخل ہوئی۔ برابر میں کلپوترہ سو رہی تھی۔ سیزر نے دیکھا کہ وہ سوتے سوتے بڑبڑا رہی اور سسکیاں بھر رہی ہے جیسے اُس کی روح پر ایذا گزر رہی ہو۔ سیزر نے اُسے جگا کر سبب پوچھا تو بولی کہ میں خواب میں تمھیں قتل ہوتے دیکھ رہی تھی۔ سیزر سمجھ گیا کہ نجومی کی پیش گوئی نے خواب و خیال کا رنگ اختیار کیا ہے۔ پھر بھی جب صبح کے وقت کلپوترہ نے گڑگڑا کر منت کی کہ آج گھر سے باہر نہ نکلو تو سیزر ایک حد تک اُس کی بات مان گیا۔

۱۵ مارچ کی صبح کو سازشی جماعت ایوانِ وزراء میں جمع ہوئی۔ قتل کے لیے ایوان کا وہ برآمدہ منتخب کیا گیا جس کے نیچے متوفی پومپی کا مجسمہ کھڑا تھا۔ قاتلوں میں بعض مجسٹریٹ بھی تھے۔ جنھیں اُس روز مقدمات کا فیصلہ کرنا تھا۔ اُن لوگوں نے کامل سکون سے مقدمات کی سماعت کی۔

---

[1] سوٹونیس کا بیان ہے کہ قلوپطرہ مصر واپس جا چکی تھی مگر سسترو کے ایک خط سے، جو اگلے مہینے لکھا گیا ہے، ظاہر ہوتا ہے کہ وہ اُس وقت تک روم میں مقیم تھی۔

کسی کے چہرے سے اضطراب کی علامت مترشح نہ ہوئی۔ بروٹس بالخصوص مطمئن تھا۔ کہا جاتا ہے کہ ایک مجرم نے اس کا فیصلہ تسلیم کرنے سے انکار کیا اور کہا کہ میں سیزر کے سامنے اپیل کروں گا۔ بروٹس نے اطمینان سے جواب دیا "سیزر نے میرے صحیح فیصلوں کی تردید نہ کبھی کی ہے نہ کرے گا"۔

مگر جب سیزر وقت معینہ پر ایوان میں نہ آیا تو قاتلوں کا سکون و اطمینان رخصت ہونے لگا۔ لوگوں نے یہ کہنا شروع کر دیا کہ آج سیزر ایوان میں نہ آئے گا۔ قاتل سمجھے کہ شاید اسے ہماری سازش کا پتہ چل گیا ہے پھر بھی انھوں نے سیزر کے ایک معتبر و معتمد دوست ڈیسمس البینس سے کہا کہ تم سیزر کے گھر جا کر اس سے جلد آنے کا تقاضا کرو۔ یہ شخص پہنچا تو دیکھا کہ کلپورنیا کی پیہم التجاؤں اور پجاریوں کے اس بیان سے کہ آج کی قربانیاں نحس ثابت ہوئی ہیں، سیزر نے ایوان میں آنے کا ارادہ فسخ کر دیا ہے۔ اس نازک موقع پر ڈیسیمس نے بیان کیا کہ آج ارکانِ حکومت نے بالاتفاق آپ کو رومی مقبوضات کا بادشاہ تسلیم کر لیا ہے اور یہ طے کیا ہے کہ آپ کو تاجِ شاہی پیش کریں جسے آپ روم کے سوا ہر جگہ پہننے کے مجاز ہوں گے۔ اس بات کی تحقیق کہ یہ بیان صحیح تھا یا غلط، اب کبھی نہ ہو سکے گی۔ بہرحال سیزر کو اس شخص نے سمجھایا کہ اگر آپ آج ایوانِ حکومت میں نہ پہنچے تو تمام امرا یہ شکایت کرنے میں حق بجانب ہوں گے کہ سیزر نے محض ایک عورت کے خواب سے خوفزدہ ہو کر ایسے اہم اجلاس میں شرکت نہ کر کے ہماری توہین کی ہے!

اس بیان نے سیزر پر جادو کا کام کیا۔ جوشِ انبساط میں سوچنے لگا کہ "آخر وہ مبارک گھڑی آ ہی گئی۔ آج مجھے بادشاہ تسلیم کر لیا جائے گا۔ موجودہ رومی مقبوضات اور کیا جانے کتنے آئندہ مفتوحہ ممالک میرے دستِ اختیار میں آئیں گے۔ روم میں تاج نہ پہنا تو کیا ہوا، نصف دنیا کی حکومت ہاتھ میں آ جانا کیا کم ہے۔ میں اسکندریہ ٹرائے یا کسی اور شہر کو دار السلطنت بنا کر مزے سے حکومت کروں گا۔ قلوپطرہ میری ملکہ ہو گی اور مصر میری حکومت کا ایک حصہ۔ روم میں کلپورنیا میری زوجہ کی حیثیت سے اور میرا بھانجا آکٹیوین میرے جانشین کی حیثیت سے رہیں گے۔ قلوپطرہ میری ملکہ اور سیزرآرین ولی عہد ہو گا۔ کچھ عرصے بعد مجھے روم کا تاجِ شاہی خود بخود مل جائے گا۔ ایوانِ حکومت کا یہ فیصلہ بے تکا سہی مگر قلوپطرہ اس غیر متوقع خوش خبری سے باغ باغ ہو جائے گی، کیونکہ میں اس سے اب تک اسی موضوع پر گفتگو کرتا رہا ہوں۔ رومی مقبوضات اور ملکِ مصر

کے باہم مل جانے سے میری حکومت اتنی زبردست ہوگی کہ اہلِ روم مجھے خود ہی اُٹلی کا تاج پیش کر دیں گے۔ قلوپطرہ اِس خیال سے کتنی مسرور ہوگی کہ وہی روم، جو اب تک مصر کو ہڑپ کر لینے کی دھمکیاں دیتا رہا ہے، ہماری طویل و عریض حکومت میں جذب ہو جائے گا ——"

سیزر، تقدیر کی بازیگری سے غافل سیزر، انھیں خوش آئند خیالات میں غلطاں و پیچاں اپنی جگہ سے اُٹھا۔ ایک ہفتے سے جو باتیں سننے میں آرہی تھیں انھیں دل سے نکال، اعتماد و مسرت کے نشے میں چُور، ڈیسی مَس کے ہاتھ میں ہاتھ ڈال فوراً ایوان کی طرف چل پڑا۔ راستے میں دو آدمی ملے جنھوں نے اُسے خطرے سے آگاہ کرنا چاہا۔ نجومی بھی سامنے آیا اور اپنی منحوس پیش گوئی دہرائی مگر سیزر دلنشہ مسرت میں چُور تھا، قتل کی افواہیں بجائے خود اُس کے لیے باعثِ مسرت بن گئی تھیں کیونکہ وہ فطرتاً خطرات کے ہجوم میں خوش ہوا کرتا تھا۔ موت، سفاک موت، اُسے امیدوں کے سبز باغ دکھاتی، تخت کے بجائے تختے کی طرف کشاں کشاں لیے جا رہی تھی!

اِس سارے عرصے میں قاتل انتہائی اضطراب سے برآمدے میں پھرتے رہے۔ انھیں ہر لمحہ یہی گمان ہوتا تھا کہ ہماری سازش طشت از بام ہونے والی ہے۔ یقیناً قاتلوں کے علاوہ بعض غیر متعلق اشخاص بھی اِس منصوبے کی بھنک سُن چکے تھے۔ انتہا یہ ہوئی کہ ایک امیر پوپلیس لینا نے، جو سازش میں شریک نہ ہونے کے باوجود اِس جماعت کا ہمدرد تھا، جھک کر بروٹس اور ادر کیسیس کے کان میں کہا کہ تمھارا راز فاش ہو چکا ہے۔ اب گویا اِس ٹولی کی جان ہی نکل گئی۔ اتنے میں خبر آئی کہ بروٹس کی بیوی پورشیا کو تشویش و اضطراب کے سبب غشی کا دورہ پڑ گیا ہے۔ بروٹس کو بھی اضطراب ہوا کہ عورت ہے، بیہوشی کے عالم میں اُس کے مُنہ سے کوئی بات نکل گئی تو غضب ہو جائے گا!

آخر سیزر ایوان میں داخل ہوا اور قاتلوں کی جان میں جان آئی۔ اتنے میں پوپلیس لینا جس کا ابھی ذکر ہوا، سیزر سے باتیں کرنے لگا جس سے قاتلوں کو پھر اضطراب ہوا مگر ان کا اندیشہ غلط نکلا۔ انھوں نے ایک رفیق ٹریبونیس کو اِس کام پر مامور کیا کہ انطونی کو باتوں میں لگا کر باہر روکے رکھے کیونکہ سیزر کا دستِ راست ہونے کے باوجود اُس کا قتل کر دینا نامناسب تھا۔ صحیح طریق کار یہی تھا کہ سیزر کے قتل کے بعد اُسے حُبِّ وطن کے نام پر اپنی ٹولی میں شامل

کر لیا جائے۔

سیزر کے داخل ہوتے ہی سارا ایوان تعظیم کے لیے کھڑا ہوا۔ جب وہ اپنے تخت پر بیٹھ گیا تو ٹولیس سمبر نامی ایک سازشی اِس التجا سے سیزر کی طرف بڑھا کہ میرے بھائی کو جلا وطنی کی جو سزا دی گئی ہے اُسے منسوخ کیا جائے۔ اُس کے ساتھ اور کئی قاتل سیزر کی طرف اِس قدر بڑھ گئے کہ مجبوراً اُس نے انھیں کچھ فاصلے پر کھڑے ہونے کا حکم دیا۔ اتنے میں شاید سیزر کو اُن لوگوں کے سفّاکانہ عزائم کا کچھ اندازہ ہوا۔ وہ اپنی جگہ سے اچھلا مگر فوراً ٹولیس نے اُس کا چغہ پکڑ کر کھینچ لیا۔ اب ایک امیر کیسکا نے، جسے سیزر نے حال ہی میں ترقی دی تھی، بڑھ کر اُس کے کاندھے پر خنجر کا وار کیا۔ سیزر نے اُس کا بازو پکڑ لیا اور چلایا "بدمعاش کیسکا کیا کر رہا ہے؟" فوراً کیسکا کے بھائی نے پہلو پر وار کیا۔ کیسٹیس نے، جس کی جان بخشی سیزر نے جنگ فارسیلیا میں کی تھی، چہرے پر خنجر مارا۔ بکولینیس نے پشت میں چھری بھونک دی۔ ڈیسی مس نے، جو اجل گرفتہ سیزر کو بہلا پھسلا کر لایا تھا، ران میں تلوار گھونپی۔ سیزر نے بھی اگرچہ بدن سے خون کے فوارے اُبل رہے تھے اپنا خنجر نکال کر دیوانہ وار حملے کیے اور زخمی شیر کی طرح اُن کے دائرے سے نکل گیا۔ ایک بار پھر کیسکا سے الجھتا الجھتا اُس مقام تک پہنچا جہاں اُس کے متوفّی حریف پومپی کا مجسمہ نصب تھا۔ یہاں اُس نے ایک ناقابلِ اعتبار معتمد منظر دیکھا۔ اُس کا محبوب معتمد بردٹس بھی تلوار تولے سر پر موجود تھا۔ یہ جگر خراش منظر دیکھ کر سیزر کا دل ڈوب گیا۔ دنیائے دنی کی بیوفائی آئینہ ہو گئی "میرے بیٹے بردٹس، تو بھی!"[1] یہ الفاظ منہ سے نکلے اور وہیں گر کر ڈھیر ہو گیا۔ فوراً باقی تمام قاتل ٹوٹ پڑے اور نیم جان بلکہ بے جان جسم پر تلواروں کی بارش کر دی۔ ہیجان کا یہ حال تھا کہ خود بھی ایک دوسرے کی تلواروں سے زخمی ہو گئے۔

سیزر کو ٹھنڈا کر کے اُن لوگوں نے ایوان سے خطاب کرنا چاہا۔ بردٹس نے اِس موقع کے لیے ایک تقریر تیار کی تھی۔ مگر تقریر سنائے تو کسے سنائے۔ ایوان کے تمام رکن یہ خونیں ہنگامہ دیکھ کر پہ ہی فرار ہو چکے تھے۔ ناچار تمام قاتل تلواریں گھماتے، "جمہوریت زندہ باد" کے نعرے لگاتے

---

[1] بعض مورخ لکھتے ہیں کہ یہ الفاظ نہیں بلکہ صرف اتنا کہا "بردٹس تو بھی!" بعض کا بیان ہے کہ سیزر نے مطلق کچھ نہیں کہا۔

چوک کی طرف بڑھے۔ انطونی نے جسے جان کا خطرہ تھا، فوراً بھیس بدلا اور گلی کوچوں سے نکلتا سیدھا اپنے گھر پہنچا۔ بعض ارکانِ حکومت نے قاتلوں کو، جو دوبارہ ایوان کی طرف جانے لگے تھے، چوک میں آنے کی دعوت دی۔ یہاں بروٹس تقریر کرنے کھڑا ہوا۔ عوام اُس کی بات سننے کے لیے تیار بھی تھے مگر ستم یہ ہوا کہ سنّا نامی ایک اور مقرر نے متوفّی سیزر کے خلاف زہر اُگلنا شروع کیا۔ عوام بھڑک اُٹھے اور سازشی ٹولی کو بھاگ کر ایوانِ حکومت میں پناہ لینی پڑی۔ جہاں وہ رات بھر ٹھہرے رہے۔

اسی اثنا میں لوگ سیزر کی لاش چوک میں اٹھا لائے۔ انطونی بھی آ پہنچا اور چاند کی اُداس روشنی میں اپنے سردار کی لاش کو دیکھا۔ بدنصیب کلپورنیا بھی یہاں پہنچ چکی تھی اور اُس کی التجا پر انطونی نے سیزر کے کاغذات، اہم چیزیں اور وصیّت نامہ اپنی تحویل میں لے لیے۔ اگلی صبح انطونی کے ایما سے جلسۂ عام کا اعلان کیا گیا تاکہ سکون سے حالاتِ حاضرہ کا جائزہ لیا جائے۔ متوفّی کا وصیّت نامہ کھولا گیا جس کا مضمون سُن کر دوست، دشمن حیران رہ گئے۔ سیزر نے وصیّت میں لکھا تھا کہ میری دولت میں سے ہر رومی کو تین سو درہم دیئے جائیں۔ دریائے ٹائبر کے پار والی جائداد اور باغات (جہاں قلوپطرہ مقیم تھی) قوم کے لیے وقف ہیں۔ باقی جائداد کا تین چوتھائی آکیٹوین کے نام اور ایک چوتھائی میں سے آدھا آدھا دو اور بھانجوں کو دیا تھا۔ وصیّت کے رو سے آکیٹوین جانشین مقرر کیا گیا تھا۔

سیزر کی نعش پانچ دن تک شاہی اعزاز سے رکھی رہی۔ آخر ۲۰ مارچ کو اُسے جلانے کا فیصلہ ہوا۔ شام کے وقت انطونی موقع پر آیا جہاں عوام نالہ و ماتم میں اور عورتیں آہ و فریاد میں مصروف تھیں۔ انطونی نے متوفّی کی تعریف میں نوحہ پڑھنا شروع کیا۔ درمیان میں ایک دو منٹ کے لیے رُک کر میّت کی طرف ہاتھ پھیلا کر اشارہ کرتا تھا اور دھاڑیں مار کر رونے لگتا تھا۔ اِس وقفے میں عوام روم کا رسمی ماتمی راگ گانے لگتے اور ایک قدیم شاعر کا ایک شعر لگاتار پڑھتے جس کا مفہوم یہ ہے "جنھیں میں نے بچایا تھا وہی میرے قاتل بن گئے"۔ اب انطونی نے سیزر کی خون آلود پوشاک کو، جس میں چھریوں کے لاتعداد شگاف تھے، نیزے پر بلند کیا اور وہ شہرۂ آفاق دردناک تقریر کی جو آج دو ہزار سال بعد بھی پڑھنے والوں کو بے تاب کر دیتی ہے۔ دورانِ تقریر میں سیزر کے وصیّت نامے

اُس کی فیاضی، اُس کی خون آلود پوشاک اور خونچکاں نعش کی طرف اِس دَرد سے اِشارے کیے کہ سننے والوں کے دلوں میں آگ لگ گئی۔ معاً غیظ آلود انبوہ سے انتقام اور بے پناہ انتقام کی صدائیں بلند ہوئیں۔ چند روز پہلے سِنّا نے سیزر کے خلاف تقریر کی تھی۔ اِسی نام کا ایک اور بدنصیب شاعر بھی ہجوم میں کھڑا تھا۔ شامت جو آئی کسی دوست نے اُس کا نام لے کر اُسے مخاطب کیا۔ غضبناک ہجوم نے آؤ دیکھا نہ تاؤ، فوراً اُسے پکڑ لیا اور ٹکڑے اڑا دیے۔ غیظ و غضب، نفرت اور انتقام کی آگ اِس طرح بھڑک رہی تھی کہ سارا شہر شعلہ زار بن کر رہ گیا!

عوام نے اسی وقت لکڑی کے بنچ، میز کرسیاں اکٹھی کیں اور اُن پر سیزر کی لاش رکھی جو اُودے رنگ کی زرتار چادر میں کفنائی ہوئی تھی۔ اس ڈھیر میں آگ لگائی گئی۔ ذراسی دیر میں شعلے آسمان سے باتیں کرنے لگے۔ ہیبتناک سُرخ شعلوں کی روشنی عوام کے غیظ آلود چہروں اور آس پاس کی غم آلود عمارتوں پر پڑ کر وحشتناک منظر پیدا کر رہی تھی۔ دھواں اتنا تھا کہ اُس کے مرغولوں میں سامنے سے بلند ہوتا ہوا چاند چھپ کر رہ گیا۔ دیکھتے دیکھتے سیزر کی لاش جل کر راکھ ہو گئی۔ عوام نے جلتی ہوئی لکڑیاں ہاتھوں میں لیں اور قاتلوں کے گھر جلا ڈالنے کی نیّت سے شہر کے مختلف حصّوں میں پھیل گئے۔ بڑی مشکل سے عوام کا جوش فرو ہوا۔ سرکاری افسر جن کے ہاتھوں میں شہر کا انتظام تھا، سر جوڑ کر بیٹھے۔ گزشتہ واقعات کو بھلا دینے کے فیصلے ہوئے۔ کیشیس اور بروٹس وغیرہ کو روم سے باہر دُور دراز صوبوں میں معزّز عہدوں پر چلے جانے کے احکام ملے۔ شہر کا نظم و نسق انطونی کے سپرد ہوا۔

قلوپطرہ کی حالت قابلِ رحم تھی۔ موت نے اُس کے محبوب شوہر ہی کو نہیں چھینا تھا بلکہ اُس کی تمام امیدوں پر پانی پھیر دیا تھا۔ روئے زمین کی ملکہ بننے کے بجائے تقدیر کے ایک کرشمے نے اُسے دوبارہ محض مصر کے تخت پر قناعت کرنے کا حکم دیا اور تخت بھی کیسا؟ متزلزل، ناپائدار۔ یہی نہیں بلکہ خود اُس کی اور ننھے سیزارین کی زندگی خطرے میں تھی۔ وصیّت نامے کا مضمون اُس کے لیے خاصا دل شکن تھا۔ اگرچہ اُسے پہلے ہی اس کا اندازہ تھا مگر یہ امید لگی ہوئی تھی کہ ایسے اِن امرا کی طرف سے سیزر کو رومی مقبوضات کی بادشاہی ملے گی۔ سوچتی تھی کہ اِس طرح وصیّت نامے میں حسبِ دلخواہ ترمیم ہو جائے گی۔ دوسرا وصیّت نامہ جس کے متعلق افواہیں مشہور تھیں کہیں نظر نہیں آتا۔

ممکن ہے کہ کلپورنیا اُسے تلف کر چکی ہو۔ اب یہ سوال تھا کہ آکٹیوین، جو اس وقت باہر تھا، اپنی جائداد اور منصب سنبھالنے کے لیے کب آئے گا۔ کیا کرنا چاہیے۔ آیا ننھّے سیزارین کی جانشینی کا اعلان کیا جائے یا مصر کو بھاگ جانا قرینِ مصلحت ہے۔

قیاس کہتا ہے کہ اِس نازک مرحلے پر اُس نے ضرور انطونی سے گفت و شنید کی ہو گی جو اس وقت روم کی عنانِ اقتدار مضبوطی سے تھامے ہوئے تھا۔ اگر روم کے عوام سیزارین کو سیزر کا جائز وارث تسلیم نہ کرتے تو اُس کی ساری اہمیت ختم ہو جاتی۔ بلکہ مصر کا تخت و تاج بھی خطرے میں پڑ جاتا۔ انطونی کی حمایت سے قلوپطرہ اُس کی وارثت تسلیم کرا لیتی تو پھر آکٹیوین کو راستے سے ہٹا دینے کا امکان روشن تھا۔ وہ ایک بے فکر نوجوان تھا جو جنگِ سپین میں سیزر کا شریک ہو کر اپنی جانبازی، جفاکشی اور وفاداری کی بدولت اُس کی نظروں میں معزز ہو گیا تھا۔ ان دنوں وہ شہر اپولونیا میں تعلیم حاصل کر رہا تھا۔ اور قلوپطرہ کے لیے ضروری تھا کہ انطونی کی مدد سے اسے روم میں داخل ہونے سے روک دے۔ قلوپطرہ نے ضرور یہ کوشش کی ہو گی۔ خود انطونی بھی آکٹیوین کے خلاف تھا۔ کیونکہ وہ اگر وصیت نامے کے مطابق سیزر کا جانشین ہو جاتا تو انطونی کی اہمیت ختم ہو جاتی۔ اِس کے برعکس اگر انطونی، سیزارین کو متوفّی سیزر کا وارث تسلیم کرانے میں کامیاب ہو جاتا تو نوعمر لڑکے کا اتالیق بن کر اُس کے پردے میں مدّتوں حکومت کر سکتا تھا۔

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ شاید انطونی ہی نے قلوپطرہ کو روم میں قیام رکھنے کی ترغیب دی۔ چند روز بعد اُس نے ایوانِ حکومت میں یہ اعلان بھی کیا کہ سیزر نے اپنے بیٹے سیزارین کو اپنا قانونی وارث قرار دیا تھا۔ اِس پر اوپیس نے جو آکٹیوین کا حامی تھا، برمحل تردید کی بلکہ ایک مختصر رسالہ لکھ کر انطونی کے بیان کی دھجیاں اڑا دیں۔ انھیں دنوں ڈولابیلا نے قونصل کا عہدہ سنبھال لیا۔ انطونی سے تو اُس کی عداوت تھی ہی مگر اب اُس نے متوفّی سیزر کے تمام دوستوں پر سختیاں کرنی شروع کر دیں۔ پھر بھی ایک وجہ سے انطونی اور ڈولابیلا میں مفاہمت ہو گئی۔ سیزر نے شام کا صوبہ ڈولابیلا کو اور مقدونیہ انطونی کو تفویض کیا تھا۔ اس کے قتل کے بعد ارکانِ حکومت نے یہ سوچا کہ کسی طرح قاتلوں کو روم سے ہٹا کر دور دراز کے صوبوں میں بھیج دیا جائے۔ اِس مقصد کے لیے اِن دونوں علاقوں کی گورنری بروٹس اور کیشیس کو لکھ دی گئی۔ ڈولابیلا اور انطونی

کو رہے رہ گئے۔ اب کہ بروٹس اور کیشیس اپنے اپنے صوبے کو روانہ ہونے کے لیے فوجیں فراہم کر رہے تھے، ڈولابیلا اور انطونی اُن کے استیصال کے لیے باہم مل بیٹھے۔

روم میں یہ ہنگامے گرم تھے کہ یکایک جوان سال وجواں بخت آکٹیوین کی آمد کا غلغلہ اُٹھا جو اپنا منصب سنبھالنے کے لیے آپہنچا تھا۔ اہلِ شہر قاتلوں کے جھگڑے کو بھول بھال دو گروہوں میں بٹ گئے۔ ایک آکٹیوین کا طرف دار تھا، دوسرا انطونی کے نظریات کا حامی۔ مؤرخوں کا بیان ہے کہ انطونی کو سیزر اور اس سے کوئی ہمدردی نہ تھی، وہ اِس پردے میں خالص اپنے مفادات کے لیے لڑ رہا تھا۔ بات بھی یہی تھی۔ اِس کتاب کے آخری صفحات میں یہ پردہ صاف اُٹھ گیا ہے کہ انطونی ابتدا ہی سے اِس آڑ میں تختِ شاہی کی طرف بڑھنے کا آرزومند تھا۔

یہ کشمکش اِتنی بڑھی کہ خانہ جنگی کا خطرہ صاف نظر آنے لگا۔ صورتِ حال اتنی خطرناک ہو گئی کہ انطونی نے قلوپطرہ کو فوراً روم سے نکل جانے کی صلاح دی۔ مدعا یہ تھا کہ ملکہ اپنے ملک میں پہنچ جائے تو اُس کے شاہی بیڑے اور فوج سے اِن ہنگاموں میں وقتِ ضرورت استفادہ کیا جائے۔ غرض قلوپطرہ اپریل ۴۴ء ق م کے پہلے ہفتے میں مصر واپس چلی گئی جسے سسرو ایک خط میں "بھاگ گئی" سے تعبیر کرتا ہے۔

قیاس کہتا ہے کہ اس سفر میں قلوپطرہ کے دماغ نے سینکڑوں منصوبے سوچے ہوں گے۔ سیزر کے مرنے سے اُس کی اُمیدوں کا عالی شان قصر خاک میں مل چکا تھا۔ مگر اِسی مایوسی نے اُسے دوبارہ کمربستہ ہونے اور ایک بار پھر قسمت آزمائی کرنے کا حوصلہ بخشا ہو گا۔ سیزر مر گیا تو خیر، اُس کا کم سن بیٹا موجود تھا۔ جس کی حمایت کے لیے خواہ اصولاً خواہ ذاتی مفادات کی خاطر، انطونی بالکل تیار تھا۔ اسکندریہ کی جنگجو حفاظتی فوج اور مصر کے بے پایاں وسائل اُس کی مٹھی میں تھے جنھیں وہ آکٹیوین کے خلاف میدان میں لاسکتی تھی۔ ایک ایسی جنگ کے لیے جس میں فتح پاکر وہ روئے زمین کا تخت حکومت حاصل کر سکے۔ قلوپطرہ دل وجان سے تیار تھی کیونکہ یہی وہ آرزو تھی جس کی تکمیل کے لیے اُس کے محبوب سیزر نے جان دی تھی۔ اِس جنگ سے وہ رومیوں کے منحوس نظریۂ حکومت (جمہوریت) کو نیست ونابود کر سکتی تھی جسے سیزر ناپسند کرنے لگا تھا مگر جس کا آکٹیوین علم بردار تھا۔ اگرچہ سیزر مر چکا تھا مگر قلوپطرہ کے نزدیک وہ دیوتا بن کر بہشت میں جلوہ گر تھا۔ اُسے ہر طرح

امید تھی کہ وہ وقت ضرورت آسمان سے اُس کی نصرت کرے گا۔ روم کے پجاری، عوام اور امرا سب یک زبان ہو کر کہنے لگے کہ سیزر لافانی دیوتا بن کر آسمان پر جا بیٹھا ہے۔ قلوپطرہ کو یقین تھا کہ وہ اُسے اور اپنے اکلوتے بیٹے کو گمنامی کی نذر نہ ہونے دے گا اور برق و باد کے کاندھے پر سوار ہو کر نازک وقت میں اُن کی امداد کو آئے گا۔

غرض قلوپطرہ نے یاس میں امید کا پہلو نکالا۔ اپنی طبعی پُرامیدی سے کام لے کر پختہ تر دماغ کی صلاحیتوں کو بروئے کار لائی اور مستقبل کی بہتری کے منصوبے بنانے لگی۔ وہ جب سیزر سے پہلی بار ملی تھی تو ایک نوجوان ناآزمودہ کار لڑکی تھی مگر اس عرصے میں زمانے کے نشیب و فراز دیکھ کر ایک پختہ کار عورت بن چکی تھی طبعی رجائیت اور اپنے جابناز خاندان کی موروثی جرأت و ہمت کو بروئے کار لاکر آئندہ فرائض کے لیے تیار ہو گئی اور ہر چہ بادا باد کہہ کر اپنے پختہ دل و دماغ کی تمام صلاحیتوں کو شاندار منصوبوں کی تکمیل کے لیے داؤں پر لگا دیا۔ ناامیدی کی کوئی خاص وجہ بھی نہ تھی۔ چلتا ہوا مہرہ یعنی سیزر آرین اُس کے ہاتھ میں تھا جو قانونِ فطرت کے رو سے ہر طرح اپنے متوفّی باپ کے ورثے یعنی آدھی دنیا کی حکومت کا جائز وارث تھا۔

گیارہ

انطونی کا کردار اور اُس کا عروج

جب آکٹیوین روم میں داخل ہوا تو عنانِ اقتدار انطونی کے ہاتھ میں تھی۔ اُس نے اُسے سمجھایا کہ اس کم عمری میں سیزر کی جانشینی جیسے عظیم عہدے کا سنبھالنا خیالِ خام بلکہ سراسر نادانی ہے۔ اس پر دونوں میں کشیدگی ہو گئی مگر اگست ۴۴ ق، م میں پھر مفاہمت کر بیٹھے۔ تھوڑے دنوں بعد یہ شور اُٹھا کہ آکٹیوین انطونی کو قتل کرنے کی فکر میں ہے۔ صلح صفائی ممکن ہی نہ تھی۔ دوبارہ جھگڑا ہوا۔ انطونی نے یہاں تک کہہ دیا کہ دراصل سیزر کے آکٹیوین سے ناجائز تعلقات تھے اور لبادۂ سیاست کا یہ نووارد ایک پست خاندان کا چھوکرا ہے۔ ۴۴ ق م کے آخری دنوں میں انطونی روم سے باہر چلا گیا اور لوگوں کو یقین ہو گیا کہ خانہ جنگی کی آگ بھڑکنے والی ہے۔ انطونی نے آکٹیوین کو بے حق اور سیزاریَن کو حقدار وارث ٹھہرا کر مؤخر الذکر کی حمایت شروع کر دی۔ کئی اُلٹ پھیر ہوئے اور رائے عامہ نے انطونی کو روم کا دشمن اور مفسدہ پرداز قرار دے کر خوب رگیدا۔ سسرو کی اعانت سے آکٹیوین کی کامیابی یقینی ہو چلی تھی لیکن آخر دونوں جنگجو سرداروں میں اگلے سال صلح صفائی ہو گئی۔ سب کچھ ہوا مگر دلوں میں اتنی بدگمانی بھری ہوئی تھی کہ مفاہمت کے بعد جب یہ حریف بغل گیر ہوئے تو دونوں ایک دوسرے کے جسم کو ٹٹولتے رہے کہ کہیں چُغے کے نیچے خنجر چھپا ہوا نہ ہو!

اعلانِ صلح کے بعد انطونی، آکٹیوین اور ایک تیسرے سردار لیپی ڈس میں پانچ سال تک کے لیے ایک معاہدہ ہو گیا جس میں یہ طے پایا کہ اٹلی اور روم پر تینوں سرداروں کی مشترکہ حکومت رہے گی مگر بیرونی صوبے اُن کی آزادانہ حکومت کے لیے تقسیم ہو جائیں گے۔ اِس بٹوارے میں انطونی اور لیپی ڈس نے اچھے خاصے صوبے ہتھیا لیے۔ آکٹیوین کو شمالی افریقہ، نومیڈیا اور جزیرے ملے۔ پھر یہ طے پایا کہ تینوں سردار اپنے اپنے دشمنوں کا صفایا کر کے دل کا غبار نکالیں۔ دشمنوں کی ایک

فہرست تیار ہوئی جس میں سو ارکانِ حکومت اور دو ہزار سربرآوردہ متموّل اشخاص شامل تھے۔ اِن سب کا بڑی بے دردی سے قتلِ عام ہوا۔ اور وہ سفّاکانہ خونریزی ہوئی کہ تاریخِ عالم اُس کی نظیر پیش کرنے سے قاصر ہے۔ اِن مرنے والوں میں سسرو بھی شامل ہے جو انطونی کے انتقام کا شکار ہوا۔ آکٹیوین نے اُس کی جان بخشی کے لیے بہت التجا کی مگر انطونی نے، جو 'تین بڑوں' کی اِس پنچایت میں بالادست تھا، ایک نہ سُنی۔ اِن سب بدنصیب مقتولوں کی دولت اور جائداد پر پنچوں کا قبضہ ہو گیا۔ اور اِس مالِ حرام پر تینوں کی حکومت کی بنیادیں رکھی گئیں۔

بروٹس اور کیشیئس وہ خاص آدمی تھے جو سیزر کے قتل کا سبب بنے تھے۔ ان دونوں کی انطونی اور آکٹیوین سے ٹھن گئی اور یہ مقدونیہ میں فوجیں جمع کرنے لگے کیشیئس نے مصر پر حملہ کرکے قلوپطرہ کے بیڑے اور دولت پر قبضہ کرنا چاہا مگر وہ ہر طرح لیس ہوکے بیٹھی تیار تھی۔ اِس لیے یہ کوشش کامیاب نہ ہو سکی۔ وہ اِن دونوں کی جانی دشمن تھی کیونکہ یہی ظالم اُس کے محبوب شوہر کے قاتل تھے۔ بایں ہمہ وہ اِن 'تین بڑوں' کی بھی دوست نہ تھی کیونکہ ان میں آکٹیوین شامل تھا جو سیزر کی وراثت کے معاملے میں سیزارین کا حریف تھا۔ رہا انطونی سو وہ اب اُس کی طرف سے بھی بدگمان ہو چکی تھی کیونکہ آکٹیوین سے صلح کرکے وہ اِس قابل نہ رہا تھا کہ اُسے سیزارین کا حامی سمجھا جائے۔

انھیں دنوں ڈولا بیلا نے جس کی آج کل انطونی سے صفائی تھی اور جو کیشیئس اور بروٹس کا دشمن تھا، قلوپطرہ سے درخواست کی کہ میری امداد کے لیے وہ رومی دستے بھیجے جائیں جو اسکندریہ میں مقیم ہیں۔ یہی درخواست کیشیئس نے بھی کی مگر قلوپطرہ نے اُسے نامنظور کر دیا۔ کیشیئس نے سیرافیون سے جو جزیرۂ قبرص میں ملکہ کا وائسرائے تھا، بحری بیڑا طلب کیا اور اُس نے ملکہ کی اجازت کے بغیر یہ بیڑا اُس کے حوالے کر دیا۔ کیشیئس نے ڈولا بیلا کو شکست دی مگر اتنی خیریت ہوئی کہ وہ رومی دستے جو قلوپطرہ نے ڈولا بیلا کی امداد کے لیے بھیجے تھے ابھی راستے ہی میں تھے ورنہ اِس شکست میں تباہ ہو جاتے۔ اب قلوپطرہ نے فیصلہ کیا (اگرچہ بہ دلی سے) کہ کیشیئس کے مقابلے پر انطونی سے مل جائے۔ مگر ایک شدید طوفان کے سبب اُس کے خاصے جہاز ٹوٹ گئے۔ وہ خود بیمار ہو گئی اور اِس مہم سے ہاتھ اٹھانے پر مجبور ہوئی۔

اگلے سال یعنی اکتوبر ۴۲ ق م میں انطونی نے کیشیئس اور بروٹس کو شکست دی کیشیئس

لڑائی میں کام آیا اور بروٹس نے خودکشی کر لی۔ بیمار ہونے کے سبب آکٹیوین اس لڑائی میں حصّہ نہ لے سکا۔ فتح کا سارا اعزاز انطونی کے حصّے میں آیا۔ آکٹیوین کی عدم مقبولیت کا یہ عالم تھا کہ جب جنگی قیدی اِن دونوں کے سامنے آئے تو انھوں نے انطونی کو ادب سے سلام کیا مگر آکٹیوین پر لعنت ملامت کی بوچھاڑ کر دی۔ اب یہ صلاح ہوئی کہ آکٹیوین روم میں بندوبست کرے اور انطونی مشرقی صوبوں میں پھر پھرا کر کچھ روپیہ فراہم کرے تاکہ پنچایتی حکومت کا وقار قائم رہ سکے۔ چنانچہ انطونی نے ایک بڑا لشکر لے کر یونان اور ایشیائے کوچک کو روند ڈالا۔ اگلے سال اُس نے شہر طارصص کو اپنا صدر مقام بنا کر وہیں ڈیرے ڈال دیے۔

یہاں سے انطونی نے ڈیلیس نامی ایک سردار کو اسکندریہ بھیج کر قلوپطرہ کو بلایا کہ آکر صورتِ حال پر مبادلۂ خیالات کر لو۔ انطونی نے یہ گلہ بھی کیا کہ تم نے بروٹس کو ہمارے خلاف امداد دی۔ لیکن قلوپطرہ کو بجائے خود یہ شکایت تھی کہ انطونی نے آکٹیوین کے ساتھ صلح کر کے مجھ سے بیوفائی کی ہے مگر زیادہ گلے شکوے کی گنجائش نہ تھی۔ اِس وقت انطونی دنیا کا زبردست ترین آدمی تھا اور قلوپطرہ نے یہی فیصلہ کیا کہ فوراً طارصص پہنچ کر اُس سے ملاقات کرے۔

قلوپطرہ انطونی کی عادت خصلت سے واقف تھی۔ قیامِ روم کے زمانے میں وہ اُس سے کئی بار ملی تھی۔ یہ بھی مشہور تھا کہ اُس نے انطونی سے کچھ سمجھوتا کر لیا ہے۔ اُس نے سیزر اور اپنے دوسرے رومی دوستوں سے انطونی کے محاسن و مصائب سُنے تھے۔ ڈیلیس نے اُسے انطونی کے دوستانہ ارادوں سے آگاہ کر کے سمجھایا کہ وہ شریف اور رحم دل ہے۔ یوں بھی اکثر اشخاص اُسے اچھا ہی کہتے تھے۔ وہ اُن دنوں دنیا کی عظیم ترین ہستی تھا اور دنیا کے اکثر درباروں میں اُس کی شخصیت اور اخلاق و عادات کا ذکر ہوتا رہتا تھا۔ بقولِ رینن وہ ایک 'دیو قامت بچہ' تھا جس کے لیے دنیا کو فتح کرنا کھیل تھا مگر ذرا سی خواہش کو دبانا دشوار تھا۔ اُس کی یہ خصوصیات عموماً مشہور تھیں۔ آدھی دنیا کی قومیں اُس کے بھاری بھرکم وجود کے بوجھ سے پس رہی تھیں اور یہ دیو پیکر رومی بے نیازی کے ساتھ بادشاہوں کے تاج و تخت سے کھیلا کرتا تھا۔ اکثر اشخاص اُسے 'نیک طینت دیو' کہتے اور ہکیس یعنی خوش وقتی کے دیوتا کا اوتار سمجھتے تھے مگر وہ 'قومیں' جنھیں اس دیو نے پاؤں سے روند ڈالا تھا، اُسے ازدرِ خونخوار کہتی تھیں اور اُس کی ہیبت بے پایاں تھی۔

وہ بہت وجیہہ آدمی تھا، قد آور اور تنومند۔ اس کے گھنے گھنگرالے بال اور بھاری بھرکم جسم دیکھنے والوں کو ہرقل کی یاد دلاتے تھے جسے وہ اپنا مورثِ اعلیٰ کہتا تھا۔ پیشانی بلند تھی اور ناک عقابی، مُنہ اور ٹھوڑی کسی قدر بھاری مگر خوش وضع اور مستحکم۔ ہونٹوں اور آنکھوں سے خوش طبعی کا احساس ہوتا تھا بشرے سے صاف دلی ٹپکتی تھی۔ اُس کا چوڑا چکلا وجیہ اور شریفانہ شکل و شمائل دیکھ کر عوام اُس سے بے حد متاثر ہوتے تھے۔ اُس کی مردانہ وجاہت عورتوں کو اپنی طرف کھینچتی تھی اور انطونی اس حربے سے بے تحاشا کام لیتا تھا۔ سسرو، جو اس کا جانی دشمن تھا اُس کے بھاری کلّے ٹھلّے، زبردست گردن اور چوڑے چکلے سینے پر چوٹ کرتے ہوئے اُسے کبھی قصائی کبھی نمائشی پہلوان کے خطابات دیتا ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ فقرہ بازیاں رشک و حسد پر مبنی ہیں۔

بہت سے مصائب کے باوجود اُس کی فطرت حد درجہ دلکش تھی۔ سپاہی اُس کے عاشق تھے اور اُس کی نظر پر چڑھنے کے لیے جان تک دے دیتے تھے۔ پلوٹارک اس غیر معمولی عقیدت کے کئی سبب قرار دیتا ہے یعنی اُس کے خاندان کی شرافت اُس کی فصاحت و بلاغت، فراخ دلی اور فیاضی، بے تکلف اطوار، بات کرتے میں مخاطب سے بے تکلفی اور خلوص، زخمی یا بیمار سپاہیوں کی عیادت اور اُن کے دُکھ درد میں شرکت غرض بہت سے اوصاف کا مجموعہ تھا۔ لڑائی کے خاتمے پر وہ ایک خیمے میں جاکر زخمی سپاہیوں کو تسلّی دیتا بلکہ اُن کی تکالیف پر آبدیدہ ہو جاتا۔ وہ بھی فرطِ محبت میں اُس کے ہاتھ چومتے اور اُسے میرا شہنشاہ، میرا جرنل کہتے۔ اُس کے کھلے ڈُلے کردار کی سادگی دلوں میں محبت کا جوش بھر دیتی تھی اور یہ فطری امر تھا۔ عیّار، ظاہر دار اور مکّار دنیا کی الجھنوں میں کوئی بے تکلف اور قابلِ فہم کردار نظر آتا ہے تو فطرتاً اچھا معلوم ہوتا ہے۔

نابغہ[1] کی عظیم دماغی صلاحیت فی الواقع قابلِ تعریف ہوتی ہے مگر اسے صرف ذہین ترین انسان پسند کر سکتے ہیں۔ عام آدمیوں کے لیے انطونی کی سی طفلانہ سادگی زیادہ دلکش ہوتی ہے۔ وہ نابغہ نہ تھا بلکہ ذرا غیر معمولی انسان تھا جس نے مدّتوں کامیابی و کامرانی کے لطف اُٹھائے، بد قسمتی کے طوفان میں ڈوب کر اُبھرا مگر آخر ناسازگار حالات کے سامنے ذلّت سے گھٹنے ٹیک دینے پر مجبور ہوا۔

---

[1] عظیم انسان GENIUS.

پلوٹارک نے انطونی کی سادگی اور بے تکلفی کے بہت سے تعجب انگیز واقعات قلمبند کیے ہیں۔ اُس کی بیوی فلویا بڑے طنطنے کی خاتون تھی جو خانہ داری کے لیے نہیں بلکہ بادشاہوں اور امیروں پر حکم چلانے کے لیے پیدا ہوئی تھی۔ اِس تحکم پسند خاتون کو خوش کرنے کے لیے انطونی کبھی کبھی طفلانہ اچھل کود اور معصومانہ حرکتیں کیا کرتا تھا۔ اکثر گھر کے کسی تاریک کونے میں چھپ کر کھڑا ہو جاتا اور جب فلویا اُدھر سے گزرتی تو دھڑام سے اُس کے سامنے کود پڑتا۔ ایک مرتبہ جب سیزر سپین کی مہم سے واپس آ رہا تھا، انطونی اُس کے استقبال کے لیے گیا، ذرا دیر بعد قاصد کا بھیس بدلا اور واپس آ کر اس بہانے سے فلویا کی خلوت گاہ تک پہنچ گیا کہ میں انطونی کا اشد ضروری خط لایا ہوں۔ اُن دنوں یہ افواہ بھی مشہور تھی کہ اس لڑائی میں سیزر کو شکست ہوئی ہے۔ غرض تھیئیٹر کے مسخروں کی طرح یہ قاصد فلویا کے سامنے پہنچا۔ فلویا نے اضطراب سے انطونی کی خیریت پوچھی مگر لبادہ پوش قاصد نے زبان سے کچھ کہنے کے بجائے ایک خط اُس کی طرف بڑھا دیا۔ وہ ہڑبڑا کر خط کھول رہی تھی کہ انطونی نے اپنا لبادہ پھینک یکایک اُسے گلے سے لگا لیا اور خوب چوما۔ اس کے بعد دوبارہ استقبال کے لیے نکلا اور بڑی شان و شوکت سے سیزر کی شاہی رتھ میں بیٹھ کر شہر میں داخل ہوا۔

عمر کے آخری دنوں میں بھی جب وہ اسکندریہ میں قلوپطرہ کے ساتھ رہتا تھا۔ اِن طفلانہ حرکتوں سے جی خوش کیا کرتا تھا۔ وہ رات کو قلوپطرہ کے ساتھ نوکر کا بھیس بدلتا، اپنے دوست احباب کے دروازوں پر دستک دے دے کر انھیں پریشان کیا کرتا۔ پلوٹارک کا بیان ہے کہ بالعموم لوگ اُسے پہچان لیتے تھے مگر کئی بار اُس کی اچھی خاصی پٹائی بھی ہوئی۔ وہ عمر بھر ایک بے فکر لڑکا بنا رہا۔ بعض اوقات حد درجہ تشویشناک حالات میں بھی اُس کی طفلانہ شوخیوں کا یہی عالم رہتا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ لوگ اُسے ایپکیورس یعنی خوش باشی کا دیوتا سمجھتے تھے کیونکہ انتہائی تشویش کے لمحات میں خوش دلی قائم رکھنا انسان کا نہیں دیوتاؤں کا کام ہے۔

انطونی خواہشات کا بندہ تھا اور موقع شناسی سے غافل۔ ایک روز اُسے علی الصباح ایک نہایت اہم سیاسی تقریر کرنی تھی مگر اُس سے پہلی رات کو اپنے دوست ہیپیاس کی شادی کی تقریب میں اتنی شراب پی گیا کہ رات بھر بے حال پڑا رہا۔ صبح کے وقت معززین کے جلسے میں تقریر کرنے کھڑا ہوا تو پاؤں لڑکھڑا رہے تھے۔ تقریر شروع ہی کی تھی کہ متلی اور استفراغ نے دبا لیا اور پورے

جلسے نے اُس کی ناگفتہ بہ حالت دیکھ لی۔ سسرو کا بیان ہے کہ روم کا اعلیٰ طبقہ اُس کی اِن حرکتوں سے بیزار تھا۔ یہاں یہ بتا دینا ضروری ہے کہ یہ واقعہ اُس کی نوجوانی کا ہے۔ وہ عمر بھر کھانے پینے اور شراب نوشی میں بے اعتدال رہا مگر یہ سمجھ لینا غلط ہوگا کہ وہ بلا نوش تھا۔ وہ تھوڑا بہت اعتدال ضرور ملحوظ رکھتا تھا۔ البتہ ضیافتوں میں جی کھول کر شراب پیتا اور اچھوں اچھوں کو مات دیتا۔ بایں ہمہ مجبوری میں صبر بھی کرتا تو اتنا کہ حیرت ہوتی تھی۔ پلوٹارک کا بیان ہے کہ جب سسرو کی خانہ براندازی کی بدولت اُسے اور اُس کی فوج کو روم سے نکلنا پڑا تو اُس نے گدلا پانی اور جنگل کی پھل پھلاری کھا کھا کر وقت گزار دیا اور سپاہیوں کے لیے عمدہ مثال پیش کی۔

بے شک اُس کے مزاج میں وحشت و شوریدگی تھی۔ وہ ڈٹ کر شراب پیتا۔ ہنسی مذاق میں گلا پھاڑ پھاڑ کر چیخنا، لڑکوں کی طرح چلاّتا اور بانکوں کی طرح قسمیں کھا کھا کر دعوے کرتا، عورتوں کی محبت میں مست رہتا اور کبھی کبھی بڑی خونریزی کرتا۔ اِن تمام باتوں کے باوصف وہ جان توڑ کر کام کرتا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ زندگی بھر سیزر کا دست راست بنا رہا اور اُس کے مرنے کے بعد مدتوں مشرق کا قہرمان رہا۔ اُس کی فطرت بے انتہا اثر انگیز تھی اور کردار میں انسانی اوصاف اور عیوب اِس طرح انتہا کو پہنچے ہوئے تھے کہ عام انسانوں سے مشابہ ہونے کے باعث وہ اپنے سپاہیوں اور عوام کے دلوں کا مالک تھا۔ اکثر اشخاص یہ دیکھ کر جلتے تھے کہ یہ شخص انھیں جیسی دماغی صلاحیتیں رکھنے کے باوجود محض محنت اور جفاکشی کی بدولت نصف دنیا کا بادشاہ بن بیٹھا ہے۔ واقعہ بھی یہی تھا کہ انطونی، جو رومی مقبوضات کا قہرمان مطلق تھا، عظیم یا ناقابلِ فہم دماغی صلاحیتوں سے بہرہ مند نہ تھا وہ ایک پُرشور، سادہ، اُجڈ مگر دلیر اور جانباز جوانمرد تھا۔ سادگی کا یہ حال تھا کہ جب شہر میگارا کا وہ مختصر سا ایوانِ حکومت دیکھا جو فنِ تعمیر کا معجزہ تھا اور جس پر یہ شہر فخر کرتا تھا تو مہذب و متمدن اہلِ شہر سے یوں بولا کہ "یہ عمارت مختصر اور بعید بوسیدہ ہے" بالکل اسی طرح جیسے ایک امریکی سیاہ نے جامعہ آکسفورڈ کو دیکھ کر کہا تھا کہ عمارت بڑی بوسیدہ ہے! سادگی اور دہقانیت میں اگر ایمانداری کی چاشنی ہو تو بڑی پیاری معلوم ہوتی ہے!

بقولِ سٹیونسن بھانڈپن یا اداکاری میں عظمت نہ سہی مگر دلکشی ضرور ہے۔ انطونی میں یہ ٹیک سادگی ٹھہری۔ اُس کے اطوار میں سادہ مگر مؤثر اداکاری تھی اور تقریر کرتے وقت جہاں سننے والوں

کی سماعت پر جادو کرتا تھا وہاں ساتھ ساتھ اُن کی آنکھوں کو بھی مسحور کر دیتا تھا۔ سیزر کے جنازے پر جو اُس نے یادگار تقریر کی ہے اُس کا وہ منظر بھلائے نہیں بھولتا کہ تقریر کرتے کرتے وہ سیزر کے خون آلود کپڑوں کی جانب ہاتھ پھیلا کر اُن شگافوں کی طرف اشارہ کرتا ہے جو قاتلوں کے خنجروں نے اُن میں ڈال دیے تھے۔ لباس کے معاملے میں بھی جی کی ترنگ کا تابع تھا۔ اکثر ہرقل کا سا لباس پہنتا جو اُس کے بھاری بھرکم بدن پر بہت سجتا۔ عام جلسوں میں اِس طرح نمودار ہوتا کہ شلوکا کمر کے نیچے اڑسا ہوا ہے۔ پہلو میں ایک چوڑا تیغلہ ہے اور کاندھوں پر ایک بھاری بھدّا لبادہ پڑا ہے۔ سنجیدہ موقعوں پر سنجیدگی بھی اختیار کر لیتا تھا۔ چنانچہ ایتھنز میں سالانہ کھیل کی تقریب پر صدارت کی تو باقاعدہ چغہ پہنے، سفید جوتے پاؤں میں ڈالے اور اپنے معزز عہدے کا عصا تھامے صدارت کے فرائض انجام دیے۔ یہاں اُس نے اپنی خداداد طاقت کا مظاہرہ اِس طرح کیا کہ دو پہلوانوں کو زبانی حکم دے کر ہٹانے کے بجائے انھیں گردن سے پکڑ کر ایک کو ایک ہاتھ میں، دوسرے کو دوسرے ہاتھ میں الگ الگ تھامے رکھا۔ آخر عمر میں بھڑکیلے لباس کا شوقین ہو گیا تھا اور بالعموم گہرے اُودے رنگ کا لباس پہنتا تھا جس میں بڑے بڑے جواہرات ٹکے ہوئے تھے۔

وہ سٹیج کی زیب و زینت کا بڑا عاشق تھا اور اداکاروں یا ظریفوں کی صحبت میں خوشی محسوس کرتا تھا۔ سرگیبس نامی ایکٹر اُس کا بے تکلف دوست تھا۔ سیتھی رس نامی رقاصہ سے اُسے اتنی محبت تھی کہ اُسے ایک شاندار گاڑی میں سوار کرا کے تفریح کے لیے باہر لے جایا کرتا تھا۔ دریائے ٹائبر کے کنارے سایہ دار درختوں کے کنج میں محفل جمتی۔ طلائی جام میں مئے گلگوں کا دَور چلتا۔ لذیذ کھانے وہیں پکتے اور کھائے جاتے۔ جب اُس کا عہدہ بڑھا تو ان جلسوں کی شان میں بھی اضافہ ہوا۔ تفریحی سفر میں گویّوں، مسخروں اور رقاصاؤں کی پوری فوج جلو میں چلتی۔ ایک رتھ میں، جسے شیر کھینچتے تھے سیتھی رس ساتھ ہوتی۔ رات پڑتی تو آس پاس کی بستی میں اِس طرح قیام کرتا کہ اربابِ نشاط کی یہ فوج دو دو چار چار کر کے مختلف شریف آدمیوں کے گھروں میں ٹھہرا دی جاتی۔ وہ ان عجیب و غریب ناخواندہ مہمانوں کو دیکھ کر سخت برہم ہوتے اور کہتے کہ یہ انطونی کی طفلانہ شوخی نہیں بلکہ صریحی شرارت ہے۔ وہ دھوم دھڑکے کا عاشق تھا اور سب بے چارے ڈوم ڈھاڑیوں، مسخروں وغیرہ سے عنایات روا رکھتا تھا۔ چارلس لیمب کی طرح کبھی کبھی وارستگی اور آزادہ روی پر بھی اُتر آتا جو ایک معقول حد کے

اندر ہو تو معیوب نہیں۔ بایں ہمہ اُس کی یہ چہلیں شرارت پر نہیں بلکہ بے خیالی پر مبنی تھیں اور جب کوئی شخص برہمی سے شکایت کرتا تو بقولِ پلوٹارک وہ کھُلے دل سے معافی مانگ لیتا تھا۔

انطونی کو یہ خیال کبھی نہ آتا تھا کہ زبانِ خلق مجھے کیا کہتی ہے یا میری حرکتوں سے لوگ کتنے تباہ حال اور برہم ہو رہے ہیں۔ وہ اپنے دوستوں اور ارکان کے اشاروں پر چلتا تھا اور جب تک کوئی شکایت سننے میں نہ آتی، توجہ یا تحقیقات کی ضرورت نہ سمجھتا۔ البتہ کوئی معقول شکایت سنتا تو اس پر پوری توجہ کرتا۔ ایک مرتبہ ایشیائے کوچک میں اپنی فوج کی حالت درست کرنے کے لیے غلطی سے چند شہروں پر، جو اپنا خراج ادا کر چکے تھے، دوبارہ خراج عائد کر دیا۔ حیبریاس نامی ایک شخص اُٹھ کر بولا کہ "ہم اپنا خراج ادا کر چکے ہیں۔ اگر آپ کے عاملوں نے اُسے غبن کر لیا ہے تو اُن سے بازپرس کیجیے اور اگر آپ اُسے وصول کر کے اُڑا چکے ہیں اور اب دوبارہ ہماری کھال کھینچنا چاہتے ہیں تو خدا ہم پر رحم کرے۔" انطونی اپنی غلطی سے آگاہ ہو گیا اور فوراً یہ حکم منسوخ کر دیا۔ وہ طبعاً خود پسند تھا۔ خوشامدی امرا اُسے گھیرے رہتے تھے یہی وجہ تھی کہ وہ اپنی غلطیوں کا احساس نہ کر سکتا تھا مگر جب اپنی غلطی پر مطلع ہو جاتا تو کھُلے دل سے معافی مانگتا اور جن لوگوں پر ظلم ہوا ہوتا اُن سے بے اندازہ فیاضی کا سلوک کر کے اپنی زیادتی کی تلافی کر دیتا۔

وہ دوست دشمن دونوں سے فیاضی کا سلوک کرتا تھا اُس نے یہ صفت اپنے باپ سے ورثے میں پائی تھی جو بقولِ پلوٹارک ایک سن رسیدہ مہربان آدمی تھا اور اپنی بیوی کی چوری سے دوستوں کو خوب تحفے دیا کرتا تھا۔ پلوٹارک کا بیان ہے کہ انطونی کی ابتدائی ترقی کا راز یہی تھا کہ دوستوں اور سپاہیوں کو بے دریغ تحفے تحائف اور انعامات دینے میں اُس کا ہاتھ بہت کھُلا ہوا تھا۔ بعد میں بھی ہزاروں غلطیوں کے باوجود وہ اِسی شاہ خرچی کی بدولت اپنے مناصب پر قائم رہا۔ اُس کی مہمان نوازی اور شاہ خرچی کا یہ حال تھا کہ نوجوانی ہی میں لاکھوں کا مقروض ہو گیا اور ہمیشہ مقروض رہا۔ دولت اُس کی نگاہ میں خاک تھی۔ ساری دنیا میں اُس کی فضول خرچیوں کا شہرہ تھا۔ ایک بار اُس نے اپنے داروغے سے کسی حاجت مند دوست کو ایک بہت بڑی رقم دے دینے کے لیے کہا۔ داروغہ اتنی بڑی رقم کا نام سن کر سناٹے میں آ گیا۔ کچھ سوچا اور روپے گن کر ایک کونے میں ڈھیر لگا دیا کہ شاید انطونی یہ ڈھیر دیکھ کر فضول خرچی کا احساس کرے۔ اتفاقاً انطونی اُدھر سے گزرا۔

پوچھا کہ یہ روپے کیسے ہیں؟ داروغے نے انتباہ آمیز لہجے میں کہا کہ وہی رقم ہے جسے آپ نے فلاں دوست کو دے ڈالنے کا حکم دیا ہے۔ انطونی کمال بے نیازی سے بولا "اچھا مگر یہ بہت تھوڑی ہے۔ اتنی ہی رقم اور گن دو۔"

انطونی جس طرح روپے پیسے کے معاملے میں ملکھ لٹ تھا اُسی طرح معاملات میں بھی فراخ دل تھا۔ فتح اسکندریہ کے موقع پر جب شاہِ آرمینیا طلائی زنجیروں میں جکڑا آیا تو انطونی نے اُس کی جان بخشی کی حالانکہ روم کے دستور کے مطابق ایسے قیدیوں کو مار ڈالنا جائز تھا۔ جنگِ ایکٹیم سے کچھ روز پہلے توِلصل ڈومٹیس اُس سے غدّاری کر کے اور اپنا مال اسباب، حشم و خدم سب کو چھوڑ کر آکٹیوین سے جا ملا۔ انطونی کا حوصلہ دیکھیے کہ اُس کا ساز و سامان ضبط کرنے کے بجائے یہ سارا اثاثہ اور اُس کے حشم و خدم کو بحفاظت اُس تک پہنچا دیا۔

جنگِ فلپی میں بھی ایک ایسا ہی واقعہ پیش آیا۔ انطونی کی خواہش تھی کہ بروٹس زندہ گرفتار ہو جائے مگر بروٹس کا ایک سردار لوسی لیس ساکھا کر گیا۔ اُسی ہنگامے میں کہ شورِ قیامت کا نمونہ تھا، اِسی جانباز نے بروٹس کو تو چلتا کیا اور خود کو بروٹس ظاہر کر کے گرفتار ہو کر پابہ جولاں انطونی کے سامنے آیا۔ بات کھل گئی اور اُس نے مردانہ وار اعتراف کیا کہ میں نے اِس بہانے بروٹس کی جان بچائی ہے۔ اب اُس کی جگہ خود جان دینے کے لیے موجود ہوں۔ گرفتار کرنے والے جنھیں لوسی لیس نے صاف چھانسا دیا تھا، بہت برہم ہوئے۔ مگر انطونی نے جو جاں نثاری کے ایسے کارناموں کا عاشق تھا، انھیں سمجھایا کہ "دوستو! اگرچہ بظاہر تمھیں اِس جوانمرد نے دھوکا دیا ہے۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ تم بروٹس کی جگہ اس سے بھی بڑے سورما کو لے آئے ہو۔ یہ دشمن نہیں بلکہ دوست ہے اور میں ایسے دوست بنانا باعثِ فخر سمجھوں گا" یہ کہہ کر لوسی لیس کو سینے سے لگایا اور جان بخشی کی۔ تھوڑی دیر بعد جب بروٹس نے خودکشی کر لی اور اُس کی لاش سامنے آئی تو انطونی نے بے حرمتی کے بجائے اِس بہادر کی میّت پر اپنا سُرخ لبادہ ڈال دیا اور پورے فوجی اعزاز سے اُس کی تجہیز و تکفین کا حکم دیا حالانکہ یہی بروٹس اُس کے دوست جولیس سیزر کا اور اُس کے حقیقی بھائی کائیس کا قاتل تھا۔ اسی طرح ایک بار جب لیپی ڈس کی ساری فوج اُس سے آملی تھی اور وہ اُس کی قید میں آچکا تھا، انطونی نے اصرار کر کے دوبارہ اُسے فوج کا سپہ سالار بنا دیا اور

ہمیشہ اسے ازراہِ تعظیم بابا کہہ کر مخاطب کیا کرتا تھا۔

نوجوانی کی جذباتیت اور عجلت اُس کے اکثر کاموں میں کارفرما تھی۔ ایک مرتبہ اپنے باورچی کو صرف ایک عمدہ عشائیے سے خوش ہو کر ایک اچھا مکان بخش دیا۔ اُس کی طبیعت کچھ ایسی واقع ہوئی تھی کہ جو بات دماغ میں سما جاتی اُسے فوراً کر گزرنے کے درپے ہو جاتا۔ یہ ایک طرح کی بے صبری ہے جو بڑے منصوبوں میں جائز نہیں اور اکثر خرابی کا باعث بنتی ہے۔ نوجوانی میں فوری شہرت حاصل کرنے کے لیے وہ کلاڈیس جیسے شورش پسند اور تند خو لیڈر کا حریف بن گیا مگر کچھ عرصے تک اُس آشوبِ عالم کے ساتھ بے ترتیبی کی زندگی گزارنے کے بعد جس تیزی سے دوستی کی تھی اتنی ہی تیزی سے الگ ہو گیا۔ اس کے بعد علوم و فنون کا مطالعہ کرنے کے لیے یونان جا پہنچا۔ میڈیا کی مہم میں بھی اُس نے اسی بے صبری کا مظاہرہ کیا کہ منجنیق وغیرہ فراہم کیے بغیر مہم پر روانہ ہو گیا۔ جنگِ ایکٹیم جس میں وہ تباہ ہوا بے صبری کی وجہ سے بگڑی تھی کہ اُس کی خودکشی بھی بڑی حد تک اسی بے تاب عجلت پسند طبیعت کا نتیجہ تھی۔

میدانِ جنگ میں یہی عجلت اُس کی آبائی شجاعت سے مل کر بے نظیر جرأت و بہادری کا ۲
رنگ اختیار کر لیتی تھی۔ اسی صفت نے اُسے کامیاب ترین جنرل بنایا۔ خونیں معرکوں میں اُس پر خوف و ہراس کی پرچھائیں تک نہ پڑتیں اور ہولناک خطرے اُس کے نزدیک ایک تفریح یا تماشا تھے۔ جس روز ارسطو بولس سے جنگ ہوئی ہے وہ سب سے پہلے غنیم پر حملہ آور ہوا اور سخت [illegible] کی لڑائی کے بعد اپنے سے دگنی گنتی فوج کو کاٹ کر رکھ دیا۔ اسی طرح معرکۂ پیلوسیم کے موقع پر انتہائی تیزی سے صحرا کو عبور کر کے یہ قلعہ فتح کیا اور بڑی ناموری حاصل کی۔ پومپی کے ساتھ جو جنگ ہوئی اُس میں کئی معرکے پیش آئے اور وہ ہر معرکے میں نمودار رہا۔ دو مرتبہ بے خوف قیادت سے اپنی سراسیمہ بھاگتی ہوئی فوج کو سنبھالا اور اُسے سمیٹ کر اس زور شور کا حملہ کیا کہ کھلی شکست کو فتح میں تبدیل کر دیا۔ جنگِ میڈیا میں پسپا ہونے کے بعد دوبارہ جنگ کے لیے تیار ہو جانا اسی خارق العادت شجاعت کا کرشمہ تھا۔ پلوٹارک کا بیان ہے کہ انھیں اوصاف کی بدولت اُس کی جنگی قابلیت کی دھوم تھی اور سیزر کے بعد وہ سب سے قابل جنرل سمجھا جاتا تھا۔

انطونی کی سپہ سالاری میں بمقابلہ ذہانت جرأت و شجاعت کو زیادہ دخل تھا۔ جنگِ فارسلیا

جیسے ہولناک معرکے میں سیزر نے میمنہ خود سنبھالا تھا اور میسرہ کی کمان انطونی کو اسی بھروسے پر دی تھی کہ وہ اپنی بے نظیر دلاوری اور سپاہیوں کے اعتماد و جاں نثاری کے پیش نظر ایک قابلِ اعتماد جنرل سمجھا جاتا تھا۔ اس کی شاندار پُروجاہت مردانہ شکل و شمائل دیکھ کر سپاہیوں میں وہ ڈرامائی حس بیدار ہو جاتی تھی جو اُن میں فوجی مظاہروں کے ذریعے سے پیدا کی جاتی ہے۔ علاوہ بریں سپاہیوں سے اُس کا دوستانہ برتاؤ اُن میں انفرادی جاں نثاری کا جذبہ بیدار کر دیتا تھا۔ ہر شخص یہی سمجھتا کہ جنرل کی نگاہ مجھ پر ہے بعض اوقات وہ اُن کے طعام خانوں میں چلا جاتا اور ساتھ بیٹھ کر مزے سے کھاتا پیتا۔ اُن کے فوجی کرتبوں میں حصہ لیتا اور پہلوانی، شمشیر بازی اور دوڑ میں بہترین سپاہیوں کا مقابلہ کرتا۔ اُسے ہر بڑے چھوٹے سے مذاق کرنے کی عادت تھی۔ یہ دل لگی اکثر فحاشی اور توہین کی حد تک پہنچ جاتی مگر مزہ یہ تھا کہ جب دوسرا اُسے برابر کا جواب دیتا تو وہ بہ خندہ پیشانی اُسے گوارا کرتا۔ غرض ان اوصاف کی بدولت ساری فوج اُس پر جان چھڑکتی تھی۔

ان اوصاف کے علاوہ اُس کی فصاحت و بلاغت کے بھی جھنڈے گڑے ہوئے تھے۔ یہ جوہر اُسے دادا سے ورثے میں ملا تھا جو ایک مشہور وکیل تھا۔ انطونی نے اس فن کی تعلیم نوجوانی میں بمقام ایتھنز حاصل کی تھی۔ اُس کا اندازِ تقریر مرصع و مسجع تھا جو سننے والوں کو مسحور کر لیتا۔ جس زمانے میں پومپی کے اقبال کا آفتاب نصف النہار پر تھا اور سیزر پس منظر میں پڑا ہوا تھا، انطونی نے مجلسِ عاملہ میں سیزر کے مراسلات ایسے بلیغ انداز میں پڑھ کر سنائے کہ سینیٹ کے ارکان کی خاصی تعداد اُس کی ہوا خواہ بن گئی۔ سیزر کی لاش پر اُس کی ہیجان انگیز تقریر کا سحر تم خود دیکھ چکے ہو کہ یہی تقریر قاتلوں کی بربادی کا سبب بن گئی۔ جب حریفوں کی سازباز نے اُسے روم سے نکال دیا تو وہ بھاگ کر لیپی ڈس کی فوج میں پہنچا اور سپاہیوں کے سامنے ایسی تقریر کی کہ ساری فوج اُس کی طرف مائل ہونے لگی۔ لیپی ڈس نے یہ ماجرا دیکھا تو فوجی بگل بجوانے کا حکم دیا جس میں اُس کی آواز دب گئی ورنہ اُس کی سحر انگیز فصاحت ضرور کوئی گُل کھلاتی۔ پلوٹارک کا بیان ہے کہ ہزاروں کے انبوہ سے خطاب کرنے اور فوج کو اپنی قوّتِ بیان سے مسحور کرنے میں کوئی شخص انطونی کا ہمسر نہ تھا۔ مقرر کی وجاہت، شاندار شکل و شمائل، بے تکلف فصاحت اور پُرجوش قوّتِ بیان بڑے سے بڑے انبوہ کو مرعوب کر دیتی ہیں اور اگر تقریر میں خلوص کا رنگ ہو تو لوگوں کے دلوں کو تسخیر کرنے

کے لیے اِس سے بڑا حربہ اور کوئی نہیں۔

ایک اور وجہ بھی تھی جس سے انطونی دوستوں اور سپاہیوں میں مقبول تھا۔ وہ عشق و عاشقی کے معاملات میں ہمیشہ دل باختہ عاشقوں کی حمایت کرتا اور اِس طرح انھیں دوست بنا لیتا۔ خود بھی رندی اور تماش بینی میں شہرۂ آفاق تھا۔ ہر روز کسی نئی معشوقہ سے دل لگاتا۔ یہ عورتیں اُس کی تونمندی اور وجاہت پر مرتی تھیں۔ غیروں کی بیویوں سے آشنائی رکھتا اُس بے اصول بداخلاق دور میں عام تھا۔ پھر بھی سنجیدہ اشخاص انطونی کی ان حرکتوں کو بُری نظر سے دیکھتے تھے۔ خود اس کی پہلی بیوی انطونیہ اُس کے دوست ڈولا بیلا سے الجھی ہوئی تھی۔ اِس لیے انطونی نے اُسے طلاق دے کر فلویا سے شادی کر لی تھی۔ وہ ایک تنومند شہوت پرست آدمی تھا اور اِس معاملے میں کسی اخلاقی ضابطے کا پابند نہ تھا۔ ازدواجی پاک بازی کی نہ اُسے تعلیم ملی تھی نہ یہ وصف اُس کے خمیر میں تھا۔ وہ اِس تماش بینی سے کبھی مخل نہ ہوتا اور خواہشاتِ نفسانی اُس کی نکیل پکڑے جس طرف لے جاتیں بے تامل ادھر جاتا۔ اپنے مورثِ اعلیٰ ہرقل کی طرح اُسے اپنی نسل کا اتنا غرور تھا کہ جس ملک میں جاتا اپنی نسل پھیلاتا اور اِس معاملے میں کسی ایک عورت کا ہرگز پابند نہ ہوتا۔

اُس کے مزاج میں کچھ بیدردی بھی تھی جس کا ایک نمونہ سسرو کا قتل ہے۔ سسرو نے انطونی کے سوتیلے باپ کو نیلیس لنطولس کو قتل کرکے اور غالباً اُس کی لاش کو بے گور و کفن رکھ کر انطونی کی قلبی دشمنی مول لی تھی۔ اُسی کی بدولت انطونی کو روم سے نکل کر کوہستان ایپس میں دھکے کھانے پڑے۔ بدمعاش ڈولا بیلا بھی، جس نے دوستی دوستی میں انطونی کے ننگ و ناموس پر ہاتھ ڈالا، اُسی کا داماد تھا۔ سسرو اپنی تحریر و تقریر میں پیہم انطونی کے خلاف زہر اُگلا کرتا تھا۔ اِس لحاظ سے یہ بات بالکل فطری تھی کہ جب آکٹیوین انطونی اور لیپی ڈس کی پنچایت نے روم کو مفسدہ پرداز لوگوں کے وجود سے پاک کرنے کا فیصلہ کیا تو سسرو سرِفہرست تھا۔ اور فوراً قتل کر دیا گیا۔ پلوٹارک کی روایت ہے کہ اُس کا سر اور داہنا ہاتھ کاٹ کر چوک میں آویزاں کیے گئے۔ انطونی نے یہ دیکھا تو سادگی سے ہنس کر خاموش ہو رہا۔ بایں ہمہ وہ نرم دل تھا اور دشمنوں پر شاذونادر سختی کرتا۔ اکثر آدمی اُسے طاقت، خوش دلی اور نیک دلی کا مرکب سمجھتے اور ہرقل و بکیس کا مجموعہ جانتے تھے۔

اُس کے مذہبی عقاید ہمیں معلوم نہیں۔ کچھ نہیں کہہ سکتے کہ وہ مذہبی شعائر کا کتنا پابند تھا۔ وہ اپنے

آپ کو بیکس یعنی اندر دیوتا کا اوتار کہلواتا تھا مگر اس سے بھی کوئی خاص نظریہ قائم نہیں کر سکتے۔ بس اُس کی افتادِ مزاج کو اس کا مذہب سمجھو۔ یہ ضرور ہے کہ وہ ضعیف الاعتقاد تھا اور فوق الفطرت عناصر کا قائل۔ نجومیوں کو مانتا تھا بالخصوص اُس مصری نجومی کو جس نے اُسے آکٹیوین کی طاقت سے متنبہ کرکے آنے والے واقعات سے آگاہ کیا تھا۔ ایک مقدس پیش گوئی کی تعمیل میں جنگ پارتھیا پر جاتے وقت زیتون کے پتوں کا ہار اور مقدس پانی ساتھ لے کر گیا۔ خواب کی تعبیر کا اعتقاد رکھتا تھا۔ ایک بار خواب میں دیکھا کہ میرے داہنے ہاتھ پر بجلی گری ہے۔ دن بھر مشوش رہا۔ آخر اپنے قاتلوں کا سراغ لگا لیا۔ اِس قسم کے اعتقادات اُن دِنوں ذی علم آدمیوں میں بھی عام تھے۔

وہ تقدیر کا دھنی تھا اور بار بار مصیبتوں کے طوفان میں ڈوب کر اچھلا۔ زندگی کے آخری سال تک قسمت اُس سے قول ہارے رہی لوگ یہ سمجھتے تھے کہ بیکس دیوتا (راجہ اندر) نے اُس کے پیکر میں ظہور کیا ہے۔ آخر جب اُس کا زوال آیا تو بعض اشخاص نے یہ بھی بیان کیا کہ کل رات ہم نے بیکس دیوتا کے اکھاڑے اور ناچ گانے کا غلغلہ سنا ہے جو انطونی کے کیمپ سے نکل کر آکٹیوین کی طرف جاتا معلوم ہوا۔ مؤرخ یہ کہنے پر مجبور رہے کہ ایسا خوش قسمت شخص اگر نشۂ عیش و نشاط میں مست رہا تو اُسے معذور سمجھنا چاہیے۔ پلوٹارک نے پتے کی بات کہی ہے کہ "مصائب میں انطونی بہت سنجیدہ و پاک باز ہو جاتا تھا"۔ اگر ہم اُس کی سیرت کا روشن پہلو دیکھنا چاہیں تو اُن ہوش رُبا واقعات پر نظر کریں جو اُسے رُوم سے خارج کیے جانے پر یا جنگ میڈیا سے پسپائی کے بعد پیش آئے۔ اُن دِنوں اس دیو قامت بچے نے اپنی طفلانہ شوخیاں چھوڑ کر متانت و سنجیدگی اختیار کر لی تھی۔ باقی عمر وہ اوّل درجے کا بے غم، قسمت کا لاڈلا، رند ہزار شیوہ بنا رہا۔ جسے کبھی دِل لگی، تمسخر، شراب نوشی اور عشق بازی سے عار نہ تھی۔ جس نے کبھی زبانِ خلق کی پروا نہ کی اور ایک دیوتا کی طرح دنیا کو اپنی گیند سمجھ کر اُس سے کھیلتا رہا۔

غرض یہ تھی وہ ہستی جس کی عرف سے ڈیلیس فرمانِ طلب لے کر قلوپطرہ کے حضور میں آیا تھا۔ ان دِنوں انطونی کا ستارہ عین عروج پر تھا۔ بادشاہ اور شہزادے اِس قہرمانِ مشرق کی جلو میں چلتے تھے، اور صاف دیکھتے تھے کہ تمام رومی مقبوضات کی عنانِ حکومت اُس کے ہاتھ میں آنے والی ہے۔ سیزر نے قلوپطرہ سے اُس کی لیاقتوں اور عیوب کا ذکر ضرور کیا ہوگا اور وہ خود بھی اُس کے کردار کی سادگی کا اندازہ رکھتی ہوگی۔ اُس نے انطونی سے ملنے کا فیصلہ کیا اور اطمینان سے اُس شخص کی ملاقات کے لیے روانہ ہوئی جس کا کردار نا قابلِ فہم ہونے کے بجائے سیدھا سادہ تھا۔ جو انسانی اوصاف و عیوب کا عظیم ترین مجموعہ تھا اور جسے بگاڑنے میں اُس کی خود سر بیوی بھی ایک حد تک ذمہ دار تھی۔

بارہ

قلوپطرہ اور انطونی کا اتحاد

متلوّن مزاج انطونی کو مٹھی میں لینے اور اپنے بیٹے سیزارین اور خود اپنے لیے اُس کی حمایت حاصل کرنے کی نیّت سے قلوپطرہ اپنے شاندار بیڑے میں اسکندریہ سے روانہ ہوئی۔ یہ بیڑا جزیرۂ قبرص اور شام سے گزرتا آخر صبح دم دریائے سڈنس کے دہانے میں داخل ہوا اور آہستگی سے شہر طارصص کی طرف بڑھا جو گھنے جنگلوں سے ڈھکے ہوئے کوہستانِ طارصص کے دامن میں واقع تھا۔ یہ شہر سمندری تجارت اور اپنے مدرسۂ خطابت کے لیے مشہور تھا۔ دور دور تک اِس کے دیوہیکل جہازوں کی شہرت تھی جن میں سوداگروں کے علاوہ اِس شہرۂ آفاق مدرسے کے مقرر سفر کرتے اور مہذب دنیا کے ہر حصّے میں جاکر اپنی درس گاہ کا نام روشن کیا کرتے تھے۔ جولیس سیزر اور کیٹو اِسی مدرسے کے فارغ التحصیل تھے۔ اب انطونی جیسے ذی جاہ رومی کے موجود ہونے سے اِس شہر کی شان اور بڑھ گئی تھی۔

یہ شہر دامنِ کوہ میں سمندر سے چند میل کے فاصلے پر تھا۔ جب قلوپطرہ کا بیڑا شاہانہ وقار سے بڑھتا شہر کی فلک بوس عمارتوں کے برابر آیا تو دوپہر ہو چکی تھی۔ جوں جوں بیڑا آگے بڑھا، شہر کے باشندے اس کا تجمّل دیکھنے کے لیے جوق جوق جمع ہوتے رہے۔ پھر جب لوگوں کی نظر ملکہ کے بجرے پر پڑی تو اُس کی آرائش دیکھ کر اُن کے جوش و خروش کی حد نہ رہی۔ شہر کے برابر میں دریا ایک چوڑی جھیل کی شکل اختیار کیے ہوئے تھا۔ یہیں قلوپطرہ کا بیڑا لنگر انداز ہوا۔ دریا کی گودیاں تماشائیوں سے کھچا کھچ بھر گئیں۔

انطونی چوک کے ایوان میں مسندِ صدارت پر بیٹھا ہی تھا کہ ملکہ کی آمد آمد کا غلغلہ سنا۔ اُسے خیال تھا کہ ملکہ خود ہی جہاز سے اُتر کر اظہارِ اطاعت کے لیے حاضر ہوگی مگر وہ کسی ایسی حرکت

کے لیے تیار نہ تھی جس سے اطاعت یا زیردستی کا اظہار ہو۔ اطمینان سے اپنے بجرے میں بیٹھی رہی گویا انطونی سے ملنے کی چنداں عجلت نہیں۔

اس دوران میں ملکہ کے بجرے کی آرائش اور تجمّل کا غُل مچ گیا تھا۔ لوگ کہتے تھے کہ بجرے پر انطونی کی ضیافت کی تیاریاں ہو رہی ہیں۔ لوگوں کے اشتیاق کا یہ عالم تھا کہ ہر شخص دربار بلکہ کاروبار کو طاق پر رکھ کر بجرے کی طرف چل پڑا۔ ذرا سی دیر میں ایوان خالی ہو گیا اور انطونی کے پاس صرف اُس کے امرا رہ گئے۔ اُس نے کچھ دیر انتظار کرنے کے بعد ملکہ کو پیغام بھیجا کہ کھانے پر تشریف لائیے۔ قلوپطرہ نے اُس کے جواب میں خود انطونی کو مدعو کیا کہ شہری عمائد اور رومی امرا کو ساتھ لے کر شام کا کھانا یہیں کھائیے۔ انطونی نے ردوبدل نامناسب سمجھا اور دعوت منظور کر لی۔ دن چھپے ملکہ نے اپنے بجرے کو ساحل سے لگا دینے کا حکم دیا جہاں انطونی اپنے امرا اور اکابر شہر کو ساتھ لیے بجرے میں چڑھنے کا منتظر تھا۔

اب انطونی نے، جو زرق برق مناظر کا دلدادہ تھا، حشمت و تجمّل کا وہ منظر دیکھا کہ مبہوت ہو کر رہ گیا۔ ڈوبتے سورج کی کرنوں نے سطحِ آب کو طلائی رنگ میں رنگ دیا تھا۔ شاہی بجرا، جسے ملّاح نقرئی چپوؤں سے کھے رہے تھے، ہولے ہولے اس منتظر مجمع کے قریب ہونے لگا۔ جہاز کے دُنبالے میں کئی ملّاح چوڑے پتوار لیے اُسے پھیرنے پر مامور تھے۔ اِسی دُنبالے میں حسین قمر طلعت کنیزیں قاف کی پریوں کی طرح کھڑی تھیں اور سازندے شہنائیوں، بربطوں اور مختلف سازوں سے مسحور کُن نغمے چھیڑ رہے تھے جن کے ساتھ چپوؤں کی نرم آواز تال دیتی معلوم ہوتی تھی۔ شام کی ساکت ہوا میں چمکیلے اودے بادبان خاموش لٹک رہے تھے۔ اس دلفریب منظر میں قلوپطرہ ایک زردوز شامیانے کے نیچے ڈھیلی ڈھالی زرتار پوشاک پہنے، حور پیکر کنیزوں کے درمیان زُہرہ کا مجسمہ بنی کھڑی تھی۔ چند خوش جمال لڑکے، کیوپڈ کے لباس میں ملبوس، شتر مرغ کے رنگین پروں کا مورچھل سنبھالے ہوا دے رہے تھے۔ شامیانے کے سامنے نازک نازک تپائیوں پر پیتل کے عود سوز دھرے تھے جن میں پُرتکلف نفیس مسالے سلگ رہے تھے۔ شاہی بجرا ابھی ساحل سے نہ لگا تھا کہ مُشک بو دھوئیں کی لپٹوں نے انطونی کے امرا کو بے خود کر دیا!

نزاکت کے ساتھ بجرا ساحل سے لگا اور اشتیاق کے ساتھ انطونی نے اُس پر قدم رکھا۔ معزز

امرا، اور ارکانِ شہر پیچھے پیچھے تھے۔ ملکہ نے شاہانہ وقار اور بھنچی ہوئی ادائے دلربائی سے استقبال کیا۔ انطونی کو رنجش تو بہت تھی مگر حشمت وتجمل کی اس دل فریب فضا میں، جب شفق کی سرخی سونا بکھیر رہی تھی، فضا پر نشہ طاری تھا، موسیقی جادو جگا رہی تھی اور قلوپطرہ مجسم حسن وجمال بنی پیشوائی کے لیے کھڑی تھی، وہ ساری گلہ مندی بھول گیا۔ کسی متین گفت وشنید کی نوبت نہ آئی کیونکہ معاً یہ لوگ آراستہ طعام خانے میں داخل ہو گئے جہاں پرتکلف کھانے چنے رکھے تھے۔ اس کمرے میں، جو شبستاں کا نمونہ تھا، بارہ صوفے قرینے سے لگے ہوئے تھے۔ سبھوں پر گل تکیے اور گدیلے اُن کے اوپر کارچوبی چادریں پڑی، ہر ایک کے سامنے ایک میز لگی ہوئی، جس پر جواہرات سے جڑی طلائی پلیٹیں، اور نازک نازک جام رکھے تھے۔ کمرے کی دیواروں پر کارچوبی کے اودے زرتار پردے پڑے تھے اور فرش پر پھول بکھرے تھے۔ اس سحر انگیز منظر سے بیخود ہو کر انطونی کے منہ سے بے ساختہ آفریں نکلی۔ ملکہ نے معذرت کرتے ہوئے کہ آپ کے شایانِ شان تواضع نہ ہو سکی، کہا کہ یہ سارا سامان معزز مہمانوں کے ساتھ جائے گا۔ بارے کھانا ختم ہوا۔ مہمان، جو پرتکلف ضیافت اور مصر کی مئے مشک بو کے اثر سے سرخوش تھے، عرشے پر آئے تو خوش نما جھاڑوں کے چراغاں سے اُسے طُور کا نمونہ پایا۔ یہ جھاڑ مصنوعی درختوں کی شاخوں سے آویزاں تھے۔ یہاں وہ حسین وجمیل ملکہ کی صحبت سے لطف اندوز ہوتے رہے۔ رات بھیگتی گئی، دورِ جام چلتا رہا یہاں تک کہ شراب کی صراحیاں خالی ہو گئیں اور شمعوں کی تابانی مدھم پڑنے لگی!

مرصّع جہاز کے عرشے پر ضیا پاش جھاڑوں کی روشنی میں دادِ طرب دینے والا یہ مجمع ساحل کے تماشائیوں کو اندر کا اکھاڑا معلوم ہوا۔ اگلے ہی دن شہر میں چرچے تھے کہ قلوپطرہ جو زہرہ کی مظہر ہے انطونی سے (جو ڈائنی سس کا اوتار ہے) ملنے اور ایشیا والوں پر برکت نازل کرنے کے لیے آئی ہے۔ اکثر مؤرخوں کا خیال ہے کہ شان وشوکت کا یہ اظہار، جو قلوپطرہ نے کیا، محض نام ونمود کے لیے تھا۔ مگر ایسا نہیں۔ وہ دراصل یہ چاہتی تھی کہ اس ملاقات میں انطونی پر اپنی شاہانہ شان وشوکت کے علاوہ ملکوتی تقدّس کا نقش بٹھائے اور اُس کے دل نشیں کر دے کہ سیزر بھی مجھے زہرہ کا مظہر سمجھتا تھا۔ اُس دور میں کسی عظیم انسان کو دیوتاؤں کا مظہر سمجھنا عام تھا۔ مثلاً آکٹیوین کی بیٹی جولیا کو بعض شہروں میں زہرہ کا مظہر مانا جاتا تھا۔ سیزر کو لوپرکس یعنی برہما کا اور انطونی کو ڈائنی سس

کا اوتار سمجھتے اور ان کا کماحقہٗ احترام کرتے تھے۔ غرض اُس رات لوگ یہی سمجھے کہ زہرہ آسمان سے اتر کر ڈائنی سس کے اوتار انطونی سے ملنے آئی ہے!

اگلی شام انطونی نے قلوپطرہ کی ضیافت کی مگر اب کی بار پھر ملکہ نے انطونی اور اس کے اُمرا کو مدعو کیا۔ یہ دوسری دعوت تھی اور اس اہتمام کی پہلی دعوت کا ٹھاٹھ اس کے سامنے ہیچ ہو کر رہ گیا۔ ضیافت کے بعد جب مہمان رخصت ہوئے تو قلوپطرہ نے بدستور سابق وہ سونے کی پلیٹیں اور جام جو مہمانوں نے استعمال کیے تھے انھیں کو دے ڈالے بلکہ اس مرتبہ اتنا تکلف اور کیا کہ زیادہ ذی جاہ مہمانوں کو دو دو غلام اور ایک ایک مشعل بردار بھی بخش دیا کہ سامان سمیت اپنے نئے آقا کے گھر جائیں۔ اُن کے کم درجہ اُمرا کو زریں ساز و یراق والے گھوڑے انعام میں دیے کہ دعوت کی یادگار کے طور پر رکھیں۔

اگلے دن انطونی نے قلوپطرہ کی ضیافت کی اور شہر طارصص کے ساز و سامان اور نعمتوں کو انتہائی محنت سے ترتیب دیا کہ یہ ضیافت اپنے تکلفات میں اُن دعوتوں کا جواب ہو سکے جو قلوپطرہ دے چکی تھی۔ مگر مقابلتہً یہ ضیافت اتنی بے لطف تھی کہ انطونی نے اپنی بدسلیقگی کا خود مذاق اُڑایا۔ قلوپطرہ کی دعوتوں میں صدیوں کی تہذیب کے تکلفات، ایک نفیس پُر ذوق فضا، خود اس کی دل فریب شخصیت اور بذلہ سنجیاں تھیں اور یہاں کیا تھا؟ بد ذوقی اور بدسلیقگی جسے پلوٹارک دہقانی بے تمیزی سے تعبیر کرتا ہے۔ ملکہ کی خوش مزاجی قابل داد ہے کہ اس ناخوش گوار ماحول میں بھی اپنے بے ذوق، رومی میزبان سے بے تکلف ہو گئی اور اس کی دل لگی میں، جس سے درباری تہذیب کے بجائے دہقانیت کی بو آتی تھی، برابر کی شریک رہی۔ اس ادا سے وہ روم کے مختار کو اپنی طرف مائل کر لینے اور اپنا جانی دوست بنا لینے میں کامیاب ہو گئی۔ ملکہ کی موجودگی اُس کی لطافت بھری دل فریب شخصیت اور سحر کار آواز بے تحاشا دل کو کھینچتی تھی مگر ان سب سے بالاتر ایک اور وصف تھا یعنی شاہانہ تمکنت آمیز وقار جو اہم مسائل پر گفتگو کرنے میں اُس کے انداز سے مترشح ہو رہا تھا۔

انطونی کو قلوپطرہ سے کچھ گلہ مندی تھی لیکن ملکہ نے اُسے اِس طرح متاثر کیا کہ خود اپنی غلطیوں کا اعتراف کرتے بنی۔ اُسے احساس ہوا کہ فی الواقع میں نے آکٹیوین سے اتحاد کر کے مرحوم سیزر کے مفاد کو زک پہنچائی ہے۔ اور قلوپطرہ نے جو مجھے برمحل امداد دینے سے گریز کی۔ اُس کا سبب

یہ ہے کہ اُسے اپنے بیٹے سیزار ین کی فلاح و بہبود مدِنظر تھی۔ سیزر کی زندگی میں انطونی نے کبھی قلوپطرہ کی دل فریب شخصیت کا اثر پورے طور پر قبول نہیں کیا مگر اب یہ جادو سر چڑھ کر بول رہا تھا۔ اُس نے ملکہ سے پختہ وعدہ کیا کہ میں ہر معاملے میں تمھاری خوشنودی ملحوظ رکھوں گا۔

اگلی رات ملکہ نے رومی افسروں کو دعوت دی۔ اِس مرتبہ منجملہ اور تکلفات کے یہ اہتمام بھی تھا کہ فرش پر گھٹنوں گھٹنوں تک گلاب کے پھول بچھاتے تھے۔ اوپر سے باریک جال بچھا کر اُسے کھونٹیوں سے کس دیا تھا کہ پھول منتشر نہ ہونے پائیں۔ مصارف کا اندازہ یوں کر لیجیے کہ صرف پھولوں پر اڑھائی سو پونڈ خرچ ہوتے تھے۔ کئی دن تک یہی اللے تللے ہوتے رہے۔

مقصد یہ تھا کہ انطونی کے دل پر مصر کی دولت کا سکہ بٹھا کر اُسے اپنے ساتھ ملا لیا جائے اور مصر کے بے پایاں وسائل سے متاثر کر کے آکٹیوین سے لڑا دیا جائے تاکہ سیزار ین کے لیے میدان صاف ہو جائے۔ ان دعوتوں میں اُس نے مصر کی دولت و عظمت کا مظاہرہ کر کے انطونی کے دل میں یہ لطیف خلش پیدا کر دی کہ خواہ وہ کتنی ہی کوشش کیوں نہ کرے، اُس کی ضیافت میں قلوپطرہ کی دعوتوں کا سا پرستانی عالم پیدا نہ ہوگا!

انطونی اپنی ناکامی سے کچھ پریشان سا ہوا اور ملکہ سے پوچھا کہ ضیافت کی شان بڑھانے کی کیا تدبیریں ہیں۔ ملکہ نے اہتمام اور مصارف کا حوالہ دیتے ہوئے کہا کہ میری ایک دعوت میں تخمیناً ڈیڑھ لاکھ پونڈ خرچ ہو جاتا ہے۔ انطونی کو کچھ شک ہوا۔ ملکہ نے جواب دیا کہ شک ہے تو کل میری دعوت میں آؤ اور خود اندازہ کر لو۔ دونوں میں کچھ شرط بھی بدی گئی۔ ایک درباری پلینکس ثالث مقرر ہوا۔ انطونی جانتا تھا کہ کلوڈیس اپنے کھانے میں پگھلے ہوئے موتی ڈلوایا کرتا تھا مگر اِس موقع پر اُسے یہ خیال نہ آیا ورنہ ڈیڑھ لاکھ کی رقم زیادہ نہ سمجھتا اور ملکہ سے شرط نہ بدتا۔ غرض اگلے دن انطونی دعوت میں شریک ہوا۔ کھانے کے بعد پلینکس کے ساتھ طلائی ظروف اور سامان کا تخمینہ لگایا تو وہ ڈیڑھ لاکھ پونڈ سے کچھ کم نکلا۔ ملکہ کی طرف دیکھا تو اُس نے اطمینان سے کہا کہ اِس میں میرے آخری جام کا خرچ اور شامل کر لو۔ یہ کہہ کر خادم کو اشارہ کیا جس نے ایک گلاس میں تھوڑا سا سرکہ لا کر رکھ دیا۔ اُس وقت ملکہ کے گوشواروں میں ڈیڑھ لاکھ پونڈ کے دو بڑے بڑے گول خوش رنگ موتی پڑے تھے۔ ملکہ نے ایک موتی نکال سرکے میں ڈال دیا جو فوراً پانی ہو گیا۔ پھر

اس کا گھونٹ بھر کر جام خالی کر دیا۔ اس طرح ستر اسی ہزار کا ایک گھونٹ قلو پطرہ کے نورانی گلے میں اُتر گیا۔ دوسرا موتی گھولنا چاہتی تھی کہ پلینکس نے روکا اور کہہ دیا کہ آپ شرط جیت گئیں۔ انطونی دم بخود سوچتا رہ گیا کہ عورتیں کتنی فضول خرچ ہوتی ہیں!

اِس واقعے سے یہ نتیجہ نکالنا غلط ہوگا کہ قلو پطرہ محض اپنی دولت کا نقش بٹھانا چاہتی تھی۔ اکثر یونانی مؤرخ یہی لکھتے ہیں کہ ملکہ حد درجہ فضول خرچ تھی مگر واقعہ یہ ہے کہ ملکہ کی بے تکلف سادہ پُرکاری اور ادائے بے نیازی کی تہ میں سیاسی حکمت پوشیدہ تھی۔

قارئین کو چاہیئے کہ قیامِ طارسس کے دوران میں ملکہ نے دولت و ثروت کے جو مظاہرے کیے اُن کی علت نمائی پر نظر رکھیں۔ بالعموم ملکہ اور انطونی کے اتحاد کی بابت بعض لغو داستانیں مشہور ہیں۔ حقیقت صرف اتنی ہے کہ قیامِ طارسس میں اِن شاندار ضیافتوں سے قلو پطرہ کا مقصد یہ تھا کہ انطونی کو مصر کے بے پایاں وسائل کا یقین دلا دے۔ وہ اُس کے دل پر یہ نقش بٹھانا چاہتی تھی کہ اگر تم میری اور میرے بیٹے کی حمایت کا فیصلہ کرلو تو وادیٔ نیل کی دولت، جو سال بہ سال شاہی خزانے میں بہتی ہوئی آتی ہے تمھارے تصرف میں ہوگی۔ وہ جانتی تھی کہ انطونی ہی وہ شخص ہے جو اپنی جوانمردی سے مجھے اور سیزارین کو اُس تختِ حکومت کا مالک بنا سکتا ہے جس سے سیزر کی قبل از وقت موت نے مجھے محروم کر دیا ہے۔ جاہ و ثروت کی یہ نمائش نری شیخی بازی نہ تھی۔ وہ انطونی کو مصر کی دولت اور وسائل سے روم پر حملہ کرنے کے امکانات سمجھا رہی تھی اور با ہمت جواریوں کی طرح پانسا پھینک رہی تھی۔ دس پانچ لاکھ پونڈ، دو چار سو طلائی ظروف یا ایک بیش قیمت موتی کو انطونی کی خاطر داؤں پر لگا دینا کچھ مہنگا سودا نہ تھا۔ فوجوں کی سپہ سالاری کے لیے سیزارین بالکل نوعمر تھا، وہ خود اس کام کی اہل نہ تھی۔ اِس لیے ضروری ہوا کہ انطونی کی حمایت حاصل کی جائے۔ جانتی تھی کہ بس ایک بار انطونی کو پُراسرار افریقہ کی دولت کی جھلک دکھا دی جائے۔ وادیٔ نیل کی جاہ و حشمت سے آگاہ کر دیا جائے اور ہندوستانی تجارتی راستے کی اہمیت سمجھا دی جائے تو سیزر کی طرح یہ رومی قہرمان بھی مٹھی میں آجائے گا۔ پھر میدان صاف ہے۔ انطونی کی حمایت میں وہ سب منصوبے پورے ہوجائیں گے جو سیزر کی قبل از وقت موت نے بگاڑ دیے تھے۔

ان دنوں چند اہم امور غور طلب تھے۔ شہزادی آرصینو جس کی سیزر کے جشنِ فتح پر جاں بخشی ہو گئی تھی، آج کل بمقام ملیٹس آرطمیس کے مندر میں مقیم تھی۔ وہاں کی راہب عورتیں اور مرد اُس کے رفیق اور بڑا پجاری اُس کا حامی تھا۔ وہ اُس کی عزت بہ حیثیت ملکہ کرتا تھا۔ آرصینو کی رگوں میں شاہی خون اور دل میں بڑے ولولے تھے۔ وہ منصوبے بنا رہی تھی کہ جس طرح کبھی اسکندریہ کے شاہی محل میں گینی میڈز کی حمایت سے قلوپطرہ کے استیصال کی کوشش کر چکی تھی، اب پھر مصر کا تخت حاصل کرنے کے لیے قسمت آزمائی کرے!

یہ بیان ہو چکا ہے کہ سیزر نے قیامِ مصر میں جزیرہ قبرص کی حکومت آرصینو اور چھوٹے شہزادہ کو عطا کر دی تھی۔ اس طرح آرصینو اپنے آپ کو ملکہ تو کہلوانے لگی مگر عملاً اُسے حکومت ملی نہیں تھی۔ پچھلے ہنگاموں میں اُس نے کیسئیس اور بروٹس سے امداد کا معاہدہ کر لیا تھا اور شاید یہ طے ہوا تھا کہ وہ اُسے مصر کا تختِ حکومت حاصل کرنے میں مدد دیں گے۔ پچھلے باب میں ہم پڑھ چکے ہیں کہ قبرص کے وائسرائے نے قلوپطرہ کی اجازت کے بغیر بحری بیڑا کیسئیس کے حوالے کر دیا تھا۔ ممکن ہے وہ اِسی بسازباز کا نتیجہ ہو۔ قلوپطرہ نے انطونی کی رضامندی سے اِس خلش کو ختم کرنے کا فیصلہ کیا۔ ایک فوجی دستہ قبرص بھیجا گیا جس نے آرصینو کو مندر میں قربان گاہ کی سیڑھیوں پر قتل کر دیا۔ بڑا پجاری شریکِ سازش سمجھا گیا مگر مندر والوں نے ہزار جتن کر کے اُس کی جان بخشی کرائی۔ وائسرائے سیرافین کے بچنے کی کوئی صورت نہ تھی، اگر فنا رہو کر قتل ہوا۔

اِس طرح ایک خلش کا تو خاتمہ ہوا مگر اتنی ہی بڑی ایک اور تشویش باقی تھی۔ ہمیں یاد ہے کہ جب سیزر نے بڑے شہزادے بطلیموس چہاردہم کو دریائے نیل کے کنارے شکست دی تھی تو وہ فرار کرتے ہوئے دریائے نیل میں ڈوب گیا تھا اور اُس کی لاش طلائی زرہ بکتر سے پہچانی گئی تھی۔

اب ایک شخص اِس بات کا مدعی بن کر کھڑا ہوا تھا کہ میں ہی شہزادہ بطلیموس ہوں اور اپنا حق لینے کے لیے بحمداللہ زندہ سلامت ہوں۔ یہ شخص فونیشیا میں مقیم تھا اور اپنی بہن آرصینو اور سیرافین وائسرائے سے خط و کتابت کر رہا تھا۔ انطونی نے اس مدعی کے قتل کی بھی اجازت دے دی۔ اور چند ہفتے بعد اُسے خاموشی سے قتل کر دیا گیا۔

مؤرخ ان واقعات کو قلوپطرہ کی سنگ دلی اور ناقابلِ تسکین ہوسِ جاہ پر مبنی سمجھتے اور ان

تینوں اشخاص کے قتل کو سفاکی سے تعبیر کرتے ہیں۔ بالخصوص شہزادی آرسینوے کے قتل کو قلوپطرہ کے سیاہ دامن کا سیاہ ترین داغ قرار دیتے ہیں مگر مجھے اِن واقعات میں سفاکی نظر نہیں آتی۔ یہ اُس عہد کا عام طریقہ تھا۔ آرسینوے کا قربان گاہ کی سیڑھیوں پر قتل کر دیا جانا واقعی دردناک ہے مگر کیا کیا جائے۔ ہر فرمانروا کا یہی طریقہ رہا ہے کہ تاج و تخت کے مدعیوں کو جس طرح ہو صفحۂ ہستی سے مٹا کر سکون و اطمینان کا سانس لے۔

طارصص میں قلوپطرہ کا قیام صرف چند ہفتے رہا مگر اِس مختصر مدت میں متعدد امور کی تکمیل خاطر خواہ ہو گئی۔ مدعیانِ تخت و تاج کا کانٹا نکال دینے کے علاوہ وہ انطونی کو اپنا ہوا خواہ بنانے میں کامیاب ہو چکی تھی اور اُس سے وعدہ لے چکی تھی کہ اسکندریہ آکر مصر کے لامحدود ذرائع بچشم خود دیکھے سیزر کی موت کے بعد اور پہلی بار اُس نے روشن مستقبل کی جھلک دیکھی اور بحیرۂ روم سے گزر کر اپنے دارالسلطنت کو واپس جاتے وقت کاملاً مطمئن تھی۔

تیرہ

قلوپطرہ اور انطونی اسکندریہ میں

بلاشبہہ ان دنوں انطونی، قلوپطرہ سے رشتۂ اتحاد قائم کرنے کا آرزومند تھا۔ صورتِ حال کا تقاضا تھا کہ اپنے منصوبوں کی تکمیل کے لیے وہ ایک ایسے ہی حلیف کا انتخاب کرے۔ آکٹیوین سے اُس کے تعلّقات کشیدہ ہوتے جا رہے تھے۔ بالخصوص جنگِ فلپّی میں اُس کی نفرت انگیز ناکارکردگی نے اُسے نظروں سے بالکل گرا دیا تھا۔ رہا پنچایتی اتحاد، سو یہ محض عارضی معاہدہ تھا جو ان دو سرداروں میں سے کسی ایک کے غالب آتے ہی خود بخود ٹوٹنے والا تھا۔ آکٹیوین کا زوال اُس کی دلی تمنا تھی، جس کے حصول کے لیے قلوپطرہ کا اتحاد اور مصر کے مالی ذرائع اور فوجی وسائل سے استفادہ کرنا ازبس ضروری تھا۔

جنگِ فلپّی کے بعد آکٹیوین روم واپس چلا گیا تھا۔ انطونی کو اطلاعیں آ رہی تھیں کہ فوج جو دو لوگ سرداروں کی مشترکہ قیادت میں ہے، مالِ غنیمت اور انعامات کے بارے میں سخت بددل ہے۔ فوج کا ایک حصّہ آکٹیوین کا ہوا خواہ تھا مگر انطونی کے طرفدار کہتے تھے کہ ہمارا دریا دل سردار موجود ہوتا تو کھلے دل سے انعامات دیتا۔ انطونی کے طرفدار بالخصوص اُس کی بیوی فلویا اختلاف کے شعلوں کو از خود ہوا دے رہے تھے۔ خود انطونی کا خیال تھا کہ آکٹیوین سے اُس وقت تک اُلجھنا اچھا نہیں جب تک کامیابی کا یقین نہ ہو۔ دراصل وہ آکٹیوین سے اُلجھنے کے بجائے پارتھیا (ایران) کی مہم پر متوجہ تھا۔ متوفّی سیزر نے اُسے پارتھیا کی مہم کا شوق دلایا تھا اور غالباً آخری دنوں میں انطونی پارتھیا کے ساتھ فتحِ ہندوستان کا بھی خواب دیکھ رہا تھا۔ غرض اس وقت انطونی کا ذہن تین منصوبوں کی جولاں گاہ بنا ہوا تھا۔ اوّل قلوپطرہ سے مکمل اتحاد تاکہ وقتِ ضرورت مصر کی فوج، بحری بیڑے اور دولت سے کام لے سکے۔ دوم پارتھیا کی فتح تاکہ مشرقی ممالک کی لوٹ سے لدا پھندا روم میں داخل

ہوا اور رومیوں کی آنکھ کا تارا بننے یعنی آکٹیوین کے ساتھ جنگ تاکہ اُسے صفحہ ہستی سے مٹا کر نصف دنیا کا قہرمانِ مطلق بن جائے۔ یہ تھے وہ منصوبے جن کی تکمیل کے بعد منزلِ مقصود کا زیرِ قدم آنا یقینی تھا یعنی سیزر کی طرح بادشاہی کا لقب اختیار کرتا، قلوپطرہ سے شادی رچانا اور ایک شاہی خاندان کی بنیاد رکھنا خواہ اپنے سوتیلے بیٹے سیزارین سے یا اپنی صلبی اولاد سے جو قلوپطرہ کے بطن سے پیدا ہو۔

غرض ان امیدوں کے ساتھ، جو قلوپطرہ کی آرزوؤں سے عین مطابق تھیں۔ اکتوبر ۴۱ ق م میں انطونی نے سفرِ اسکندریہ کی تیاری کی۔ ڈلیڈس سکسا کو، جو متوفی سیزر کا قابلِ اعتماد جرنل تھا، فوج کی کمان سونپی اور ہدایت کردی کہ مجھے اہلِ پارتھیا کی نقل و حرکت سے مطلع رکھنا اور مہم کی تیاری کرتے رہنا۔ اورودس شاہِ پارتھیا نے لبی نس نامی ایک رومی غدار کی خدمات حاصل کرلی تھیں، جو کیشیس اور بروٹس کا ساتھی رہ چکا تھا۔ یہ شخص اور شہزادہ پکورس فوج کی تنظیم کرکے انھیں نزدیک کے رومی صوبوں پر حملے کے لیے تیار کر رہے تھے۔ جنگ شروع ہونے ہی کو تھی اور انطونی ضروری سمجھتا تھا کہ جلد از جلد مصر کے بیڑے اور فوج کو تصرف میں لے آئے۔

اِس مقصد سے اسکندریہ روانہ ہونے والا تھا کہ روم کے جھگڑوں کی اطلاع آئی۔ اُس کا بھائی لوشیش انطونیس اور بیوی (فلویا) آکٹیوین پر حملہ کرنے کی تیاریوں میں مصروف تھے۔ انطونی کو تشویش ہوئی کہ روم پہنچے یا توقف کرے، صورتِ حال خاصی پریشان کن تھی۔ اُسے خوب اندازہ تھا کہ موجودہ حالات میں آکٹیوین سے اُلجھنا سودمند نہ ہوگا۔ اس کے برعکس عین ممکن تھا کہ جنگ اُس کی تباہی کا پیش خیمہ بن جائے۔ سوچتا تھا کہ روم پہنچوں تو ممکن ہے یہ جھگڑا دب جائے اور وقتِ مناسب تک دبا رہے، لیکن مصالحت کی کوشش ناکام رہی تو ایک ایسی جنگ شروع ہو جائے گی جس کے لیے میں ابھی تیار نہیں۔ غالباً اِسی کشمکش میں اُس نے یہ فیصلہ مناسب سمجھا کہ چند ہفتے کے لیے روم کے جھگڑے سے الگ ہو کر اسکندریہ کے بحری بیڑے اور فوج کو ہاتھ میں لے لے اور پارتھیا کی مہم کے پردے میں اتنی فوجی قوت بہم پہنچا لے کہ اگر آکٹیوین از خود ٹکر لینے کے لیے بڑھے تو اُسے دنداں شکن جواب دے سکے۔ بعض اور وجوہ بھی تھیں جن کے پیشِ نظر یہی فیصلہ مناسب معلوم ہوا۔ روم جا کر اپنی خود سر بیوی فلویا کے اشاروں پر چلنا اُسے بے لطف معلوم ہو رہا تھا۔

اُس کے بجائے یہ تصور کہیں زیادہ دلکش تھا کہ اسکندریہ پہنچ کر قلوپطرہ کی جادو بھری دلنوازی کا لطف اُٹھائے۔ وہ سیاست دانی سے چنداں بہرہ یاب نہ تھا مضطرب فطرت کے تقاضے جس طرف لے چلتے اُدھر چلا جاتا۔ اب کہ روم کے جھگڑوں میں اُلجھنا یوں بھی خلافِ مصلحت تھا، اُس نے دل اور دماغ کے متفقہ تقاضے تسلیم کر لیے۔

غرض نومبر ۴۱ ق، م میں انطونی اسکندریہ کے شاہی گھاٹ پر لنگر انداز ہوا جہاں قلوپطرہ اپنے ذی جاہ مہمان کا استقبال کرنے کے لیے کھڑی تھی۔ تفریح و مدارات کے وہ تمام ذرائع؛ جو شاہی دربار کے تکلفات سے بہم پہنچ سکتے تھے، اُن کی آن میں فراہم ہو گئے اور لذت کوش انطونی کچھ دنوں کے لیے عیش و عشرت میں ایسا کھویا گیا کہ روم کی شورش انگیز صورتِ حال قطعاً فراموش ہو گئی۔ اس کے برعکس قلوپطرہ کی ہوش مندی برقرار تھی۔ حوصلہ مندی کی آگ، جو سیزر نے اُس کے دل میں بھڑکائی تھی، طارسس کے قیام سے اور تیز ہو چکی تھی۔ اُسے انطونی کی اثر پزیری کا صحیح اندازہ تھا اس لیے ذاتی فسوں خیز شخصیت کے علاوہ اپنی دولت اور طاقت کا نقش اُس کے دل پر بٹھانے میں سرگرم تھی۔

اب انطونی اُن رنگ رلیوں میں غرق ہو گیا جن کی بقول پلوٹارک "کوئی حد تھی نہ حساب" اُسے آج تک اتنی رنگین صحبتیں دیکھنے کا اتفاق نہ ہوا تھا، سر سے پاؤں تک مستی میں ڈوب گیا۔ انطونی کے خاندان کا طرزِ زندگی سیدھا سادہ تھا مگر عیش و عشرت کے رسیا انطونی نے گلچھرے اڑانے اور دولت برباد کرنے کے طریقے سیکھ لیے تھے۔ پھر بھی روم کی تمام رنگینیاں قصرِ شاہی کے تعیشات کے سامنے ہیچ تھیں۔ روم کے متعدد اداکار مرد اور عورتیں اُس کے دوست تھے مگر اُن پر دربارِ شاہی کی شستہ تہذیب کا سایہ بھی نہ پڑا تھا۔ یہ لوگ لطافت و نزاکت کا سبق سیکھنے کے بجائے تند و تیز شرابیں پینے اور گھٹیا مذاق کے عادی تھے۔ اسکندریہ میں انطونی نے نزاکت و تہذیب کے پروردہ حسن و جمال اور ناز و ادا کے وہ مرقعے دیکھے کہ بیخود ہو گیا۔ اسکندریہ اُس زمانے کا پیرس تھا۔ شہوت پرست دمی انتہائی مہذب مردوں اور عورتوں کے ہجوم میں گھرا ہوا تھا جو تعیش پرستی کے عاشق تھے۔ قلوپطرہ نے مسلسل محبت آمیز سلوک کر کے اُسے بتا دیا تھا کہ اگر وہ پوری رفاقت کے لیے تیار رہو تو مصر کی دولت اور قصرِ شاہی کی ہر چیز اُس کی ملکیت ہو گی۔

قیامِ اسکندریہ میں انطونی بالکل مقامی رنگ میں ڈوب گیا تھا۔ رومی لباس چھوڑ چھاڑ دربار کا یونانی لباس اور سفید چوغے پہن لیے۔ یونانی زبان بولنے لگا جو درباری امرا سے بے تکلف ہونے کے لیے ضروری تھی۔ اکثر اوقات مندروں، عجائب خانوں اور اہلِ علم کے مذاکرات میں شریک تھا۔

بایں ہمہ وہ ملکہ کو اپنی طرف مائل کرنے سے بھی غافل نہ تھا۔ اُسے معلوم تھا کہ ملکہ اپنے شاہی خاندان کی بنیاد رکھنے کے لیے ایک شریکِ زندگی کی ضرورت مند ہے۔ بے شک اِس مطلب کے لیے اُس سے زیادہ موزوں اور کوئی شخص نہ تھا۔ اُسے اندازہ تھا کہ جوان بیوہ کی حیثیت سے وہ ایک ایسے شوہر کی خواہاں ہے جو فکر و تشویش کے لمحات میں اُس کا دل تھام سکے۔ اور تنہائی میں دلجوئی کر سکے۔ یہ بھی احساس تھا کہ وہ میری تونمندی اور شاندار وجاہت میں کشش محسوس کرتی ہے اور میں اُسے اتنی ہی آسانی سے مائل کر سکتا ہوں جس طرح سیزر نے کر لیا تھا۔ قلوپطرہ جذباتی تھی اور بیوگی کی روح فرسا تنہائی سے عاجز۔ انطونی صاف دیکھ رہا تھا کہ ان وجوہ سے اور سیاسی اغراض کے پیشِ نظر وہ ایک قابلِ اعتماد شوہر کی ضرورت مند ہے۔ اُس نے گرم جوشی سے ملکہ کی آرزوؤں کا جواب دیا اور پُر جوش جذباتی مزاج کے تقاضے سے مجبور ملکہ نے بھی بخوشی اپنے آپ کو اُس کے حوالے کر دیا!

ارکانِ دربار اور نمائندانِ مذہب نے اِس رشتے کو بہ نظرِ استحسان دیکھا اور سابقہ رشتے کی طرح یہ ازدواج بھی قانونی تسلیم کیا گیا۔ قلوپطرہ نے انطونی سے رفاقت و امداد کا پختہ وعدہ لے لیا اور جس طرح سیزر پر بھروسا رکھتی تھی، اُس پر بھی کامل اعتماد کرنے لگی۔ سیزر نے ملکہ کے اعتماد کو سچّا کر دکھایا تھا۔ وہ اُسے اپنی ملکہ کی حیثیت سے روم لے گیا تھا اور صاحبِ تخت و تاج بنانے کی فکر میں تھا۔ قلوپطرہ کو فطرتاً یقین ہو گیا کہ سیزر کا جائز جانشین انطونی بھی میرے لیے دنیا کا تختِ سلطنت حاصل کرے گا جس پر وہ اور میں باہم حکومت کریں گے۔ اُسے دلی مسرت تھی کہ اِس رشتے سے مجھے ایک وجیہ، تونمند شوہر اور ایک زبردست حامی ہاتھ آیا ہے۔

اکثر مؤرخ سوچتے ہوں گے کہ یہ رشتہ سیاسی اغراض اور رومانی دل فریبی کا دلچسپ مجموعہ تھا مگر میری رائے میں اوّل اوّل جوان جذبات کی گرم جوشی غالب رہی ہوگی۔ دونوں کو احساس ہوا ہوگا کہ دیوتاؤں نے انھیں ایک دوسرے کے لیے پیدا کیا ہے۔ اُس کے بعد سیاسی اہمیت برسرِکار آئی ہوگی۔

بہر حال انطونی ملکہ کی نزاکت و لطافت کے زیر اثر آکر ذی علم لوگوں میں اُٹھنے بیٹھنے لگا۔ ملکہ نے اپنے بیتاب جوشیلے مزاج کے تقاضے سے اُن طفلانہ لہو و لعب میں حصہ لینا شروع کیا جن کے لیے انطونی ابتدا سے بدنام تھا۔ انتہا یہ تھی کہ قلوپطرہ خود دہقان عورتوں کے سے کپڑے پہن لیتی، انطونی کو غلام کا بھیس بدلواتی اور رات کی تاریکی میں دونوں سارے شہر کا گشت کرتے پھرتے۔ لوگوں کے دروازے کھٹکھٹاتے اور جب وہ باہر نکلتے تو بھوتوں کی طرح غائب ہو جاتے۔ بارہا ایسا بھی ہوا کہ ناواقف لوگوں اور دربانوں نے انھیں پکڑ کر خاصی مرمت کر دی مگر اکثر اشخاص انھیں پہچان جاتے تھے۔

انطونی کا جی بہلانے کے لیے قلوپطرہ ہر امکانی کوشش کرتی تھی۔ وہ صحرا میں نکل کر اُس کے ساتھ شکار کھیلتی۔ ڈیلٹے کی جھیل یا سمندر میں اُس کے ساتھ مچھلیوں کا شکار کرتی۔ شاہی محل میں گنگاشت کرتی، چوسر کھیلتی، باہم دور جام بھی چلتا۔ بعض دفعہ مچھلیاں بھی ہوتیں۔ ایک بار دونوں کشتی پر بیٹھے مچھلیاں پکڑ رہے تھے۔ انطونی نے ایک غلام کو اشارہ کر رکھا تھا کہ جب میں بنسی پانی میں ڈالوں تو غوطہ مار کر میرے کانٹے میں ایک تازہ پکڑی ہوئی مچھلی لگا دیا کرے۔ وہ یہی کرتا رہا اور انطونی اپنا کمال دکھاتا رہا۔ قلوپطرہ یہ حکمت بھانپ گئی۔ ایک غلام کو اشارہ کیا کہ انطونی جب بنسی ڈالے تو چپکے سے غوطہ مار کر کانٹے میں ایک سوکھی سڑی مچھلی لگا دینا۔ اُس نے یہی کیا اب جو انطونی نے بنسی کھینچی تو سب تماشائیوں کے روبرو سوکھی مچھلی نکلی۔ وہ فرمائشی قہقہہ پڑا کہ انطونی خفت کے مارے آب آب ہو گیا۔ ملکہ نے اتنا فقرہ اور چست کیا کہ "جنرل چھوڑو بھی مچھلیاں پکڑنا تمھارا کام نہیں۔ تمھارا کام شہروں، ملکوں اور بادشاہیوں کی تسخیر ہے۔"

اُنھیں دنوں انطونی نے ایک "شاہی کلب" کی بنیاد رکھی۔ یہ ایک مختصر سی جماعت تھی جس کا صدر وہ خود تھا۔ اِس کے ارکان کھانے پینے، لباس، ساز و سامان غرض ہر چیز میں انتہائی نزاکت و نفاست کا لحاظ رکھتے تھے اور زندگی سے رس کا ایک ایک قطرہ نچوڑ لینے کے قائل تھے یہ لوگ، جو "ناقابل تقلید" کہلاتے تھے، حد درجہ خرچیلے تھے۔ باری باری ایک دوسرے کو ضیافت دیا کرتے اور انتہائی تعیش و تکلف سے کام لیتے۔ فلوطس کو ایک مرتبہ قلوپطرہ کے باورچی خانے میں جانے کا اتفاق ہوا تھا۔ وہاں اُس نے جو کچھ دیکھا وہ اُس مسرفانہ اہتمام کا ہلکا سا خاکہ ہے۔ اُس کا بیان ہے

کہ میں نے باورچی خانے کے ایک حصے میں آٹھ جنگلی ہرن بھنتے دیکھے۔ باورچی سے پوچھا کہ شاید آج قصر میں کوئی بڑی دعوت ہو رہی ہے۔ جواب ملا کہ آج کوئی بھی مہمان نہیں لیکن خود انطونی کے لیے مختلف کھانے ہر وقت تیار رکھے جاتے ہیں، ایک دو منٹ کی دیر سے انطونی کا کھانا باسی ہو جاتا ہے۔ لہٰذا ہر لمحے کھانے تیار ہوتے اور ہٹائے جاتے ہیں تاآنکہ جب وہ کھانا طلب کرتا ہے تو عین اسی لمحے کا تیار کردہ خوان اس کے سامنے رکھ دیا جاتا ہے۔

ہمیں صحیح اندازہ نہیں کہ قلوپطرہ کی دعوتوں میں کیا کیا اہتمام ہوتے ہوں گے۔ مگر ایک مرتبہ روم میں موشمس لنطولس نے جو ضیافت کی تھی اور جس میں سیزر بھی شریک ہوا تھا اس کے کھانوں کی فہرست سنیے (قلوپطرہ کی فہرست اس سے کہیں طویل ہوگی)

مختلف قسم کی ترکاریاں، بحری سبزیاں، مختلف اقسام کی مچھلیاں، صدفے، صدفوں کی میٹھی کھیر، سفید اور سیاہ بحری تخم بلوط، فربہ فربہ مرغ، بطیں، مرغابیاں، مرغ مسلم، خرگوش، بکرے اور خنزیر کی چانپ، ان کی سری اور کلیجی، نشاستے کی کھیر۔ ان تمام چیزوں کے شوربے اور قورمے، اس کے علاوہ اور بیسیوں چیزیں تھیں۔ اس عہد کا ایک ہجو گو مذاق مذاق میں ان تمام کھانوں اور غیر ملکی اشیاء کے نام گنا تا ہے جو امراء کے دستر خوان پر موجود ہوتی تھیں، مثلاً سامو س کے مور، فریجیا کے جنگلی مرغ، میلس کے کلنگ، مختلف علاقوں کی مچھلیاں اور صدفے، سپین کے مغز بلوط، مختلف سبزیاں (آلو کے سوا) وغیرہ۔

دن کے کھانے کے بعد جام و مینا کا شغل بھی ہوتا تھا۔ قرعہ اندازی کے ذریعے سے ایک شخص ساقی قرار پاتا۔ مختلف شرابوں کے امتزاج سے ایک بڑی صراحی تیار کرنا اس کا کام تھا۔ کھانے والے میز کے گرد اگرد اپنے اپنے صوفوں یا کوچوں پر لیٹ کر یا نیم دراز ہو کر انگلیوں سے کھانا کھایا کرتے تھے۔ ان کے سر پر پھولوں کے ہار پڑے ہوتے۔ اس پر دارچینی کا سفوف چھڑک دیتے۔ گلاب پاشوں سے خوشبودار عرق برسایا جاتا، شراب میں گلاب اور عطر کی آمیزش ہوتی۔ دوران طعام میں ارباب نشاط رقص کرتیں، گویے نغمہ و سرود سے فردوس گوش کا سماں پیدا کرتے، بھانڈ، بھنڈ بیئے مسخرے بذلہ سنجی کرتے۔ اور کبھی تیغ زنوں کی ٹولی خونیں جانفشانی کرتب دکھاتی۔ ان سے فرصت ہوتی تو جوئے کے ایک دو داؤں ہو جاتے۔ ایوان ضیافت کا ساز و سامان

فرش فروش، میزیں، کوچ، ظروف ایک سے ایک اعلیٰ ہوتا، خادم شائستہ واشارہ فہم، قلوپطرہ کی ضیافتوں میں ان چیزوں کا اہتمام کہیں زیادہ ہوتا۔ بایں ہمہ یہ شہزادی اپنے دیدہ زیب طلائی ظروف وغیرہ کو، جو لعل و یاقوت سے مرصع ہوتے تھے، "برتن بھانڈے" کہتی تھی۔ ان ظروف کی نفاست اور صناعی کی ندرت کا یہ حال تھا کہ تین صدی بعد پلمیرا کی ملکہ زینوبیا نے انھیں دیکھا تو بڑے اشتیاق سے اپنے استعمال کے واسطے لے لیا۔

جاڑے کا موسم ان رنگ رلیوں، چہلوں اور ضیافتوں میں بسر ہوگیا۔ پلوٹارک کا یہ قول بجا ہے کہ انطونی نے قیام اسکندریہ میں اس بے بہا دولت کو جسے 'وقت' کہتے ہیں خوب غارت کیا۔ بایں ہمہ اس مدت میں انطونی کو کچھ حاصل بھی ہوا۔ دن رات کی ہم نشینی سے اس نے ملکہ کے دل پر قبضہ کرلیا اور یہ طے ہوگیا کہ اب جو آکٹیوین سے جنگ ہوگی تو ملکہ ہر طرح اس کی اعانت کرے گی۔ انطونی سے ملکہ کے تعلقات ٹھیک اسی انداز سے بڑھتے گئے جس طرح سیزر سے بڑھے تھے۔ اس نے سیاسی مصلحتوں کی بنا پر رومی قہرمان سے اتحاد کیا تھا مگر یہ اتحاد اب دلی محبت کا رنگ اختیار کرگیا۔ یہ لگاؤ جذباتی سہی مگر اس کی تہ میں ایک شاہی خاندان کی بنیاد رکھنے کا جذبہ بھی کارفرما تھا۔ وہ انطونی کو اپنا شوہر اور خود کو اس کی رفیقۂ حیات سمجھتی تھی۔ رسم دنیا کے مطابق نکاح بیاہ نہیں ہوا نہ سہی۔ ایک دیوی کی حیثیت سے وہ دنیوی رسوم کی پابند ہی نہ تھی۔ اسے پورا اختیار تھا کہ اپنی تسکین اور اپنے ملک یا خاندان کی بہتری کے لیے جس قسم کا تعلق مناسب سمجھے اختیار کرلے۔

مگر ایک خلش ضرور تھی۔ انطونی بحیثیت شاہ مصر اس کے ساتھ رہنے کو تیار نہیں ہو رہا تھا۔ ملکہ حاملہ ہوچکی تھی اور چاہتی تھی کہ انطونی اس کے ساتھ رہے۔ انطونی بجا طور پر یہ سمجھ رہا تھا کہ اگر روم سے تعلق منقطع کرلوں تو آکٹیوین مجھے ملک بدر قرار دے کر خود رومی اقتدار کا پرچم سنبھال لے گا۔ اس کشمکش نے ملکہ کے دل میں کچھ شبہات پیدا کر دیے اور اسے انطونی کے خلوص پر شک ہونے لگا۔

جذباتیت سے الگ ہو کر دیکھیے تو معلوم ہوگا کہ جہاں ملکہ کسی قدر آزردہ تھی، انطونی کچھ مطمئن تھا۔ اسکندریہ میں جاڑے کے تین چار مہینے گزار کر وہ روم کے ان تمام بکھیڑوں سے

آ نادر ہا جن میں اُلجھنا یقیناً اُس کے لیے مضر ثابت ہوتا۔ اِس قیام سے مصر کی دولت اور فوجی و بحری وسائل گویا اُس کی مٹھی میں آ چکے تھے۔ ملکہ کے اختلاط سے ایک خاندان کی بنیاد بھی رکھی جا چکی تھی اور سازگار حالات میں شاہی کا اعلان کیا جا سکتا تھا۔ اس پر لطف یہ کہ باقاعدہ شادی کی زنجیروں میں بھی گرفتار نہ تھا۔ جب جی چاہتا روم واپس چلا جاتا اور کہہ دیتا کہ سیاسی ضرورتوں سے مصر میں قیام کرنا لازم تھا۔ جس طرح سیزر کا عذر معقول سمجھا گیا تھا، اُس کے بہی خواہ بھی اِس عذر کو درست سمجھتے۔ رہیں شاہی قصر کی رنگ رلیاں سو اِس پر بھی کیا اعتراض ہو سکتا تھا۔ سیاسی الجھنوں میں اتنی رنگینیاں ہمیشہ قابلِ عفو ہیں۔ وہ جولیس سیزر اور پومپی کی طرح مصر کا سرپرست بنا ہوا تھا۔ اور روم کے سیاست داں خوب جانتے تھے کہ اس پُر آشوب دَور میں ملکہ مصر سے تعلقات استوار رکھنا ازبس ضروری ہے۔

ملکہ کے لیے یہ صورتِ حال خاصی تکلیف دہ تھی۔ انطونی سے معاہدہ کر کے وہ اپنا نسوانی وقار، مصر کی دولت، خاندان کا مستقبل غرض اپنا سب کچھ قربان کر چکی تھی۔ مگر ان بے بہا خزانوں کے عوض اُسے کیا ملا۔ مبہم وعدے اور غیر تسلی بخش قول و قرار۔ نصف دنیا کی حکومت تو درکنار، اُسے اپنا مصری تاج و تخت خطرے میں نظر آ رہا تھا۔ آکٹیویَن سے اُس کی جانی دشمنی تھی۔ سیزارین کو وہ اپنا حریف سمجھ کر ماں بیٹے دونوں کو صفحۂ ہستی سے مٹانا چاہتا تھا۔ صاف ظاہر تھا کہ رومی حرص و ہوس کا نہنگ بے اماں مصر کو نگل جائے گا۔ انطونی ہی وہ شخص تھا جس کے خلوص پر قلوپطرہ کا مستقبل منحصر تھا۔ قلوپطرہ کے پُر تدبیر دماغ نے کچھ اور تدبیریں بھی ضرور سوچی ہوں گی۔ یہ بھی ممکن تھا کہ وہ پارتھیا سے اتحاد کر لے اور ہندوستان (جس سے تجارتی تعلقات پہلے ہی تھے) کو اپنا ہم نوا کر کے، ہندوستان، ایران، ایشیائے کوچک اور مصر کا ایک ایسا متحدہ محاذ بنا لے جو خود روم کو نیست و نابود کر کے رکھ دے۔ مگر اتنا عظیم اتحاد آسان نہ تھا۔ آسان اور ممکن صورت یہی تھی کہ انطونی جس پر وہ اپنا سب کچھ نثار کر چکی تھی، اُس کا رفیقِ زندگی بن کر کھڑا ہو جائے۔ مگر افسوس انطونی اکثر معاملات میں ناقابلِ اعتبار، غیر ذمہ دار اور بہ ایں نابالغ ثابت ہو رہا تھا۔ سوچتی تھی کہ یہ بے فکر، بے پروا شخص، جس کی امانت اس وقت میری کوکھ میں ہے، خدا جانے سیزر کی طرح میرا ساتھ دے گا یا بیوفائی کرے گا۔

اس پریشانی کے عالم میں انطونی نے یہ خبر سنائی کہ شام اور روم سے بڑی پریشان کن اطلاعات آئی ہیں اور میرا جانا ضروری ہے۔ روم کی خبروں سے یہ مترشح ہوتا تھا کہ اُس کی بیوی اور بھائی نے آکٹیوین سے لڑائی چھیڑ دی ہے۔ اور ستم بالائے ستم یہ ہوا کہ دونوں اٹلی سے کہیں باہر نکل گئے ہیں۔ شام کی اطلاعات واضح اور سخت تشویشناک تھیں۔ یعنی شام وغیرہ کے وہ تمام شہزادے جنھیں انطونی نے چند ماہ پہلے معزول کیا تھا، اہلِ پارتھیا کے ساتھ متحد ہو کر ڈیسی مس سیکسا یعنی اُس کے شامی گورنر کے خلاف فوجیں لیے اُمڈے چلے آرہے ہیں۔ انطونی کی فوج تعداد میں کم تھی۔ وہ بھی کینٹیس اور ایرِ ڈلس کی فوجوں کی طرح جن سے کسی خونیں معرکے میں پامردی کی امید نہ تھی۔ قابلِ اعتبار جاں نثار فوج اٹلی، مقدونیہ اور فرانس میں پڑی تھی اور ایک اعتبار سے اُن کا اپنی اپنی جگہ قائم رہنا ضروری تھا۔ صورتِ حال حد درجہ پریشان کن تھی۔ قصرِ اسکندریہ کی رنگ رلیاں یکایک خوابِ پریشاں ہو گئیں۔ بقولِ پلوٹارک "نیند کی کسمساہٹ اور شراب کے خمار سے بہ مشکل بیدار ہوا۔" پھر بھی وہ عیش و عشرت کے باوجود سپہ گری، شہسواری اور فوجی قواعد سے غافل نہ ہوا تھا اور اپنی بلانوشی و پرخوری کے باوجود تندرست و مستعد تھا۔

مارچ ۴۰ ق م میں انطونی اور قلوپطرہ نے بادلِ مغموم ایک دوسرے کو خدا حافظ کہا۔ وہ اُسے اپنی مشکلات پورے طور پر نہ بتا سکتا تھا۔ کسی قسم کی فوجی مدد کا سوال نہ کیا اور یہی سمجھایا کہ فی الحال خاموشی سے وقت گزارو اور میری ہدایت کا انتظار کرو۔ اس طرح بدحواس ملکہ تشویش و تعطّل کا دَور گزارنے کے لیے تنہا رہ گئی۔ زچگی کا مرحلہ سامنے تھا۔ اُس پر یہ دل شکن تنہائی، ایک بے باپ کے بچّے کی پرورش اور زمانہ بھر کے تفکّرات۔ شوہر عورت کی متاعِ زندگی ہوتا ہے۔ وہ بھی اپنی الجھنوں میں گرفتار نہ جانے کہاں کہاں مارا مارا پھرے گا۔ ان حالات میں تنہا تخت و تاج کی ذمّہ داریوں سے عہدہ برآ ہونا سخت اندوہناک تھا۔ فی الواقع بڑی مشکل تھی مگر اس سے کہیں بڑی مشکلات آنے والی تھیں۔ اُسے کیا خبر تھی کہ انطونی جس کا جہاز منارۂ فرعون کے پیچھے نظر سے چھپتا چلا جا رہا ہے، ایک طویل عرصے کے لیے جدا ہو رہا ہے اور وہ تین سال تک فراق کی طویل گھڑیاں گننے کے لیے تنہا رہ گئی ہے!٭

چودہ

قلوپطرہ اور انطونی کے اتحاد کی تجدید

انطونی کی روانگی کے چھ مہینے بعد یعنی اکتوبر سنہ ۴۰ ق۔م میں قلوپطرہ کے دو جڑواں بچے پیدا ہوئے۔ لڑکے کا نام الیگزینڈر ہیلیوس (سورج) رکھا گیا۔ لڑکی کا قلوپطرہ سیلین (چاند)۔ اس کے بعد کامل تین سال خاموشی سے گزرے جن میں ایک بھی تاریخی واقعہ ظہور پزیر نہ ہوا۔ اس مدت میں قلوپطرہ کو دو ہی کام تھے۔ ایک ملک کا انتظام کرنا اور رومی معاملات کو مایوسی سے دیکھتے رہنا۔ وقتاً فوقتاً اُسے اطلاعات ملتی رہتی تھیں۔ مگر ہر خبر دل شکن ثابت ہوتی۔ تین سال کی یہ مدت سراسر غم و یاس سے بھری ہوئی تھی۔ کسی مؤرخ نے اس اندوہناک حالت کا نقشہ کھینچنے کی زحمت نہیں کی مگر چشمِ تصور صاف دیکھتی ہے کہ بد نصیب ملکہ اپنے خیالی محلوں کے ٹوٹ جانے سے تصویرِ غم بن کر رہ گئی تھی۔ انطونی کی روانگی کے وقت اُسے اُمید ہو گی کہ یا تو وہ جلد واپس آجائے گا یا اپنے کسی سردار کے ہاتھ اُسے روم بلوا لے گا۔ مہینوں پر مہینے گزرتے چلے گئے اور یہ امید پوری نہ ہوئی۔ ادھر قلوپطرہ نے زچگی اور تنہائی کی دہری تکلیف اُٹھائی۔ اُس طرف غیر ذمہ دار انطونی پریشان کن حالات میں ایسا اُلجھا ہوا تھا کہ ملکہ کا دھیان تک نہ آیا!

انطونی سنہ ۴۰ ق م میں اسکندریہ سے روانہ ہو کر بحیرۂ روم عبور کر کے ٹائر پہنچا۔ وہاں یہ مایوس کن خبر ملی کہ شام اور فونیشیا کے صوبے ہاتھ سے نکل گئے ہیں۔ ایرانی فوج اُمڈی چلی آرہی ہے۔ مقابلہ ناممکن ہے کیونکہ سوا چند بندرگاہوں کے سارا علاقہ ہاتھ سے نکل چکا ہے۔ انطونی نے مقابلے کا خیال دل سے نکال دیا۔ دونوں صوبے دُشمن کے قبضے میں چھوڑے اور خود دو سو جہاز لے کر یونان کی طرف چلا۔ افیسس تک پہنچا تھا کہ رومی واقعات کی تفصیلیں گوش گزار ہوئیں۔ یعنی آکٹیوین نے اُس کے دوستوں اور عزیزوں پر عرصۂ حیات تنگ کر دیا ہے۔ اکثر رشتہ دار اٹلی کی

حدود سے نکل گئے ہیں۔ اُس کی بیوی فلویا تین ہزار سواروں کی محافظت میں بنڈوشین سے یونان آچکی ہے۔ جولیا (والدہ) نے متوفی پومپی کے بیٹے سیکسٹس پومپیس کے دامن میں پناہ لی ہے، جس نے اِس ضعیفہ کا پورا پورا احترام کیا۔ غرض اِدھر مشرقی صوبے ہاتھ سے نکل گئے اُس طرف روم کے دروازے اُس کے لیے بند ہو گئے۔ انطونی کو شدت سے احساس ہوا کہ قلوپطرہ کی صحبت میں وقت عزیز بُری طرح غارت ہوا اور میرے رشتہ داروں نے آکٹیویَن سے یہ جنگ بے وقت چھیڑ دی۔

اواخر جون سنہ ۴۰ ق۔م میں انطونی ایتھنز پہنچا۔ اپنی خودسر بیوی کے سامنے آنا اُس کے لیے عذاب الیم تھا۔ قلوپطرہ کے ساتھ رنگ رلیاں منانے کے بعد دل میں چور بیٹھ گیا تھا۔ ظاہر ہے کہ یہ ملاقات بڑی بے لطف رہی ہوگی۔ فلویا نے اُسے اسکندریہ میں خرمستیاں کرتے اور خواب خرگوش میں پڑے رہنے کے طعنے دیے ہوں گے۔ اُس نے اُسے بے نقط سنائی ہوں گی کہ کم بخت تو نے روم میں میرے معاملات بگاڑ کر رکھ دیے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ انطونی کے مسلسل غصے نے فلویا کی تندمزاجی کو دبا دیا۔ وہ دل شکستہ ہو کر زندگی سے بیزار ہوگئی اور اگست میں بمقام سیسیون مرگئی۔ اِس عرصے میں انطونی نے سیکسٹس پومپیس سے مفاہمت کر کے اٹلی کے ساحل پر دستبرد شروع کر دی تھی کہ شاید اِس طرح کھویا ہوا اقتدار ہاتھ آجائے۔ جوں ہی فلویا کے مرنے کی خبر ملی، جنگ کا سارا الزام متوفی بیوی کے سر منڈھ کر آکٹیویَن سے صلح کر لی۔ دونوں حریف ستمبر سنہ ۴۰ ق۔م میں بمقام برنڈیسیم ملے۔ ایک عہدنامہ مرتب ہوا جس سے روم کی خانہ جنگی مزید چند سال کے لیے رُک گئی۔ یہ طے پایا کہ اٹلی اور فرانس وغیرہ آکٹیویَن کے پنجۂ اقتدار میں رہیں۔ مقدونیہ، یونان، ایشیائے کوچک اور شام وغیرہ مشرقی صوبوں پر انطونی کا قبضہ رہے۔ شمالی افریقہ کے صوبے بیچارے لیپی ڈس کے حصے میں آئے کہ وہ بھی خواہ حقیر سہی مگر اِس پنچایت کا رکن تھا۔ اِس معاہدے کی مزید پختگی اِس طرح ہوئی کہ انطونی نے آکٹیویَن کی بہن آکٹیویا سے شادی کر لی جو ایک نوجوان بیوہ تھی۔ اہل روم نے اِس رشتے پر بڑی مسرت کا اظہار کیا۔ بات بھی خوشی کی تھی کہ یہ دو حریف جن کی عداوت نے روم کو خانہ جنگی کی مصیبت اور مسلسل خونریزی میں مبتلا کر رکھا تھا۔ آخر بھائی بن کر ایک دوسرے سے بغل گیر ہوئے۔

قلوپطرہ کی حالتِ زار کا اندازہ کرنا مشکل ہے۔ وہ زچگی سے فارغ ہوئی تھی کہ نوزائیدہ بچوں کے باپ کی نئی شادی کا علم ہوا۔ اُس نے اپنے آپ کو سخت ملامت کی ہو گی کہ ایسے بیوفا شخص سے آشنائی کرنا صریحاً حماقت تھی۔ اُسے احساس ہوا کہ انطونی فقط اُس کی دولت کا گاہک بن کر آیا تھا اور عین اُس موقع پر جب وہ اُس کی رفاقت کی سخت حاجت مند تھی، وہ اُس کے ساتھ دغا کر کے ایک نوجوان حسینہ سے شادی رچا بیٹھا۔ قلوپطرہ کی تمام امیدیں خاک میں مل گئیں۔ سیزاریَن کی بادشاہی کا منصوبہ پاش پاش ہو گیا۔ اپنے آئندہ منصوبوں کی تکمیل کے لیے اُسے اِدھر اُدھر نظر دوڑانی پڑی۔ اُس نے مضبوطی سے فیصلہ کیا کہ وہ انطونی کو مزید امداد نہ دے گی۔ تاریخ سے بھی یہی پتا چلتا ہے کہ اُس نے آئندہ دو سال تک انطونی کو محاربات میں روپے پیسے یا سامانِ جنگ سے مدد نہیں دی۔ قلوپطرہ نے آکٹیویا کو روم میں ضرور دیکھا ہو گا اور اُس کے حسن و جمال سے آگاہ ہو گی۔ پلوٹارک لکھتا ہے کہ ملکہ کی یہ سوکن اس کی نسبت حسین اور نوخیز تھی۔ انطونی کی اس شادی نے قلوپطرہ کے منصوبے تباہ کر دینے کے علاوہ اُسے سوتیاڈاہ کی آگ میں بھی جھونک دیا تھا۔

اگلے سال رائے عامہ کے دباؤ سے سیکسٹس پومپیس کو ملک کے معززارکان میں شامل کر لیا گیا۔ اس بحری سردار کی بیٹی آکٹیوین کے بیٹے مارسلیس سے بیاہی گئی۔ الفت و آشتی کی تقریبات بمقام مسینم (نیپلز کے پاس) منائی گئیں۔ سیکسٹس نے اپنے شاندار جہاز پر جسے وہ اپنے باپ کا ’واحد ورثہ‘ کہتا تھا، انطونی اور آکٹیوین وغیرہ کی ضیافت کی۔ مہمانوں نے دل کھول کر شراب پی اور سے ور میں انطونی اور قلوپطرہ کی داستان چھیڑ دی۔ ایسی ایسی بے سروپا فقرہ بازیاں ہوئیں کہ انطونی آگ بگولا ہو گیا۔ جھگڑا ہوتے ہوتے رہ گیا۔ اس اثنا میں میناس نامی بحری قزاق نے جو معزز مہمانوں میں شامل تھا، سیکسٹس کے کان میں کہا "کیا صلاح ہے؟ کہو تو جہاز کو ساحل سے ہٹا کر ابھی تمہیں پوری رومی حکومت کا مالک بنا دوں۔ روم کے سارے سردار اِس وقت میرے پنجے میں ہیں" سیکسٹس کی شرافت کی قسم کھانی چاہیے۔ ایک لمحہ توقف کر کے بولا "میناس اگر تم مجھ سے کہے بغیر خود ایسا کر گزرتے تو ٹھیک تھا مگر اب نہیں۔ مَیں وعدہ کرنے کے بعد دغابازی نہیں کر سکتا" غرض انطونی موت کے پنجے سے بچ گیا۔ اگر وہ قتل کر دیا جاتا تو اُس عہد کی تاریخ میں قلوپطرہ کی تیسری آشنائی یعنی سیکسٹس اور قلوپطرہ کے معاہدے کا اضافہ ہوتا۔ دونوں کے سازباز کی اُڑتی سی خبریں اُن دنوں مشہور تھیں

اور اگر سیکسٹس پر سر اقتدار آ جاتا تو قلوپطرہ یقیناً اُس سے شادی کر لیتی۔

ستمبر ۳۹ ق،م میں آکٹیویا کے بطن سے انطونی کے ایک لڑکی پیدا ہوئی۔ نام انطونیہ رکھا گیا۔ شاہ نیرو اُسی کا پوتا تھا۔ ان دنوں انطونی نے ایتھنز کو اپنا مستقر بنایا۔ ہر بات میں اہلِ یونان کی تقلید اختیار کی۔ یونانیوں کا سا لباس پہننا شروع کر دیا جس میں مشرقی وضع کی بھی کچھ جھلک تھی۔ روم کے معاملات سے دلچسپی لینی چھوڑ دی۔ ڈٹ کر کھانا، دل کھول کر شراب پینا، دولت کو بے تحاشا پھونکنا اور وقتِ عزیز کو بیدردی سے کھونا اُس کا مشغلہ بن گیا۔ مشرقی طریقے اختیار کر لیے۔ حکومت کے نظم و نسق میں وہی اصول برتنے لگا جو اہلِ یونان مشرق میں برتتے تھے۔ صوبوں میں گورنر رکھنے کا رومی طریقہ منسوخ کر کے اُنھیں باج گزار حکومتوں میں تبدیل کر دیا۔ جوڈیا کی حکومت ہیروڈ کے حوالے کی۔ پونطس کی فرمانروائی داریوس پسر فارنیسس کو بخشی۔ پسیڈیا کا تاج و تخت اصنطس کو عطا کیا۔ پولیمو کو لیکاؤونیا کا تاجدار بنایا۔ انطونی کی حکومت مطلق العنان تھی مگر تشدّد سے پاک۔ لوگ اسے خوش وقتی کا دیوتا اور راجہ اِندر کا اوتار کہتے تھے۔ وہ بھی جولیس سیزر کی طرح دیوتا کہلا کر خوش ہوتا۔ ایک دفعہ ڈائنوسس کے مندر میں خود دیوتا بن کر جلوہ گر ہوا۔ ایک بار ایتھنز میں ایتھن دیوی کے ساتھ پُر اسرار طور پر آسمانی شادی کی رسوم ادا کرائیں۔ اہلِ ایتھنز خود اوّل درجے کے خوش عقیدہ تھے۔ اُسے دیوتا تسلیم کر لیا۔ انطونی کی ہر دل عزیزی نے خاص و عام کے دلوں پر قبضہ جما لیا۔ پھر جب اُس کا ایک جنرل وَنطیلیس باسس اہلِ پارتھیا کو شکست دے کر فتح و فیروزی کے پرچم اڑاتا آیا تو انطونی کے ساتھ لوگوں کی عقیدت اور بڑھ گئی۔ ایتھنز والوں نے بڑی دھوم دھام سے اُس کا جلوس نکالا۔

مشرقی صوبوں میں انطونی کی حکومت بڑی ملائم اور بابرکت تھی۔ اس کے برعکس آکٹیوین کی حکومت سخت گیر اور ظالمانہ تھی۔ آکٹیوین متلوّن مزاج، سفّاک اور بد طینت تھا۔ اُس کی سفّاکی اور ظلم و ستم اتنے بڑھے کہ لوگوں نے اُس کا نام 'جلّاد' رکھ دیا۔ عوام کے سامنے وہ اپنے جذبات و اطوار پر قابو رکھتا تھا مگر درپردہ خرمستیاں کرتا، جوا کھیلتا اور سخت کمینے آدمیوں سے صحبت رکھتا۔ اٹلی میں اُس کا دورِ حکومت ہیبت اور دہشت کا دَور تھا اور لوگ اُس کی صورت سے نفرت کرتے تھے۔

اُس کی شکل و صورت میں دلکشی نہ تھی۔ پست قامت تھا۔ اُس پر طرّہ یہ کہ اپنا حلیہ اور بگاڑے رکھتا۔ خطّ و خال اچھے تھے مگر پھیکی رنگت، چہرے کے دھبّے، بدنما دانت بُرا اثر ڈالتے تھے۔

آنکھیں بڑی بڑی اور چمکیلی تھیں، جن پر اُسے بڑا غرور تھا۔ صفائی یا آرائش سے سروکار نہ تھا۔ اور نہانے دھونے سے گھبراتا تھا۔ کبھی کبھی بھاپ لے لیا کرتا۔ لباس کی طرف سے بے پروا مگر اپنے کاموں میں چست و چاق تھا۔ دھوپ سے بچتا تھا چنانچہ سر کو محفوظ رکھنے کے لیے بڑی سی چھجے دار ٹوپی پہنتا۔ اس کے باوجود جاڑے کے نام سے کانپتا تھا۔ جاڑوں میں چار چار شلوکے، اُن پر قمیص، بنیان اور سب سے اوپر ایک چغا پہنے رہتا۔ ہاتھ پاؤں پر گرم کپڑوں کی پٹیاں لپیٹتا۔ اتنا اہتمام کرنے کے باوجود بالعموم نزلہ زکام میں مبتلا رہتا۔ جگر خراب تھا اور غالباً یہی خرابی اُس کی بدمزاجی کا سبب تھی۔ اُس کا لباس بیوی یا بہن کے ہاتھ کا سلا ہوا ہوتا اور ہمیشہ بدزیب لگتا۔ بھورے بکھرے ہوئے بال کنگھے کے احسان سے آزاد ہوتے۔ وجاہت سے محروم، گرم جوشی سے عاری۔ وہ ایوانِ حکومت کے بجائے دفتر کے لیے زیادہ موزوں تھا۔ اچھا سپہ سالار نہ تھا۔ مگر سیاست اُس کی گھٹی میں پڑی تھی۔ وہ ایک نودولت رئیس زادہ تھا جس میں شرافت کی بو نہ تھی۔ اُس کا دادا ایک مالدار مہاجن تھا اور آکٹیوین کے باپ نے اس سود خوار مہاجن کی دولت سے رومی معاشرے میں ایک معزز جگہ حاصل کر کے جولیس سیزر کے گھرانے میں شادی کر لی تھی۔

ان حالات کے بپیشِ نظر عوام کی نظروں میں آکٹیوین کی چنداں وقعت نہ تھی۔ انطونی ہر شخص کی آنکھ کا تارا بنا ہوا تھا۔ سیکسٹس پومپیس، جسے رومی سرداروں نے ملک بدر کر دیا تھا، اب پھر عوام کی ہردلعزیزی حاصل کر رہا تھا۔ مارچ ۲۵ سنہ ق، م آکٹیوین نے سیکسٹس سے جنگ کرنے کا فیصلہ کیا۔ انطونی سے کمک طلب کی مگر اُس نے جنگ کے شعلوں کو ہوا دینے کے بجائے صلح کا ڈول ڈالنا چاہا۔ یہ کوشش کارگر نہ ہوئی۔ آکٹیوین نے سیکسٹس پر حملہ کر دیا۔ مگر بُری طرح شکست کھائی اور اپنا رہا سہا وقار کھو بیٹھا۔ انھیں دنوں یعنی جون میں انطونی کے سپہ سالار ونطیدیس باسس نے جو انطونی کے زیرِ ہدایات جنگ کر رہا تھا، اہلِ پارتھیا کو دوبارہ شکست دی۔ شاہِ پارتھیا کا بیٹا پکورس میدان میں کھیت رہا۔ اہلِ روم اِس خبر سے مست ہو گئے۔ کہ آخر سولہ سال بعد رومی جنرل کریسس کا انتقام لے لیا گیا ہے۔ عوام کے دلوں میں انطونی کی عظمت مسلّم ہو گئی کہ جولیس سیزر کے منصوبے اُس کے ہاتھ سے پورے ہو رہے ہیں۔ اُس کے برعکس سیزر کا بھانجا (آکٹیوین) ایک بحری قزاق (سیکسٹس) سے شکست کھا رہا ہے۔ انطونی اور ونطیدیس کے جلوس نکالنے کا فیصلہ ہوا اور آخر سال میں بتقریب

منائی گئی۔

اتحادِ ثلاثہ کی میعاد اب ختم ہو رہی تھی۔ جنوری ۳۷ ق م میں مزید پانچ سال کے لیے اس کی تجدید کی گئی اگرچہ خوش نصیب انطونی اور بدمزاج آکٹیوین میں خاصے اختلافات تھے۔ رفتہ رفتہ یہ اختلافات ختم ہوئے۔ انطونی نے آکٹیوین کو سیکسٹس سے لڑنے کے لیے ایک سو تیس جہازوں کا بیڑا دے دیا۔ اس نے بھی جنگِ پارتھیا کے لیے اکیس ہزار فوج انطونی کے حوالے کی۔ واضح ہو کہ اس ناپاک گٹھ جوڑ سے انطونی نے اس شریف سردار کو تباہ کر دیا جس نے مصیبت کے وقت اس کی ماں کو پناہ دی تھی اور خود اسے بھی آکٹیوین کے خلاف امداد دیتا رہا تھا۔ انطونی کے سر پر فتح پارتھیا کا جنون اس طرح سوار ہوا تھا کہ وہ رومی معاملات سے بالکل بے تعلق ہو گیا اور تمام کوششیں اپنی مشرقی حکومت کے قیام میں صرف کر دیں۔ اسے اندازہ تھا کہ سیکسٹس تباہ ہو جائے گا مگر اپنے پرانے رفیق کا ذرا بھی خیال نہ کیا۔ اسے آکٹیوین سے بھی ہمدردی نہ تھی۔ منصوبہ یہ تھا کہ مشرقی حکومت اچھی طرح قائم ہو جائے تو مغربی علاقہ اس غیر مقبول چھوکرے سے چھین لینا کچھ مشکل نہ ہوگا۔ اس کے مزاج میں تلوّن تھا۔ ابھی دو سال پہلے جب آکٹیوین سے صلح کرنا ضروری تھا اس نے بڑی بیدردی سے قلوپطرہ کا ساتھ چھوڑ دیا تھا۔ اب وہ آکٹیوین کا مقابلہ کر سکتا تھا مگر غداری و بے حیائی کا خانہ خراب ہو، اکیس ہزار فوج حاصل کرنے کے لیے ایک سو تیس جہاز آکٹیوین کے حوالے کر دیئے۔ یہی سوچا ہوگا کہ اس کمی کی تلافی کے لیے پھر قلوپطرہ سے رجوع کر لوں گا جس کا بیڑا نہایت طاقتور اور خوب مسلح ہے۔

اکتوبر ۳۷ ق م میں یہ منصوبے رنگ لائے۔ پارتھیا کی مہم پر بمقام کورفو انطونی نے رومی معاملات کو اس وقت تک کے لیے دماغ سے نکال دینے کا فیصلہ کیا جب تک تقدیر اسے روئے زمین کا فاتح بنا کر دوبارہ روم میں نہ لے جائے۔ غریب آکٹیویا کو حکم ملا کہ تم روم چلی جاؤ۔ یہ خاتون حد درجہ اطاعت شعار شریف اور شوہر پرست تھی۔ ہمیشہ صلح صفائی کی کوشش میں رہتی۔ انطونی کا لباس خود تیار کر کے خوشی محسوس کرتی اور اکثر سیاست کی ہنگامہ خیزیوں کے بجائے اسے باعزت خانہ دار زندگی اختیار کرنے کی ترغیب دیتی۔ جاہ طلب انطونی کو ان باتوں سے خفقان ہوتا تھا۔ اب جو روم جانے کا حکم ملا تو اس نیک دل خاتون نے یہ حکم بھی نہایت عاجزی سے منظور کر لیا۔ شوہر پرستی ایک

اچھا وصف ہے مگر عالی مرتبت خواتین میں قوتِ فیصلہ اور عزم بھی ہونا چاہیے۔ مجھے رہ رہ کر خیال آتا ہے کہ اگر یہ خاتون اطاعت و عاجزی کے بجائے اِس موقع پر ہمت سے کام لے کر اَڑ جاتی تو آج دنیا کی تاریخ یقیناً مختلف ہوتی۔

اِنھیں دنوں انطونی نے ایک سردار فونٹسس کیپٹو کو اسکندریہ بھیجا کہ ملکہ کو اپنے ساتھ شام لے آؤ۔ پلوٹارک کی رائے ہے کہ " انطونی کے شہوانی جذبات کا وہ شعلہ، جو سیاسی مشغولیتوں میں دب کر رہ گیا تھا، اب یکایک بھڑک اُٹھا" مگر غیر جانبدار اشخاص سمجھ سکتے ہیں کہ قلوپطرہ کی طلبی محبت کے تحت نہیں بلکہ سیاسی اغراض کے زیرِ اثر کی گئی تھی۔ وہ اُس سے ازسرِ نو ایک پختہ معاہدہ کر لینا چاہتا تھا۔ قلوپطرہ کی ہوسناکی کے غلط قصّے اتنے مشہور رہیں کہ ہم اُس کے اکثر معاملات کی تہ میں یہی سفلی جذبات تلاش کرنے پر مائل ہو جاتے ہیں۔ کیونکہ ممکن ہے کہ وہی انطونی، جو قلوپطرہ سے جدا ہونے کے چند ماہ بعد آکٹیویا سے شادی رچا بیٹھا تھا، اب ساڑھے تین سال بعد اُس کی یاد میں بے تاب و بے قرار ہو گیا تھا۔ قلوپطرہ سے تو کیا اُسے اپنے جڑواں بچوں تک سے اُلفت نہ تھی۔ اپنے مورثِ اعلیٰ ہرقل کی طرح اُس کا عقیدہ یہ تھا کہ جس ملک میں جائے اپنی نسل پھیلائے اور ہر گوشۂ ارض میں اپنے شریف اور امیر خون سے بنی نوعِ اِنسان میں امراء و شرفا کے سلسلے قائم کرتا رہے۔ اُس کے دل میں جذبات کی آگ نہیں بھڑک رہی تھی بلکہ قلوپطرہ سے تعلقات تازہ کرنے کی آرزو مشتعل تھی۔ ہو سکتا ہے کہ ایک حد تک وہ اُس کی دل افروز صحبت سے محظوظ ہونے کا خواہش مند ہو کیونکہ اطاعت شعار نرم مزاج آکٹیویا کی سادگی اُس کے لیے عذابِ جان بن گئی تھی۔

انطونی کے خیالات جو تھے سو تھے مگر قلوپطرہ کا دل اُس سے سرد ہو چکا تھا۔ ظالم زمانے کے تلخ تجربات نے وہ ساری شوخی و شنگی، جو اُس کی نوجوانی کی خصوصیت تھی، بھلا دی تھی۔ وہ اپنا وقت یا دولت ضائع کرنے کے لیے تیار نہ تھی۔ کیا انطونی وہی بے وفا نہ تھا جس نے محبت کا جواب غداری سے دیا اور اب چار سال بعد پھر ذاتی مفادات کے لیے سلسلہ جنبانی کر رہا تھا؟ کیا اُس کے یہ بہانے صحیح ہیں کہ میری طویل غیر حاضری اور شادی محض سیاسی مجبوریاں تھیں، جو تمھاری محبت کی راہ میں حائل نہیں ہو سکیں؟ ملکہ کے یہ خیالات بالکل درست تھے مگر دوسری طرف کچھ اور مسائل بھی تھے جن کا لحاظ واجب تھا۔ وہ انطونی کی مدد کے بغیر اپنے پیچیدہ معاملات نہیں سلجھا سکتی تھی۔ انطونی مشرق کا

فرماں مطلق بن چکا تھا۔ ایران کی مکمل فتح چند مہینے کی بات تھی۔ آکٹیوین کی ہستی اُس کے سامنے مدھم ہو چکی تھی۔ انطونی کی امداد کے بغیر ایک وسیع سلطنت کا قیام یا مصری حکومت کی بقا ناممکن بات تھی۔ اِس کشمکش کا حل یہی تھا کہ وہ انطونی سے ملے اور یہ شرطیں پیش کرے کہ اگر اتحاد و اتفاق منظور ہے تو مجھ سے باقاعدہ شادی کرو سیاسی دوستی میں بیوفائی، پریشانی اور تفکرات کے سوا اور کیا رکھا ہے۔ آکٹیوین سے تعلقات منقطع کر لو اور مجھ سے شادی کر کے متفقہ طاقت کے ذریعے سے بے پایاں مشرق اور سارے یورپ کو زیرنگیں لے آؤ۔ اِس طرح سیزر کے منصوبوں کی تکمیل کر کے سیزارین کو اپنا ولی عہد بنا دو۔

غرض یہ ارادہ مصمم کر کے قلوپطرہ اسکندریہ سے شام روانہ ہوئی۔ چند ہفتے بعد اواخر ۳۷ ق۔م میں بمقام انطاکیہ انطونی سے جا ملی۔ اُن کی ملاقاتوں کی تفصیل تاریخ میں نہیں ملتی مگر یہ اندازہ ہوتا ہے کہ انطونی نے سیاسی مشکلات کا عذر پیش کر کے بہت بہت معذرت کی اور سچے دل سے اقرار کیا کہ میں تم سے دائمی اور مستحکم اتحاد کا آرزومند ہوں۔ ملکہ نے بھی اِس شرط پر رضامندی کا اظہار کیا کہ اِس معاہدے کو قانونی حیثیت حاصل ہو جائے تاکہ فریقین اِس کے پابند رہیں۔

قلوپطرہ نے انطونی سے جو حسبِ دل خواہ شرطیں منظور کرائیں اُن سے جہاں یہ اندازہ ہوتا ہے کہ وہ ملکہ کی دوستی کو کتنی اہمیت دیتا تھا وہاں یہ بھی پتا چلتا ہے کہ قلوپطرہ کس بلا کی فسوں کار عورت تھی۔ یہی عورت، جسے انطونی نے تین سال تک بھولے سے بھی یاد نہ کیا تھا، جو اپنے مستقبل سے مایوس ہو چلی تھی، جسے خود اپنا تخت و تاج معرضِ خطر میں دکھائی دے رہا تھا۔ آج انطونی کے سامنے من مانی شرطیں پیش کر رہی تھی اور وہ بے چون و چرا انھیں تسلیم کر رہا تھا جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا ہے۔ انطونی جذبات کی رو میں نہیں بہہ رہا تھا۔ یہ ملکہ کی ہوش مندانہ سودا بازی تھی، جو اُس سے ہر بات منوا رہی تھی۔ ایک بار دھوکا کھا چکی تھی۔ اِس لیے بیوفا عاشق سے دوبارہ سودا کرنے میں کسی عنوان نقصان اُٹھانے کے لیے تیار نہ تھی۔ اُس نے اپنے مصائب کی سچی داستان سنا کر انطونی کا دل موم کر لیا ہو گا اور یہ بات ذہن نشین کر دی ہو گی کہ اِس موقع پر مصر کی امداد کتنی اہم ہے۔ معاہدے کی شرطیں غالباً یہ تھیں۔

اوّل۔ اس بات کا انتظام کیا جائے کہ مصری رسوم کے مطابق دونوں کی باقاعدہ شادی ہو جائے۔

واضح ہو کہ برسوں پہلے جولیس سیزر نے ایک قانون کا خاکہ بنایا تھا جس کے رو سے وہ دو بیویاں رکھنے کا مجاز ہو اور اس طرح قلوپطرہ سے اُس کا تعلق باقاعدہ ازدواج کی حیثیت اختیار کرے۔ غالباً ایسی ہی کوئی صورت انطونی نے بھی سوچی ہوگی۔ وہ رومی ایوانِ حکومت کی منظوری اور اپنے نجی معاملات میں رومی قانون کی پیروی غیر ضروری سمجھتا تھا البتہ اسکندریہ میں یہ اعلان ضروری تھا کہ تین سال پہلے کا مقدس تعلق باقاعدہ شادی کی حیثیت اختیار کر چکا ہے۔

دوم۔ انطونی مشرق کا مختارِ مطلق ہوگا مگر شاہِ مصر نہیں کہلائے گا۔ انطونی اپنے نام کے ساتھ بادشاہ کا لقب نہیں لگا سکتا تھا کیونکہ اہلِ روم یہ لفظ سننے کے لیے تیار نہ تھے۔ سپہ سالار کا خطاب جو سیزر نے اپنی ذات اور نسل کے لیے درآشنا حاصل کیا تھا، انطونی کے حوصلے کے مطابق نہ تھا اس لیے مختارِ مطلق کا خطاب مناسب سمجھا گیا کہ اختیاراتِ حکومت کی شان دکھاتا ہے اُس کے ساتھ ساتھ اتحاد ثلاثہ میں انطونی کی سرپنچی قائم رہی۔

سوم۔ انطونی نے غالباً یہ وعدہ بھی کیا کہ قلمروِ مصر کی حدود اتنی وسیع کر دی جائیں گی جتنی وہ چودہ صدیوں پہلے فراعنہ کے زمانے میں تھیں۔ اس طرح سینا، عرب، جزیرۂ قبرص، لبنان تمام کمال مصر کی قلمرو میں شامل کر دیے گئے۔ بحیرۂ مردار کا مشرقی ساحل، اُردن سماریا، گیلیلی، فونیشیا، سلیشیا اور کریٹ کے کچھ حصے، شام کا شمالی ساحل وغیرہ بھی قلمرو میں شامل ہوئے۔

اِن تمام شرطوں کے جواب میں قلوپطرہ نے وعدہ کیا کہ مصر کی دولت اور فوجی طاقت انطونی کے تصرف میں رہے گی۔ جب ضرورت پڑے وہ انھیں استعمال کرنے کا مجاز ہوگا۔

لیٹرو کین، کرومبر اور فیریرو کا بیان ہے کہ اس معاہدے کی تکمیل ہوتے ہی دونوں کی شادی ہوگئی۔ اس تقریب کی یادگار میں سکوں پر انطونی اور قلوپطرہ کے نام اور چہرے نقش کیے گئے۔ قلوپطرہ نے نیا سمبت جاری کر دیا۔ چنانچہ ایک سکے پر، جو چھ سال بعد ڈھلا ہے، یہ الفاظ نقش ہیں "اکیسواں سالِ جلوس جو 'دیوی' کا چھٹا سال بھی ہے" بعض مورخوں کی رائے ہے کہ باقاعدہ شادی کئی سال بعد ہوئی مگر ان تمام دلائل کے سامنے یہ نظریہ باطل ٹھہرتا ہے۔ سکوں پر دونوں کے نام اور چہرے کا نقش کیا جانا اس امر کا یقینی ثبوت ہے کہ انطونی نے قلوپطرہ سے شادی کر کے اُسے اپنی وسیع حکومت کا شریک بنا لیا تھا علاوہ بریں ان دونوں انطونی نے آکٹیوین کو جو خط لکھے ہیں اُن میں متعدد بار

قلوپطرہ کے بیٹے "بیوی" کا لفظ استعمال کیا ہے۔

جاڑے کا موسم سکون سے انطاکیہ ہی بسر ہوا۔ انطونی پارتھیا کی مہم کے بند و بست میں غرق تھا جس کی فتح کے بعد اسے امید تھی کہ روم میں میرا نام روشن ہو جائے گا۔ شہر انطاکیہ شام کا دارالحکومت تھا اور دولت و عظمت کے لحاظ سے دنیا کا تیسرا شہر سمجھا جاتا تھا۔ روم اور اسکندریہ اوّل اور دوم تھے۔ شہر پناہ کے گرداگرد دس دس میل تک سرو و صنوبر کے گھنیرے کنج تھے۔ آس پاس کی پہاڑیوں سے صدہا آبجوئیں اتر کر ان درختوں کی گھنی چھاؤں کے نیچے بہتی تھیں جس سے گرمیوں میں بھی خنکی محسوس ہوتی تھی۔ یہ شہر علوم و فنون کا مرکز تھا اور قلوپطرہ کے نزاکت و لطافت پسند ذوق کے عین مطابق۔ وقت سکون و شادمانی سے گزرتا رہا۔ کہتے ہیں کہ قلوپطرہ نے انطونی سے فرمائش کی کہ ہیرودِ شاہِ جوڈیا کو معزول کر کے جوڈیا کو مملکتِ مصر میں شامل کر دے مگر انطونی نے لجاجت سے سمجھایا کہ یہ حرکت غلط ہے۔ قلوپطرہ بھی مان گئی اور بعد ازاں اس یہودی فرمانروا سے موافقت کرتی رہی۔

مارچ ۳۶ھ ق،م میں انطونی نے پارتھیا پر فوج کشی کی۔ شمالی عراق تک، جو انطاکیہ سے ڈیڑھ سو میل دور ہے، ملکہ بھی ساتھ گئی۔ غالباً وہ اس مہم میں ساتھ رہنا چاہتی تھی مگر جلد ہی یہ پتا چلا کہ وہ کسی حال سے ہے۔ اس خیال سے انطونی نے اُسے مصر واپس جانے اور اپنی فاتحانہ واپسی کا انتظار کرنے کا حکم دیا۔ تفکرات اور نا اُمیدی کے باوجود ملکہ کی طاقت اور حوصلہ مندی بڑی حد تک برقرار تھی۔ ان دنوں اُس نے اُسی جرأت و جفاکشی کا مظاہرہ کیا جس نے محاصرۂ پیلوشیم کے وقت نوواردہ جولیس سیزر کا دل مسخّر کر لیا تھا۔ میدانِ جنگ کی بے تکلّف کھلی زندگی اُسے مرغوب تھی۔ اُس کے لیے ہر خطرہ ایک کھیل تھا۔ انطونی کے ساتھ مہم پر جانے کی خواہش صاف بتاتی ہے کہ گردشِ ایّام کے باوجود اُس کی فطری دلیری و جانبازی میں فرق نہ آیا تھا۔ فلورس اُسے "نسوانی خوف سے قطعاً مبرّا" لکھتا ہے۔ وہ اس مہم کے حق میں نہ تھی کیونکہ خطرناک ہونے کے علاوہ بے اندازہ مصارف کا بھی سامنا تھا۔ بایں ہمہ جانبازی و جرأت کا شوق، جو اُس کے لیے حاصلِ زندگی تھا، اُسے اُبھارے رہا۔ انطونی نے اس موقع پر اُس کی رفاقت کا اعزاز حاصل کرنے کے بجائے اُسے جنگ کے خطرات سے محفوظ رکھنے کا فیصلہ کیا اور جب ملکہ کا دستہ انطاکیہ کی سڑک پر بڑھتے بڑھتے نظر سے

اوجھل ہو گیا تو اُس نے اطمینان کا سانس لیا۔

قلوپطرہ نے انطاکیہ سے وادیِ اورنطیز، اپامیا، آریتھوسا، ایمیسا ہوتے ہوئے دمشق کا رُخ کیا۔ یہاں سے بڑھ کر بحیرۂ گیلیلی عبور کیا اور دریائے جورڈن کے کنارے کنارے شہر جریشو تک پہنچی۔ یہاں اُس کی ملاقات جانباز و زیبا شمائل ہیروڈ سے ہوئی جو اُس سے مملکتِ جوڈیا کے بعض حصّوں کا سمجھوتا کرنے آیا تھا۔ تھوڑی سی حیل و حجّت کے بعد ملکہ نے مفتوحہ علاقہ ہیروڈ کو خراج کی شرط پر دے دیا۔ علاقۂ جریشو کی گرم آب و ہوا کھجور، حنا اور بلسان کے لیے جو اپنی خوشبو اور دوائی فوائد کے لیے مشہور رہے، نہایت سازگار ہے۔ جوزیفس اسے مقدّس علاقہ کہتا ہے۔ فوجی اہمیّت کے لحاظ سے یہ شہر فلسطین کی کنجی تھا۔ بدقسمتی سے یہ قیمتی ہیرا شاہ ہیروڈ کے تاج سے نکل کر قلوپطرہ کے ہاتھ میں چلا گیا تھا۔ اب جو خراج کی شرط پر واپس ملا تو ہیروڈ پھولا نہ سمایا اور اسے اپنا مستقر بنا لیا۔ یہاں سے ملکہ نے مصر کا رُخ کیا مگر ہیروڈ کی التجا پر مملکتِ جوڈیا سے گزرنے اور یروشلم والے راستے مصر پہنچنے کا خاکہ بنایا۔ جریشو سے یروشلم تک کا راستہ دشوار پہاڑوں اور گھنے جنگلوں ڈھکا ہوا تھا۔

یہاں ہیروڈ نے ایک خطرناک منصوبہ تیّار کیا۔ اپنے مشیروں سے صلاح کی کہ انطونی ملکہ کے ہاتھ میں کٹھ پتلی بنا ہوا ہے اور ہم جیسے زبردست بادشاہوں کی حکومتیں اس کے ہاتھ سے خطرے میں ہیں۔ اگر اس فتنے کو جب یہ ہمارے پنجے میں ہے ان پہاڑوں میں ختم کر دیا جائے تو یہ خرخشہ مٹ جائے۔ انطونی سے کہہ دیا جائے گا کہ کوہستانی لٹیروں نے چھاپا مار کر اسے ہلاک کر دیا۔ ہیروڈ نے اپنے مشیروں سے یہ بھی کہا کہ ملکہ کی نیّت خراب ہے وہ اپنی سحر کار آنکھوں سے مجھ پر جادو کر کے میرے ساتھ ملوّث ہونا چاہتی ہے۔ یہ بھی سمجھایا کہ ایک مدّت بعد انطونی خود میرا ممنون ہوگا کہ میں نے قلوپطرہ کو قتل کر کے اُسے ایک آسیبی عورت سے نجات دلا دی جو مصیبت کے وقت اُس سے غدّاری کرتی۔

ہیروڈ نے بہت کچھ کہا مگر اُس کے مشیر اتنے بڑے اقدام کے تصوّر سے لرز گئے اور [illegible] بڑی التجاؤں کے ساتھ اُسے اس امرِ عظیم کے ارتکاب سے باز رکھا۔ انھوں نے کہا کہ خواہ ساری دنیا انطونی کو یہ سمجھائے کہ قلوپطرہ کی موت میں تمھارے لیے بہتری ہے مگر وہ آفت مچا دے گا۔

صنفِ اناث میں اِس شان کی عورت روئے زمین پر نہیں اس کا خونِ ناحق تمھیں تباہ کر دے گا۔"

مجبور ہو کر شاہِ ہیروڈ نے غدّاری کا خیال چھوڑ دیا۔ نہایت ادب سے سرحد کے قلعہ پیلوشیم تک اُس کی جلو میں آیا۔ ملکہ اپنے قصر میں داخل ہوئی اور زچگی کی تیاری کرنے لگی۔ کہتے ہیں کہ وہ جرلیشو سے درخت بلسان کی قلمیں لائی تھی جنھیں اُس نے قاہرہ کے پاس کاشت کرایا۔ ان دنوں وہ ازحد پُر امّید تھی۔ سابقہ خطرات کے باوجود سوچتی تھی کہ "کچھ دنوں بعد انطونی پارتھیا کی مہم سر کر کے واپس آ جائے گا، فتح و کامرانی کا تاج پہنے روم میں داخل ہوگا اور مشرق و مغرب کا فرمانروا تسلیم کر لیا جائے گا۔ بدبخت آکٹیوین قصرِ گمنامی میں جا پڑے گا، انطونی اور میں ایک وسیع سلطنت کے مالک ہوں گے اور سیزارین ہمارا ولی عہد بنے گا۔"

ملکہ ان خوش آئند امّید دل میں انتظار کے دن گزارتی رہی۔ نومبر میں اُس کے ایک لڑکا ہوا، جس کا نام خاندانی دستور کے مطابق بطلیموس رکھا گیا۔ زچگی کی نقاہت سے سنبھلنے نہ پائی تھی کہ ناگہاں انطونی کا قاصد ایسی حوصلہ شکن خبریں لے کر آیا جس سے امّید دل کا سنہری محل بیٹھ گیا۔ انطونی نے لکھا تھا کہ "پارتھیا کی مہم ناکامی و تباہی میں تبدیل ہو گئی ہے۔ میں اپنی بچی کھچی شکست خوردہ فوج لے کر مشکل شام میں داخل ہو سکا ہوں۔ بدحال سپاہیوں کی وردیاں پارہ پارہ ہیں۔ بیماری اور فاقہ کشی نے فوج کو برباد کر رکھا ہے۔ خزانے میں ایک کوڑی نہیں، جس طرح بنے فوراً میری امداد کو پہنچو۔ میں شام کے ساحل پر بیدٹن اور بیرِطیس کے درمیان تمھاری راہ دیکھ رہا ہوں۔"

بدنصیب ملکہ کی آرزوئیں ایک بار پھر خاک میں مل گئیں مگر رگوں میں بادشاہی کا خون اور سینے میں مردوں کا سا دل رکھتی تھی۔ جی کو سنبھالا۔ ہمّت مردانہ نے کہا کہ ہاں، خاندانوں کے جوہر ایسے ہی موقعوں پر کھلتے ہیں۔ غرض کپڑے ہتھیار اور خزانہ لے کر اسکندریہ سے نکلی تاکہ تباہ حال شوہر کی امداد کر سکے۔

اس بدنصیب مہم کا حال بھی سن لیجیے۔ انطونی زیوگما سے بڑھ کر ارضِ روم کی سطح مرتفع پر پہنچا جہاں اُس نے اپنی فوجِ ظفر موج کا جائزہ لیا۔ ساٹھ ہزار سپاہی جن میں رومیوں کے علاوہ ہسپانوی و فرانسیسی بھی شامل تھے اور دس ہزار سوار شمار میں آئے۔ شاہِ آرمینیا کے تیرہ ہزار سوار اور پیادے اور شاہِ پونطس کی زبردست فوج اس کے علاوہ تھی۔ ان سب کا شمار نوّے ہزار ہوا۔ بڑے بڑے

قلعہ شکن منجنیق فراہم کیے گئے تھے جنھیں وادیِ اراگسیبز کے راستے میڈیا کی طرف روانہ کر دیا۔ آرمینیا اور پونطس کی فوج اور دو رومی دستے اُن کے ساتھ چلے۔ انطونی نے بذاتِ خود فوج کا بڑا حصّہ سنبھالے قریب ترین راستے سے میڈیا کی طرف جنبش کی۔ حملہ کرنے کے لیے ایسا بے تاب تھا کہ باقی فوج اور سامان کے پہنچنے کا انتظار نہ کیا۔

پلوٹارک کا بیان ہے کہ اس بے پایاں لشکر کی آمد آمد کے غلغلے نے ایران سے شمالی ہند تک تہلکہ مچا دیا۔ ایک بار پورا ایشیا کپکپا اُٹھا۔ بالعموم یہی خیال تھا کہ سکندرِ اعظم کی طرح انطونی بھی ایران سے گزر کر ہندوستان تک پہنچے گا جہاں قلوپطرہ کی بحری راستے سے بھیجی ہوئی کمک اور سامانِ جنگ اس کے منتظر ہوں گے۔ اواخر اگست میں انطونی میڈیا کے دارالسلطنت میں داخل ہوا۔ یہاں اُس نے قلعہ شکن آلات اور اُن کے ساتھ بھیجی ہوئی فوج کا انتظار کیا اور شہر کا محاصرہ کر لیا۔ خیال تھا کہ شہر جلد فتح ہو جائے گا مگر نہ ہوا۔ اتنے میں یہ منحوس خبر ملی کہ جس فوج اور سامان کا انتظار تھا۔ اُسے دشمن نے راستے میں تباہ کر دیا ہے۔ شاہِ آرمینیا بچے کھچے سپاہیوں کو سمیٹ کر اپنے ملک کو بھاگ گیا ہے اور شاہِ پونطس غنیم کے ہاتھ میں اسیر ہے۔ انتہائی دل شکن خبر تھی مگر مگر انطونی نے بدستور محاصرہ جاری رکھا لیکن جب پارتھیا کی وہ فوج جو ابھی رومی فوج اور سامان کا صفایا کر چکی تھی، قریب آ پہنچی تو انطونی کو اضطراب ہوا۔ اس فوج کو یہ ہمت تو نہ ہوئی کہ انطونی کے لشکر پر حملہ کرے مگر وقت بے وقت لشکر کے بیرونی پہلوؤں پر چھاپا مارنے سے نہ چوکتی تھی۔

"آخر اکتوبر میں انطونی نے غنیم سے صلح کی گفت و شنید شروع کی۔ غلّے کی کمی، سامان کے فقدان اور سپاہیوں کی بددلی کے علاوہ جاڑے کی خوفناک صورت بھی نظر آ رہی تھی۔ انطونی نے شاہِ پارتھیا کو پیغام بھیجا کہ اگر ہمارے اسیر دل اور رومی جھنڈوں کو واپس دینے کا وعدہ کرو تو محاصرہ اُٹھانے کے لیے تیار ہوں۔ جواب ملا کہ یہ شرطیں منظور نہیں، ہاں اگر محاصرہ اُٹھا کر واپس جانا چاہو تو ہم تمھیں گزر جانے دیں گے۔ مرتا کیا نہ کرتا۔ انطونی نے یہی شرطیں منظور کر لیں مگر غالباً اہلِ پارتھیا وعدے پر قائم نہ رہے۔ شکستہ حال رومی برف پوش پہاڑوں سے گزرے تو خونخوار پہاڑی قبائلی بلائے بے درماں بن کر ٹوٹ پڑے۔ فوج کے پسماندہ سپاہیوں کو جہاں پایا کاٹ کر رکھ دیا۔ بھوک، بیماری اور تکان کے باعث ہزاروں سپاہی پیچھے رہ رہ جاتے۔ سب کے سب،

ان خونخوار بھیڑیوں کے ہاتھوں تباہ ہوئے۔ غلّے کی نایابی کا یہ حال تھا کہ روٹیاں چاندی کے تول بکتی تھیں۔ بہتیرے سپاہیوں نے بھوک کی شدّت میں ایک زہریلے پودے کی جڑیں کھالیں جس نے کھائیں یہ حال ہوا کہ دیوانوں کی طرح پھرتا اور بڑے بڑے پتھر ڈھونے لگتا۔ ان پتھروں کو اٹھانے میں ایسی سرگرمی کا اظہار کرتا گویا پارس کے پتھر ہیں۔ غرض اسی طرح بوجھ اٹھاتا اٹھاتا تھک کر کے مرجاتا تھا۔"

پلوٹارک کا یہ بیان مبالغہ آمیز اور بے جوڑ سہی مگر انطونی کے تباہ حال سپاہیوں کا سچا مرقع ہے جو تکالیف کی شدّت سے پاگل ہوگئے تھے اور جان لیوا جاڑے سے بچنے کے لیے پتھر ڈھونڈ ڈھونڈ کر مکان بنانے کی کوشش کر رہے تھے۔

سیکڑوں میل کی اس پسپائی میں انطونی نے بے نظیر تحمّل و استقلال کا مظاہرہ کیا۔ وہ ہر مصیبت میں سپاہیوں کا شریک رہتا۔ شام کے وقت جب لشکر قیام کرتا تو ایک ایک خیمے میں جاکر سپاہیوں کو تسلّی دیتا۔ زخمی سپاہیوں کے ساتھ اس کی ہمدردی و دل سوزی ناقابلِ بیان تھی۔ وہ ان کے پاس زمین پر بیٹھ جاتا اور زار زار روتا۔ سپاہی اس کی پرستش کرتے تھے۔ انتہا یہ ہے کہ وہ نیم مردہ زخمی بھی اسے دیکھ کر ایک بار اٹھ کھڑے ہوتے اور کامل الفت و احترام کے ساتھ اس سے بات کرتے۔ پلوٹارک کا بیان ہے کہ وہ اس کے ہاتھ پکڑتے اور التجا کرتے کہ اپنے خیمے میں جاکر آرام کرو کیونکہ ہماری سلامتی تمھارے دم سے ہے۔ وہ اسے شہنشاہ اور جنرل کہہ کر پکارتے۔ انطونی پر ایسی خود رفتگی چھائی رہتی تھی کہ اکثر زینوفون اور اس کے دس ہزار سپاہیوں کی پسپائی کا ذکر کرکے چلّا اٹھتا جو اس سے زیادہ صبر آزما مصائب میں پسپا ہوئے تھے۔ غنیم کا خطرہ ہر وقت لگا رہتا تھا۔ یہاں تک کہ ایک روز انتہائی نازک صورتِ حال پیش آئی اور انطونی نے اپنے ایک غلام رمناس کو یہ قسم کھانے پر مجبور کر دیا کہ اگر قتلِ عام کی نوبت آئی تو وہ انطونی کے سینے میں تلوار بھونک کر اس کا خاتمہ کر دے گا اور سر کاٹ کر کہیں دور پھینک آئے گا تاکہ دشمن نہ تو اس کے آقا کو زندہ گرفتار کرسکے نہ اس کی لاش کو پہچان سکے!

آخر ستائیس دن کے منحوس سفر کے بعد جس میں اس شکستہ حال فوج نے اٹھارہ بار اہلِ پارتھیا کے حملوں کا منہ توڑ جواب دیا، انطونی اپنی فوج اور ردّی جھنڈوں کو سنبھالے آرمینیا میں داخل ہوا۔

یہاں پھر فوج کی موجودات لی معلوم ہوا کہ بیس ہزار پیدل چالیس ہزار سوار کا نقصان ہوا ہے جن میں سے بیشتر سردی اور بیماری کی بھینٹ چڑھے۔ بایں ہمہ ابھی مصائب کا خاتمہ نہ ہوا تھا۔ اگرچہ دشمن کا کھٹکا مٹ گیا تھا مگر خونخوار جاڑا ابھیانک جبڑے کھولے آ پہنچا تھا۔ آرمینیا سے شام تک پہنچتے پہنچتے مزید آٹھ ہزار سپاہی تلف ہوئے۔ غرض جب یہ آفت زدہ جماعت سیڈان اور بربطیس کے درمیان اپنے سرمائی مستقر میں داخل ہوئی تو یہ اس شاندار فوج کا تہائی چوتھائی بدحال حصہ تھی جو موسم بہار میں بڑے طمطراق سے حملہ کرنے کے لیے بڑھی۔ بایں ہمہ یاد رہے کہ یہ انطونی ہی کی جرأت و ہمت تھی جو اس کو پارتھیا کے خونخوار پہاڑوں سے نکال لائی ورنہ ایک سپاہی بھی بچ کر نہ آتا۔ سبھوں کا وہی حشر ہوتا جو چند سال پہلے کریسیس اور اس کی بدنصیب فوج کا ہوا تھا۔

یہاں پہنچ کر انطونی کو کچھ سکون ہوا۔ وہ ہر روز قلوپطرہ کی آمد کا منتظر رہتا، مگر شکست کی ندامت اور قلوپطرہ کی ملامت کے خیال نے اُسے ایسا بدحواس کر دیا کہ شراب ناب کے دامن میں منہ چھپاتا۔ دن رات نشے میں غرق پڑا رہتا۔ ہوش آتا تو اضطراب و وحشت کا غلبہ ہوتا۔ اکثر کھاتے کھاتے بے تحاشا ساحل کی طرف دوڑ پڑتا کہ شاید ملکہ کے جہاز نظر آئیں۔ آخر ایک روز قلوپطرہ کے جہاز خلیج میں داخل ہوئے۔ قلوپطرہ نے جہازوں میں سے خزانہ، کپڑے اور سامان اتروا دیا۔ ساحل پر قدم رکھا تو دیکھا کہ فوج تباہ حال ہے، انطونی اور اُس کے سرداروں کا حلیہ بگڑا ہوا ہے اور سپاہیوں کے بدن پر چیتھڑے لگے ہوئے ہیں ؂

پندرہ

آکٹیوین کے استیصال کی تیاریاں

انطونی کے ساتھ کچھ عرصہ قیام کر کے قلوپطرہ اُسے اسکندریہ لے آئی کہ جنگ کی مشقتوں کے بعد کچھ آرام کر سکے۔ میری دانست میں اُس کا مقصد یہ تھا کہ انطونی سے آئندہ منصوبوں کے متعلق گفت و شنید کرے اور یہ سمجھائے کہ پارتھیا جیسے وسیع ملک پر حملہ کرنے کے معنی یہ ہیں کہ وقت دولت اور سپاہیوں کو بے فائدہ تلف کر دیا جائے۔ اِس قسم کی لڑائیوں میں جان و مال کا زیاں ہوتا ہے اور ہاتھ کچھ بھی نہیں آتا۔ اِس خیالِ خام سے کہیں بہتر ہے کہ ساری قوت آکٹیوین کے استیصال پر صرف کر دی جائے اور مشرق میں سر مارتے پھرنے کے بجائے روم کو تسخیر کیا جائے۔

پارتھیا (ایران) کی مہم میں یہ ثابت ہو گیا تھا کہ فوج انطونی پر کامل اعتماد رکھتی ہے اور وہ اپنے سپاہیوں کا ہر دل عزیز سردار ہے۔ باقاعدہ پسپائی کو سپہ سالاری کا سب سے نازک مرحلہ سمجھا جاتا ہے۔ انطونی نے یہ مرحلہ پوری کامیابی سے طے کر کے اپنے جوہر دکھائے تھے۔ آکٹیوین سے نپٹ لینے کا صحیح موقع یہی تھا۔ رہے اہلِ پارتھیا سو انھیں آرمینیا اور شام سے نکال دیا گیا تھا۔ مزید سرکوبی اُس وقت تک کے لیے ملتوی رکھی جا سکتی تھی جب انطونی روم کا تاجِ شاہی زیبِ سر کر لے۔ اور مقدّس صحیفوں کی بشارت کے مطابق ایک بادشاہ کی حیثیت سے پارتھیا پر فوج کشی کرے۔ قلوپطرہ شروع ہی سے جنگِ پارتھیا کے خلاف تھی مگر کچھ تو اِس خیال سے کہ یہ سیزر کے منصوبوں کا ایک حصّہ تھی اور کچھ انطونی کے سبز باغ دکھانے سے کہ میں فتح پارتھیا کے بعد محبوبِ عوام بن کر روم میں داخل ہوں گا، مالی امداد دینے کے لیے تیار ہو گئی تھی۔ نتیجہ تباہ کن ثابت ہوا۔ انطونی نے بھی یہی مناسب سمجھا کہ دوبارہ پارتھیا کا رُخ کرنے کے بجائے سال دو سال تک تمام وسائل کو آکٹیوین سے جنگ کرنے کے لیے مجتمع کیا جائے۔ اُسے شام ہی میں آکٹیوین

کی بڑھتی ہوئی طاقت کی خبر مل چکی تھی۔ وہ سیکسٹس کو شکست دے کر مٹیلین کی طرف بھگا چکا تھا۔ تیسرے پنچ یعنی لیپیڈس نے سیاست سے کنارہ کش ہو کر اپنے افریقی مقبوضات آکٹیوین کے حوالے کر دئے تھے۔ اِس طرح سارے مغرب پر آکٹیوین کا تسلط تھا اور اغلب تھا کہ وہ انطونی سے جلد الجھ پڑے۔

جنگ کے مصائب کے بعد انطونی کو قصرِ اسکندریہ کا عیش و راحت اور قلوپطرہ کی دلنواز صحبت بہت روح پرور محسوس ہوئی۔ جاڑے اطمینان سے گزرے البتہ چار سال پہلے کی سی رنگ رلیاں اور شاہ خرچیاں اس مرتبہ نہ ہوئیں۔ زندگی کی تلخ حقیقتوں نے بے فکری کے بجائے سنجیدگی پیدا کر دی تھی۔ اسکندریہ سے انطونی نے دارالسلطنت روم کو ایک خط بھیجا جس میں اپنی مہم کا حال کچھ سنوار کر لکھا اور یہ واضح کیا کہ بعض اعتبارات سے یہ فوج کشی نہایت کامیاب رہی۔ ۳۵ ق، م کے آغاز میں سیکسٹس پومپیس نے دربارِ مصر سے تعلقات قائم کرنے کے لیے سلسلہ جنبانی کی مگر اُس کے سفیر اس مقصد میں کامیاب نہ ہوئے۔ انطونی کو ان سفیروں سے یہ بھی معلوم ہوا کہ سیکسٹس دربارِ پارتھیا سے خفیہ خط و کتابت کر رہا ہے اور انطونی کے ایشیائی والسرائے ڈومیشس کو ورغلانے پر مائل ہے۔

یہ خبریں سن کر قلوپطرہ اور انطونی نے پومپی اعظم کے اس بحر پیما بیٹے کو ختم کرنے کا فیصلہ کیا۔ ٹشس نامی سردار نے سیکسٹس کو بمقام فریجیا گرفتار کیا اور کچھ دنوں بعد ملیٹس میں اُسے قتل کر دیا گیا۔ سیکسٹس نے بحری قزاقی اختیار کر لی تھی مگر برطانوی رابن ہڈ کی طرح عوام اُس کے بے حد شیدا تھے۔ اہلِ روم اس خبر سے یقیناً برافروختہ ہو جاتے اِس لیے انطونی نے خود کو اُس کے قتل سے بری ظاہر کرتے ہوئے یہ مشہور کر دیا کہ یہ کام میرا نہیں بلکہ میرے ایک سردار پلینکس کا ہے جس نے قتل کے محضر پر دستخط کر دیے۔

چند روز گزرے تھے کہ یکایک ایک ذی جاہ شخص قصرِ اسکندریہ میں داخل ہوا جس کی آمد نے تمام تجویزوں کا رُخ بدل دیا۔ یہ شاہِ پولیمن تھا جسے پچھلے سال کی مہم میں شاہِ میڈیا نے گرفتار کر لیا تھا اور اب یہ پیغام دے کر انطونی کے پاس بھیجا تھا کہ شاہِ پارتھیا سے میری اَن بن ہو گئی ہے۔ اگر مجھ سے متحد ہو جاؤ تو ہم دونوں مل کر اُس کی بیخ کنی کر دیں۔ اِس خبر سے دربار میں ہلچل سی مچ گئی۔ انطونی کو ایسا موقع خدا دے۔ سوچنے لگا کہ پارتھیا کے خوفناک فرماں روا سے بدلا لینے کا صحیح وقت یہی ہے۔ شاہِ میڈیا، جو اُس کا طاقتور حلیف تھا، میری مدد کے لیے

تیار ہے۔ اب یہ مہم بڑی آسانی سے سر ہو جائے گی۔ مگر قلوپطرہ جو مشرقی بادشاہوں کی دو رنگی سے ڈرتی تھی، اِس مہم کے خلاف تھی۔ پارتھیا میں سَر مارنے کے بجائے آکٹیوین کی سرکوبی ضروری تھی جس کا روز افزوں اقتدار اُن کے لیے خطرۂ عظیم بن چکا تھا۔ قلوپطرہ کی منت سماجت کے باوجود انطونی نے بطورِ آزمائش شاہِ آرمینیا کو خط لکھا کہ چند باتیں مشورہ طلب ہیں بے تامّل اسکندریہ پہنچو۔ یہ فرماں روا جس نے پچھلے سال کی شکست کے بعد سیدھا اپنے ملک کا راستہ لیا تھا، شرم یا خوف کے مارے انطونی کے سامنے آنے کو تیار نہ ہوا۔ سوچ لیا کہ اگر انطونی زیادہ دبائے گا تو اپنے پہاڑوں میں جا چھپوں گا ورنہ شاہِ پارتھیا سے مل جاؤں گا۔

انطونی پھر بھی اپنے منصوبے پر قائم رہا اور فوراً میڈیا کی طرف جانے کا فیصلہ کیا۔ یہ دیکھ کر قلوپطرہ نے بھی اُس کے ساتھ چلنے کی تیاری کی اور اپریل میں دونوں شام کی طرف روانہ ہوئے۔ وہاں پہنچے ہی تھے کہ انطونی کو یہ پریشان کن خبر ملی کہ اُس کی بیوی آکٹیویا روم سے روانہ ہو چکی ہے اور چاہتی ہے کہ یونان میں اُس سے آملے۔ غالباً آکٹیویا کی روانگی آکٹیوین کے اشارے سے ہوئی جو چاہتا تھا کہ کسی طرح انطونی سے الجھنے کا بہانہ ہاتھ آئے یعنی اگر انطونی نے آکٹیویا کو عزت سے قبول نہ کیا تو اس بے وفا شوہر کے خلاف شور و غوغا برپا کرنے کا اچھا بہانہ مل جائے گا۔ اُس نے انصاف و احترام کا مظاہرہ کرنے کے لیے بہن کے ساتھ دو ہزار فوج اور سامانِ جنگ بھی بھیج دیا۔ یہ فوج بظاہر آکٹیویا کا باڈی گارڈ تھی مگر درحقیقت آکٹیوین نے اس پردے میں انطونی کے دیے ہوئے جہازوں کی جزوی قیمت ادا کرنی چاہی تھی یا انھیں اپنے معزز حریف کو بطورِ تحفہ نذر کیا تھا۔

انطونی نے فوراً ایک خط لکھ کر آکٹیویا کو حکم دیا کہ میں میڈیا کی طرف جا رہا ہوں، تم ایتھنز ہی میں ٹھہرو۔ اس کے جواب میں آکٹیویا نے اپنے ایک عزیز نائیجر کو بھیج کر یہ پچھوایا کہ اس فوج اور سامانِ جنگ کا کیا کروں؟ نائیجر نے حوصلے سے کام لے کر آکٹیویا کی شرافت و اطاعت کی تعریف کی اور اِس عرصے میں اُس غریب نے تنہائی و فراق کے صدمے جس متانت سے برداشت

ؔ قلوپطرہ کی جلو میں ایسے مواقع پر تین ہزار سوار رہتے تھے۔

کیے تھے، بیان کیے مگر انطونی اس وقت یہ باتیں سننے کے لیے تیار نہ تھا۔ الٹا سیدھا جواب دے کر نائیجر کو رخصت کیا۔ حقیقت یہ ہے کہ اس موقع پر انطونی کو آکٹیویا کے حال پر بڑا ترس آیا۔ یہ بے رُخی آکٹیویا کی کھلی توہین تھی۔ آزردہ کرنے کے بجائے گھڑی دو گھڑی کے لیے وہ اسے ضرور دیکھنا چاہتا تھا مگر زندگی کی بیدردمجبوریاں بُری طرح حائل ہو گئیں۔ یوں بھی طبعاً وہ ایک بے فکرہ چھوکرا تھا اور جب تک کسی خاص ہنگامے کا خدشہ نہ ہوتا ان باتوں کی چنداں پروا نہ کرتا تھا جی بہلانے کے لیے قلوپطرہ موجود ہی تھی۔

ان واقعات سے قلوپطرہ کو سخت خلجان ہوا۔ جب آکٹیویا کے آنے کی خبر سنی تو یہ خدشہ ہُوا تھا کہ اس سوکن کے آتے ہی انطونی پھر مجھ سے برگشتہ ہو جائے گا۔ اب انطونی کی یہ بے رخی دیکھ کر اور زیادہ پریشان ہوئی۔ صاف اندازہ کر لیا کہ بہنوئی کی بے التفاتی اور بہن کی اہانت بجائے خود آکٹیوین جنگ کا بہانہ بنا لے گا۔ اس نازک موقع پر میڈیا اور پارتھیا کے جھگڑے میں پڑنا خطرناک ہے۔ جس طرح بنے انطونی کو واپس اسکندریہ لے چلو۔ آکٹیویا سے بھی نجات مل جائے گی اور پارتھیا کی مہم بھی ملتوی ہو جائے گی۔ مگر انطونی ایک بپھرے ہوئے لڑکے کی طرح اپنے حریف سے اُلجھنے کے لیے بے تاب ہو، شاہِ پارتھیا سے لوہا لینے پر تُلا ہوا تھا۔ حالات بھی سازگار تھے۔ شاہِ میڈیا اُس کا حلیف تھا ہی۔ اب شاہِ آرمینیا بھی راہِ راست پر آ گیا تھا اور اظہارِ اطاعت کے لیے انطونی کے خُردسال بیٹے الیگزنڈر ہیلیوس سے اپنی بیٹی کی منگنی کر چکا تھا۔ بایں ہمہ قلوپطرہ اس مہم کے بجائے اپنے بیٹے کے حریف یعنی آکٹیوین سے جنگ کرنے کی فکر میں تھی۔ اُس نے انطونی کو اسکندریہ لے جانے کی کوشش میں کوئی دقیقہ باقی نہ چھوڑا۔

پلوٹارک کا بیان ہے کہ انطونی کو اس مہم سے روکنے کے لیے قلوپطرہ نے تمام نسوانی حربے استعمال کیے۔ غذا کم کر کے اپنا بدن لاغر کر لیا۔ اکثر کہا کرتی کہ میں تمھاری جدائی میں جیتی نہ بچوں گی۔ وہ کمرے میں داخل ہوتا تو دیوانوں کی طرح ٹکٹکی باندھے اُسے دیکھتی۔ جانے لگتا تو غش ہو ہو جاتی۔ اکثر اُس کے سامنے زار زار روتی اور اُسے دیکھتے ہی مُنہ پھیر کر آنسو پونچھنے لگتی گویا اپنا غم ظاہر کر کے اُسے غمگین بنانا نہیں چاہتی۔ اُس کے اہالی موالی بھی انطونی کو ملامت کیا کرتے کہ جس عورت کی زندگی کا انحصار تم پر ہے اُس سے اتنی سنگدلی اچھی نہیں۔ وہ کئی ملکوں کی ملکہ ہے

بلکہ تمہاری کنیز یہی تو فخر کرتی ہے۔ تمہارے فراق میں زندہ نہ رہے گی۔

آخر انطونی نے پارتھیا کی مہم سے ہاتھ اٹھا لیا۔ قلوپطرہ نے جو کچھ ٹھیک تھا۔ ناعاقبت اندیش انطونی اپنی بیوی کی اہانت کرنے کے باوجود پارتھیا کی جنگ میں پھنسنے کے لیے تیار اور یہ سمجھنے سے قطعاً غافل تھا کہ آکٹیوین اس توہین کے بعد خاموش نہ رہے گا۔ قلوپطرہ کو انطونی سے بس اتنا ہی لگاؤ تھا جتنا اسے اس سے تھا۔ پھر بھی اس کی امیدوں کا مدار انطونی کی ذات پر تھا اور اس کی بہتری اسی میں تھی کہ تمام منصوبے چھوڑ کر خاموشی سے روپیہ اور سامانِ جنگ جمع کیا جائے تاکہ جس قدر جلد ممکن ہو آکٹیوین سے دو دو ہاتھ ہو جائیں۔

بادلِ ناخواستہ انطونی اسکندریہ آیا۔ جاڑے کا موسم گزارا اور اپنے وسیع ممالکِ محروسہ کا انتظام کیا۔ اگلے سال یعنی سنہ ۳۴ ق م کی بہار میں آرمینیا اور میڈیا سے تعلقات مستحکم کرنے کے لیے شام پہنچا اور آرمینیا پر حملہ کیا۔ پارتھیا کے متعلق جتنے امور مشورہ طلب ہیں، آگے جیسے بادشاہِ آرمینیا پچھلے سال شاہِ پارتھیا سے ساز باز کرتا رہا تھا۔ سمجھتا تھا کہ انطونی کے ہاتھ میں پڑا اور دغابازی کا خمیازہ اٹھانا پڑا۔ غرض یہ دن آیا۔ انطونی تیزی سے اس کے ملک میں داخل ہوا۔ بادشاہ کو گرفتار کر کے اعلان کر دیا کہ آج سے آرمینیا حکومتِ روم کا ایک صوبہ ہے۔ خزانے پر قبضہ کر لیا اور سارے ملک کو تاراج کر ڈالا۔ سپاہیوں نے لوٹ مار کا بازار ایسا گرم کیا کہ اناطس دیوی کے مندر تک کی حرمت اٹھا دی۔ اس دیوی کا بت خالص سونے کا تھا۔ اکھاڑ کر ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالا اور آپس میں بانٹ لیا۔

شام واپس آ کر انطونی نے شاہِ میڈیا سے نامہ و پیام شروع کیا۔ تعلقات استوار ہو گئے۔ بادشاہ نے اپنی بیٹی ایوٹیپا کی شادی انطونی کے خردسال لڑکے الیگزنڈر ہیلیوس سے کر دی۔ اس بادشاہ کے کوئی لڑکا نہ تھا اس لیے بیٹی، داماد کو تخت و تاج کا وارث ٹھہرایا۔ انطونی یہ سب معاملات سلجھا کر بہ اطمینان اسکندریہ واپس آیا۔ پھر بھی بقولِ پلوٹارک "آنے والی خانہ جنگی سے متفکر تھا۔"

لہ بعض مصری بادشاہوں کی طرح انطونی نے یہ دستور بنا لیا تھا کہ جاڑا اسکندریہ میں گزارتا اور گرمیاں شام میں۔ آج اکثر ملکوں میں یہی دستور ہے۔ اس نقل و حرکت میں پورا دربار انطونی کے ساتھ ہوتا تھا۔

آکٹیویا نے روم واپس آکر ساری داستان سنا دی تھی۔ مگر آکٹیوین کے منع کرنے کے باوجود انطونی ہی کے مکان میں رہی۔ اس خاتون کی شوہر پرستی آب زر سے لکھنے کے قابل ہے۔ آکٹیوین کو سمجھایا کہ تم میری وجہ سے انطونی کے ساتھ جھگڑا نہ کرنا۔ ورنہ دنیا کہے گی کہ دو عورتوں کے باعث (خود اور قلوپطرہ) لاکھوں آدمیوں کا خون بہ گیا۔ پھر بھی یہ جھگڑا مٹنے والا نہ تھا۔ انطونی کی نظر بھی واقعات کی رفتار پر تھی۔ اب اُسے احساس ہوا کہ فی الواقع اس نازک موقع پر قلوپطرہ نے مجھے پارتھیا کی مہم سے روک کر دانش مندی کا ثبوت دیا ہے۔

اکتوبر ۳۴ ق م میں انطونی شام سے پلٹا اور فتح آرمینیا کا جشن اسکندریہ میں منایا جس سے سارے روم میں کھلبلی سی مچ گئی۔ آج تک کبھی ایسا نہیں ہوا تھا کہ کسی رومی جرنیل نے اپنی فتح کا جشن روم سے باہر کہیں اور منایا ہو۔ ہر شخص کو احساس ہوا کہ انطونی اسکندریہ کو دارالحکومت بنا کر روم کا برابر کا حریف بنانا چاہتا ہے۔ اس سے پہلے سنا گیا تھا کہ جولیس سیزر اسکندریہ کو دارالحکومت بنانے کا ارادہ رکھتا ہے۔ جب تو نہ ہو سکا۔ مگر اب انطونی نے یہ کر دکھایا۔ ہر شخص سمجھ گیا کہ اس نے اسکندریہ کو وطن بنا لیا اور کم از کم اپنے مشرقی صوبوں کا دارالسلطنت بنانے کا فیصلہ کر لیا ہے۔

یہ واقعہ ہے کہ جہاں تک موزونی و سہولت کا تعلق ہے، ایک عالمگیر حکومت کا دارالسلطنت بننے کے لیے روم کی نسبت اسکندریہ زیادہ موزوں شہر تھا۔ اُن دنوں روم کے مغربی مقبوضات، یعنی وحشی ہسپانیہ، نو مفتوحہ فرانس، غیر معروف جرمنی اور حقیر برطانیہ دولت و عظمت کے لحاظ سے مشرق کے مہذب متموّل صوبوں کا پاسنگ بھی نہ تھے۔ اس طرح روم اپنے اہم ترین مقبوضات کی انتہائی مغربی حد پر واقع تھا۔ اس کے برعکس اسکندریہ کو مرکزی حیثیت حاصل تھی۔ انطاکیہ اور طارسس جیسے شہر یہاں سے سات آٹھ سو میل کے فاصلے پر تھے۔ حالانکہ روم سے تہذیب و تمدن کے ان مرکزوں کا فاصلہ اس سے دگنا تھا۔ اس طرح ایشیائے کوچک اور شام کے دوسرے شہر اور دیگر مقبوضات مثلاً رھوڈز، سلیشیا، پونطس، آرمینیا، لیشیا، گلیشیا، کریٹ، قبرص وغیرہ روم کی نسبت اسکندریہ سے قریب تر تھے۔ اس کے علاوہ مشرق و مغرب کی تجارت کا سنگم، تہذیب و تمدن، شائستگی، دولت مندی اور صحت کے نقطۂ نظر سے بھی روم کی نسبت زیادہ ترقی یافتہ تھا۔ ان تمام باتوں کے پیش نظر انطونی کا یہ اقدام کچھ بیجا نہ تھا کہ اسکندریہ کو اپنا وطن یا دارالحکومت بنا کر

جشنِ فتح بھی یہیں منائے مگر اِس حرکت سے اہلِ روم کی آشفتگی بڑھ گئی۔

یہ جشن بہت شاندار تقریب تھی۔ ہزاروں سپاہیوں کے درمیان ایک شاندار رتھ پر، جسے چار سفید گھوڑے کھینچتے تھے، انطونی سوار تھا۔ آگے آگے بدنصیب شاہِ آرمینیا طلائی زنجیروں میں جکڑا اپنی ملکہ اور بیٹیوں سمیت پیدل چل رہا تھا۔ رتھ کے پیچھے ہزاروں آرمینی اسیر تھے۔ اُن کے پیچھے مالِ غنیمت کے چھکڑے تھے۔ مختلف ملکوں سے تہنیتی وفد سنہری تاج انطونی کو پیش کرنے کے لیے لائے تھے۔ اُن کے پیچھے لاتعداد رومی، مصری اور شامی سپاہی تھے۔

جشن کا جلوس، جو صبح دم چڑھتے سورج کی کرنوں میں قصرِ شاہی سے نکلا، تو چیاس کے عظیم پشتے سے بندرگاہ تک پھیلا ہوا تھا۔ یہاں سے یہ چوک کی طرف بڑھتا، احاطۂ شاہی کی پرشکوہ عمارتوں کے برابر سے گزرتا، شاہراہِ قینیوفص کے اُس نقطے پر پہنچا جہاں پانیم کا کوہ پیکر ٹیلا نیلے آسمان کو چھوتا نظر آتا ہے۔ یہاں سے یہ جلوس سڑک سڑک مغرب کی طرف بڑھا۔ لاکھوں تماشائیوں کے ہجوم میں سیما یعنی شاہی مقبرے کو (جہاں سکندرِ اعظم کی ہڈیاں محفوظ ہیں) سیدھے ہاتھ پر چھوڑتا، اکھاڑے اور عدالتوں کے سامنے سے گزرا جن کے سایہ دار برآمدوں میں سیکڑوں معززا کابر نظارہ کرنے کے لیے کھڑے تھے۔ دوسری طرف عجائب گھر کے برآمدے پروفیسروں، طالب علموں اور اُن کے گھر والوں سے بھرے ہوئے تھے جو یہ عالی شان منظر دیکھنے آئے تھے۔ ذرا آگے بڑھ کر جلوس جنوب کی طرف شاہراہِ صیرافص پر بڑھا یہاں تک کہ صیرافیم کا عالی شان مندر آگیا۔ یہاں قلوپطرہ اور اہلِ دربار ٹھہر گئے۔ صیرافص دیوتا کے پجاری اور پجارنیں سڑک کے دونوں طرف اور مندر کی چڑھتی سیڑھیوں پر محوِ تماشا تھے۔

یہاں انطونی بھی اپنی شاندار رتھ سے اُترا۔ لاکھوں تماشائیوں کے نعروں اور نیزہ برداروں کے لچکتے نیزوں نے منظر کی شان و شکوہ اور بڑھا دی تھی۔ اس طمطراق کو یہیں چھوڑ کر انطونی مندر کی سیڑھیوں پر چڑھتا قربان گاہ تک پہنچا اور جس طرح روم میں مشتری کے مندر پر بھینٹ دی جاتی تھی، یہاں بھی نیاز چڑھانے کا فریضہ انجام دیا۔ اس کے بعد نیچے اُتر کر اُس نقرئی چوکی کی طرف بڑھا جہاں قلوپطرہ زہرہ کی پوشاک پہنے طلائی تخت پر جلوہ افروز تھی۔ یہاں انطونی نے قلوپطرہ کے حضور میں ارطاوسدس شاہِ آرمینیا کو اُس کی ملکہ اور بیٹیوں سمیت پیش کیا جو دوپہر

کی دھوپ، پیادہ پائی اور عوام کے طنز و استہزار کے باعث بدحال ہو رہے تھے۔ ارطاوسدس صاحبِ ذوق اور ذی علم آدمی تھا۔ کئی اچھے حزنیہ ڈرامے اُس کے قلم سے نکل چکے تھے۔ یہاں اُسے حکم دیا گیا کہ قلوپطرہ کو دیوی کہہ کر سلام کرے گردن جھکا کر کورنش بجالائے مگر اس منچلے نے صاف انکار کر دیا سپاہیوں نے سختی بھی کی مگر جھکنے کی بجائے سیدھا کھڑا رہا اور قلوپطرہ سے بات کرنے میں اُس کا نام لے کر مخاطب کرتا رہا۔ روم کا دستور تھا کہ جشنِ فتح پر اسیر بادشاہوں کو قتل کر دیتے تھے۔ قلوپطرہ سے اس صریحی گستاخی کے بعد تو قتل اور بھی یقینی تھا۔ مگر بادشاہ کا پُروقار طرزِ عمل، انطونی اور قلوپطرہ کے دل میں کھُب گیا! مناسب احترام سے سبھوں کی جان بخشی ہوئی اور بعد ازاں شاہی قیدیوں کی طرح اسکندریہ میں نظر بند رکھا گیا۔

جشن کے بعد کوئی تین بجے خوانِ یغما بچھا۔ ضیافت کا سامان بھیلا اور اسکندریہ کا ہر شخص ضیافت میں شامل ہوا۔ اِس کے بعد اکھاڑے میں ایک اور تقریب منائی گئی۔ ایک بڑے سے نقرہ پوش چبوترے پر دو بڑے اور چار چھوٹے طلائی تخت رکھے گئے۔ جن پر انطونی، قلوپطرہ اور چاروں بچے متمکن ہوئے آداب و رسوم پورے کر کے انطونی عوام سے مخاطب ہوا اور ملکہ کو اور اُس کے چاروں بچوں کو شاندار خطابات عطا کئے۔ قلوپطرہ ملکۂ عالم بنی اور سیزارین کو، جو اُس کا شریکِ حکومت تھا، شہنشاہ کا خطاب ملا۔ یہ لڑکا جو عمر کی چودھویں منزل میں تھا، اپنے باپ سیزر سے کمال مشابہ تھا معلوم نہیں کہ سیزر کے لختِ جگر کو یہ خطاب دیتے وقت انطونی کے دل میں بیتے دنوں کی کتنی دلگداز یادیں آئی ہوں گی۔ خود اپنے لڑکے ہیلیوسس الیگزنڈر کو شاہِ آرمینیا اور میڈیا کا خطاب دیا۔ کیونکہ اس لڑکے کے خسر یعنی شاہِ میڈیا نے وعدہ کر لیا تھا کہ میرے بعد بیٹی، داماد تخت کے وارث ہوں گے۔ آرمینیا و میڈیا کے ساتھ پارتھیا کی حکومت بھی شہزادے کو بخش دی گئی اور یہ وعدہ ہوا کہ ایک روز یہ ملک بھی فتح کر کے عملاً انھیں دیا جائے گا۔

چھ سال کے اس بچّے کی دھج دیکھنے کے قابل تھی۔ آرمینائی لباس پہنے ہوئے تھا۔ سر پہ میڈیا کی دستار تھی۔ جس کے لٹکتے ہوئے شملے نے گردن چھپا رکھی تھی۔ جسم پہ آستینوں والا شلوکا اور اس پر ایک ڈھیلا ڈھالا لبادہ تھا جس کی لہراتی پُرشکن تہوں سے شان ٹپکتی تھی۔ ٹانگوں میں شلوار تھی جو ایران میں عموماً پہنی جاتی ہے۔ اِس نو عمر شہزادے کی توام بہن یعنی قلوپطرہ سلین

کو سیرانیکا، لیبیا اور ساحلِ شمالی افریقہ کی حکومت بخشی گئی۔ ننھا بطلیموس فونیشیا، شمالی شام اور سلیشیا کا تاجدار مقرر ہوا۔ دو سال کا یہ ننھا بچہ اس موقع پر مقدونی لباس میں ملبوس تھا۔ مقدونی لبادہ کاندھے پر، پاؤں میں بوٹ، سر پر ٹوپی کے ساتھ ننھا سا تاج، غرض سکندرِ اعظم کے جانشینوں کی سی سج دھج تھی۔ تقریب کے خاتمے پر چاروں بچوں نے والدین کو فوجی سلام کیا۔ اس کے بعد ہر ایک کے گرد اس کے باڈی گارڈ کا دستہ حاضر ہوا۔ یہ دستہ اُن ملکوں کے سپاہیوں پر مشتمل تھا جو ہر بچے کی حکومت میں دیے گئے تھے۔ اب کہ سورج کی ٹکیہ سمندر کے پانی میں ڈوب رہی تھی، یہ شادکام شاہی گھرانا دن بھر کی جلال آفریں مصروفیت سے فارغ ہو کر قصرِ شاہی کی طرف پلٹا۔

اِس تقریب کی یادگار میں سکوں پر سکۂ ملکہ و شہزادگانِ شاہ نژاد کے الفاظ چھپے گئے۔ شش سالہ الیگزنڈر ہیلیوس کا ایک رنگین مجسمہ بھی ڈھالا گیا جس میں اُسے اپنی نئی مملکت کا قومی لباس پہنے دکھایا گیا تھا۔ یہ مجسمہ حال ہی میں دریافت ہوا ہے اور غالباً اِسی بچے کا ہے۔

انطونی نے اِن تمام واقعات کی تفصیل اور جنگِ آرمینیا کی روداد روم کے ایوانِ حکومت کو ارسال کی اور اپنے گماشتوں کو لکھ بھیجا کہ مذکورہ ملکوں کی حکومتوں میں جو ردّ و بدل میں نے کیا ہے حکومتِ روم سے اُس کی باقاعدہ توثیق کرلیں۔ روم میں اِن خبروں سے سنسنی سی پھیل گئی اور طبقۂ امرا انگشت بدنداں رہ گیا۔ انطونی کے گماشتوں نے بڑی عقل مندی کی کہ رپورٹ کا پڑھنا ملتوی کروا دیا مگر آکٹیوین اسے پڑھوانے کے درپے تھا۔ غرض گماشتوں نے رپورٹ تو پڑھی مگر جابجا مطالب میں ردّ و بدل کر کے۔ فوراً سارے شہر میں یہ داستان پھیل گئی کہ انطونی نے مشرقی سلاطین کا طریقہ اختیار کر لیا ہے اور مے خواری و عیاشی میں غرق رہتا ہے۔ قلوپطرہ کے خلاف مے خواری کا الزام لگانا مشکل تھا اس لیے یہ مشہور کیا گیا کہ پیتی تو ہے مگر یاقوت کی طلسمی انگوٹھی کی بدولت خمار سے محفوظ رہتی ہے!

بے شک انطونی اُن دنوں بادۂ ارغوانی میں غرق رہتا تھا۔ آکٹیوین کی جنگ کے تردّد نے اُسے بدحواس کر رکھا تھا اور یہ بھی اندازہ ہو چکا تھا کہ روم میں میری ہر دلعزیزی خطرے میں ہے۔ غم غلط کرنے کے لیے شراب کا سہارا ڈھونڈتا تھا مگر قلوپطرہ، جو بالطبع متین تھی، اس حرکت سے بیزار تھی۔ اس کی ابتری دیکھ دیکھ کر کُڑھتی تھی کہ جس شخص پر میری امیدوں کا انحصار ہے وہ اندھا دھند

تباہی کی طرف بڑھ رہا ہے۔

انطونی روز بروز اپنے رومی خصائل ترک کرتا جا رہا تھا اور بیشتر امور میں مشرقی سلاطین کا وتیرہ اختیار کر چکا تھا مگر قلوپطرہ کو اس سے چنداں بحث نہ تھی۔ وہ اپنے خاندان میں اس سے زیادہ شراب نوشی و تن آسانی کی مثالیں دیکھ چکی تھی۔ اُسے غم تھا تو یہ کہ انطونی اپنی مردانہ صلاحیتیں کھونے سے آنے والی جنگ کے لیے ناکارہ ہوتا جا رہا ہے۔ وہ متوفی جولیس سیزر کی مستعدی اور انطونی کی کاہلی کا موازنہ کرتی تو افسردہ ہو ہو جاتی۔ انطونی نے مشرقی خصلتیں اختیار کر کے نئے ملکوں میں ہر دل عزیزی حاصل کر لی تھی مگر یہ کہنا پڑتا ہے کہ مردانگی و ہوش مندی سے بیگانہ ہوتا جا رہا تھا۔ فلورس ایک متعصب مؤرخ سہی مگر سچ لکھتا ہے کہ "قلوپطرہ نے متوالے انطونی سے اپنی محبت کے صلے میں روم کی حکومت مانگی اور انطونی نے وعدہ کر لیا۔ کیا خوب! گویا روم کی حکومت پر قبضہ کرنا فتح پارتھیا سے بھی آسان تھا۔ اس بدمست جنرل نے اپنے ملک، اپنے قومی لباس، اپنے عہدے، اپنی وردی، غرض ہر قابلِ فخر چیز کو بھلا کر روم کی عظمت کو بٹا لگا دیا۔ کردار و فکر کی شرافت کو تج کر جاہ طلبی، عیاشی اور رہبانیت کا دیوبن کر رہ گیا۔ سر پر طلائی تاج رکھا، ہاتھ میں سنہری عصا سنبھالا اور کمر میں اصفہانی تلوار باندھلی۔ غرض اپنی معشوقہ (ملکہ) سے ہم سری کرنے کی دھن میں بادشاہی کا ٹھاٹھ پھیلا دیا۔"

گزشتہ چند سال کے اندر شاہی قصر کی زیب و زینت میں چند در چند اضافہ ہو چکا تھا جس سے انطونی اس شاندار عمارت کا بڑا والہ و شیدا تھا۔ لیوکن کی تحریروں سے اس شاہی شبستان کی آرائش کا حال معلوم ہوتا ہے اس کی دیواریں اور ستون شفاف سنگِ مرمر کے تھے۔ چھت کے شہتیروں کے نیچے سونے کی چھت گیریاں تھیں جن میں سنگِ سماق اور عقیق سے پچی کاری کی گئی تھی۔ فرش سنگ جراحت کا تھا۔ کواڑ اور دروازے سراسر آبنوس کے تھے جن میں ہاتھی دانت کا استعمال بکثرت ہوا تھا۔ دروازوں میں ہندوستانی صدف اور زمرد کا جڑاؤ تھا۔ فرنیچر میں سنگِ یشب اور عقیق جڑے ہوئے تھے۔ کوچ اور کرسیاں جواہر نگار تھیں جن پر قرمزی رنگ کے جھل جھل کرتے زرتار بالاپوش پڑے تھے۔ کمروں میں ہر جگہ قمر طلعت کنیزوں، زیبا شمائل لڑکوں کی ریل پیل تھی۔ بعض سانولے سلونے بعض گورے چٹے مگر سب کے سب حسین، خوبرو۔ ایتھوپیا والوں کے

گھونگر والے بال، فرانسیسی اور جرمنی کنیزوں کی سنہری زلفیں، غرض ایک پرستان کا سا عالم تھا۔ اُن کے انتخاب میں دولت بکھیرنے کے علاوہ اور بہت سی نزاکتیں ملحوظ رکھی گئی تھیں۔ انطونی نے دو لڑکوں کو آٹھ آٹھ سو پونڈ کی قیمت پر خریدا تھا۔ شکل وصورت اور قد و قامت کے اعتبار سے یہ دونوں توام بھائی معلوم ہوتے تھے مگر فی الواقع مختلف ملکوں کے تھے۔ قلوپطرہ، اس پرستان کی بکاؤلی، سر سے پاؤں تک زیورات میں لدی، پری بنی پھرتی تھی۔ چینی ریشم کی قبا میں سے جو مصری صناعوں کی نازک سوزن کاری نے جالی دار بنا دی تھی۔ اُس کا سینہ شفاف شیشے کی طرح جھلکتا تھا۔ ہندوستان سے تجارت ترقی پر تھی اس لیے مشرق کے نازک، شبنمی، زرتار ملبوسات سے سارا محل بھرا پڑا تھا۔ مختلف ملکوں کی استعمالی چیزیں اس کثرت سے محل میں جمع ہو گئی تھیں کہ یونانی یا مصری رنگ دب گیا تھا۔

مشرق کا مختارِ مطلق اس پرستان میں راجہ اندر کی طرح نشۂ عیش و عشرت سے جھومتا پھرتا تھا نشہ کم ہوتا تو سیاسی تفکرات سامنے آجاتے مگر پھر سرورِ کیف کی پناہ میں سرخوشی کے گیت گانے لگتا۔ وہ اپنے آپ کو راجہ اندر، بکیس یا بیسر لِبر کہلا کر بجد خوش ہوتا اور جس روز اِس دیوتا کا جلوس نکلتا تو اسی کی طرح رتھ میں سوار ہو کر منظرِ عام پر آتا۔ گلے میں پھولوں کے ہار ہوتے، ہاتھ میں سنہری عصا، سر پر طلائی تاج ادائے کج کلاہی سے رکھا ہوتا۔ غرض دیوتاؤں کی سی شان سے مقدس رتھ میں بیٹھ کر شاہراہِ قینوذص پر گشت کرتا اور اسکندریہ کے رنگین مزاج زن و مرد فرطِ سرور میں اُس کے اردگرد خوب اچھلتے کودتے۔ احاطۂ شاہی میں اپنے نام پر ایک عالی شان مندر بھی تعمیر کروایا تھا جسے انقلابِ روزگار نے بعد میں آکٹیوین کی درگاہ قرار دے کر سیزاریم کے نام سے مشہور کیا۔ رنگینی کی حد یہ تھی کہ جب انطونی نے اپنے ایک دوست پلینکس کو ربّ البحر کا کردار ادا کرنے کا اعزاز بخشا تو وہ ایک دعوت میں عجیب شان سے وارد ہوا۔ برہنہ جسم نیلی رنگت سے لپا ہوا تھا سر پر سمندری گھاس کا تاج تھا اور کمر میں ایک بڑی سی مچھلی کی دم بندھی ہوئی تھی۔

انطونی اپنے ذاتی وقار سے قطعاً بے پروا تھا۔ اب کہ وہ مشرق کا مختارِ مطلق تھا، اُسے شاہی متانت و وقار کا خیال رکھنا لازم تھا۔ مگر کیفیت یہ تھی کہ قلوپطرہ رتھ میں نکلتی تو یہ اکثر اُس کی جلو میں پیدل چلتا اور خدم و حشم سے بے تکلف باتیں کرتا رہتا۔ ایک مرتبہ ملکہ سے

'اکھاڑے کا مہتمم' جیسے حقیر عہدے کی التجا کی۔ ملکہ کی ہم صحبتی کا اتنا دلدادہ ہو گیا تھا کہ ہر جگہ اُس کے پیچھے پیچھے جاتا اور لوگ انگشت نمائی کرتے کبھی اُس کی رتھ کے برابر میں گھوڑے پر چلتا اور سرکاری یا مذہبی رسوم انجام دیتا۔ وہ دربار میں بیٹھی مقدمات کی سماعت کرتی تو اُس کے پہلو میں بیٹھتا بعض دفعہ یہ تماشا بھی ہوا کہ منصفِ اعلیٰ کی حیثیت سے کسی اُلجھے ہوئے مقدمے کی سماعت کر رہا ہے کہ اتنے میں کھڑکی سے ملکہ کی رتھ نظر آئی۔ پھر کیا تھا، کچھ کہے سُنے بغیر دیوانہ وار اُٹھا۔ مقدمے کی کارروائی چھوڑ چھاڑ رتھ کے ساتھ ہو لیا اور محل تک پہنچا۔ وکیل، پولیس، مجرم، تماشائی سب مُنہ پھاڑے حیران ہیں کہ یہ کیا ہو گیا!

کچھ معلوم نہیں کہ اپنے بچوں سے انطونی کا کیا برتاؤ تھا۔ گھریلو ماحول کا نقشہ کھینچنے کے لیے ہمیں واقعات نہیں ملتے۔ اُن دنوں سیزر کا لڑکا سیزارین انطونی کے دونوں توام بچے، تیسرا لڑکا بطلیموس اور انطیلس، جو فلویا کے بطن سے تھا، سب کے سب محل میں رہتے تھے۔ اندازہ یہ ہے کہ وہ ایک شفیق، خوش مزاج باپ تھا۔ قصرِ شاہی میں جو دلچسپ گھریلو چہلیں ہوتی ہوں گی اگر وہ تاریخ میں محفوظ ہوتیں تو انطونی کی خانگی زندگی بہتر بنا کر پیش کرتیں۔ اپنے البیلے پن کے باوجود انطونی قصرِ شاہی میں خانگی زندگی گزار رہا تھا۔ قلوپطرہ اُس کی بیاہتا بیوی تھی۔ ان دنوں جب کبھی آکٹیوین نے انطونی کے کردار پر حملہ کیا ہے تو اُس نے دوٹوک جواب دیا ہے کہ "قلوپطرہ آج سے نہیں نو سال سے میری بیوی ہے۔ تم اگر جلتے ہو تو محض اس لیے کہ میں ایک ملکہ کا شوہر ہوں"۔ انطونی کی شراب نوشی اور طفلانہ اُچھل کود قابلِ اعتراض سہی مگر اُس کی خانگی زندگی کسی عنوان درخورِ ملامت نہیں۔ وہ آکٹیوین جیسے سیاہ کار سے کہیں اچھا تھا۔ واقعات شاہد ہیں کہ وہ اپنے دوستوں سے شہر کی نوخیز حسین عورتیں منگواتا اور یہ لوگ اُس کے حسبِ خواہش معزز گھرانوں کی لڑکیاں اغوا کر کے اپنے فاسق آقا کو پیش کرتے تھے۔ لانے سے پہلے وہ اُن لڑکیوں کو عریاں کر کے اُن کے حسن و جمال کا اندازہ کر لیتے تھے کہ آکٹیوین کے معیارِ حُسن پر پوری اُترتی ہیں یا نہیں۔

لاکلام قصرِ شاہی کی زندگی بڑی مسرفانہ تھی۔ یہاں صبح سے شام تک جشن رہتا تھا۔ ایک مرتبہ فلوطس نے، جو انطیلس کے ساتھ کھانے پر شریک تھا۔ ایک باتونی حریف کا ناطقہ بند کرنے کے لیے کچھ ایسا بیہودہ مگر چُست آوازہ کسا کہ سب ہنس پڑے۔ انطیلس بہت محظوظ ہوا اور کھانے

کی میز، جس پر سونے کا پتر چڑھا ہوا تھا، اُسے بخش دی۔ فلوطس نے یہ سمجھ کر کہ یہ نو عمر لڑکا اتنی بیش بہا چیزیں بخشنے کا حق نہیں رکھتا، اُسے قبول کرنے سے پہلو تہی کی اور اپنے گھر چلا گیا۔ اتنے میں ایک دوست وہی میز لیے ہوئے آیا۔ فلوطس نے پس و پیش کیا تو اُس نے کہا "تمھیں کیا ہوا ہے؟ انعام دینے والا انطونی کا لڑکا ہے جسے یہاں تک اختیار حاصل ہے کہ اگر یہ میز خالص سونے کی ہو تو بھی بے دریغ بخش دے۔" قصرِ شاہی کے اللّے تللّوں کی یہ ایک ادنیٰ مثال ہے۔

سنہ ۳۴ ق م کا موسمِ سرما اسکندریہ میں بسر کرنے کے بعد اپریل سنہ ۳۳ ق م میں انطونی گرمیاں گزارنے کے لیے شام چلا گیا۔ خیال یہ تھا کہ شاہِ میڈیا سے تعلقات اور مستحکم کر لیے جائیں تاکہ آکٹیوین سے جنگ کے دوران میں پارتھیا کی طرف سے کوئی اندیشہ نہ ہو۔ اِس سفر میں قلوپطرہ اُس کے ساتھ نہ گئی جسے اُس کی سرد مہری پر محمول کیا جا سکتا ہے۔ انطونی آرمینیا پہنچا اور غالباً وہیں شاہِ میڈیا سے ملاقات کر کے آرمینیا کا بڑا حصہ اُسے اور چھوٹا حصہ شاہِ پولِطس کو عنایت کیا۔ شاہِ میڈیا نے اپنی بیٹی آیوطپا کو، جو الیگزنڈر ہیلیوس سے منسوب تھی، انطونی کے سپرد کر دیا تاکہ اسکندریہ میں مناسب تعلیم و تربیت حاصل کر سکے۔ اُس کے ساتھ روم کا وہ شاندار عقابی جھنڈا بھی واپس کیا جو سنہ ۳۶ ق م کی لڑائی میں اُس نے رومی فوجوں سے چھینا تھا۔ علاوہ بریں اپنے تیر انداز سواروں کا وہ دستہ نذر کیا جس نے اُس خونیں معرکے میں رومیوں کی صفیں تہ و بالا کر دی تھیں۔ اس کے صلے میں انطونی نے بھی رومی جانبازوں کا ایک دستہ تحفۃً دیا۔

پارتھیا کے خطرے کا سدِّ باب کر کے انطونی مصر واپس آیا۔ شاہِ میڈیا کی دُختر، جو اُس کے ساتھ تھی، خاندانِ شاہی میں ایک خوشگوار اضافہ بن گئی۔ قلوپطرہ کو اِدھر سے تو اطمینان ہوا مگر آکٹیوین کے ساتھ عنقریب ہونے والی جنگ کی خبریں سن کر متفکر ہوئی۔ سنہ ۳۳ ق م کے ساتھ اتحادی معاہدہ ختم ہونے والا تھا۔ آکٹیوین نے ایوانِ حکومت میں انطونی کے خلاف نفرت کا طوفان برپا کر رکھا تھا۔ انطونی کو آرمینیا کی حکومت میں یہ خبریں ملیں تو اُسے ایک انتہائی فحش خط لکھ مارا جس کا اُس نے بھی ایسا ہی جواب دیا۔ انطونی نے اُس پر یہ الزام لگائے تھے کہ تم نے سیکسٹس کی جہم کا مالِ غنیمت اور میرے دیے ہوئے ایک سو تیس جہاز اب تک میرے حوالے نہیں کیے لیپیڈس کے چھوڑے ہوئے افریقی مقبوضات بھی خود دبائے بیٹھے ہو حالانکہ نصف حصے کا میں مستحق ہوں

علاوہ بریں اٹلی کی جاگیر تم نے اپنی فوج میں بانٹ دی ہے میرے سپاہیوں کے لیے ایک قطعہ بھی باقی نہیں چھوڑا۔ آکٹیوین نے جواب دیا کہ جب تم آرمینیا اور مصر کا مالِ غنیمت مجھے دو گے میں بھی تمھارا حصہ ادا کر دوں گا۔ رہی جاگیر کی تقسیم سو آرمینیا اور میڈیا زیرنگیں کر لینے کے بعد تمھارے سپاہیوں کو اٹلی کی جاگیروں کی کیا حاجت ہے۔ آکٹیوین کا مصر کی طرف اس طرح اشارہ کرنا گویا مصر ایک خود مختار حکومت ہونے کے بجائے روم کا صوبہ ہے، قلوپطرہ کو خصوصیت سے ناگوار گزرا۔ البتہ اس بات سے اطمینان ہوا کہ آکٹیوین کی طعنہ زنی کے جواب میں انطونی نے بہ شدّ و مد صاف صاف لکھ دیا تھا کہ قلوپطرہ میری بیوی ہے۔

اب جنگ کا دیو چنگھاڑنے ہی کو تھا اور قلوپطرہ کے دل و دماغ میں ہیجان برپا تھا۔ وہ انطونی کی بے فکر غیر مستعد روش سے اتنی بیزار رہنے لگی کہ انطونی نے اسکندریہ چھوڑ کر ایفیسس کو اپنا مستقر بنانے کا فیصلہ کیا۔ یہ سن کر قلوپطرہ ملائم پڑ گئی۔ بدمزگی ختم ہوئی۔ انطونی نے بھی اس کچھ کے سے ہوش مندی اختیار کر لی۔ چاروں طرف قاصد روانہ کر کے حکم بھیجا کہ سب سردار فوجیں لے کر آئیں۔ قلوپطرہ کو بھی جنگی تیاریوں میں مدد دی۔ غرض بحری بیڑا، بے شمار فوج اور سامانِ جنگ جمع کر کے، کیل کانٹے سے لیس ہو کر، نومبر ۳۳ ق م انطونی اور قلوپطرہ نے ایفیسس کی طرف حرکت کی۔ اہلِ اسکندریہ یہ دیکھ کر جوشِ طرب سے مست ہو گئے کہ ان کی ملکہ جو زہرہ دیوی کا ارضی مظہر ہے، اس روم کی تسخیر کے لیے نکلی ہے جو چند سال قبل مصر کے آزاد وجود کو نگل لینے کی دھمکیاں دیتا تھا۔ انھوں نے قلوپطرہ کو قسم کھاتے سنا تھا کہ میں سیزارین کو لے کر ایک دن روما الکبریٰ کے تخت پر بیٹھوں گی۔ آج ملکہ نے اس منصوبے کی تکمیل کے لیے جنبش کی ہے۔ تماشائیوں میں بہت کم ایسے تھے جو آنے والی عظمت کے تصور سے بےخود نہ ہوں۔

سولہ

انطونی کی طاقت کا زوال

شہر افیسس کوہستان میسیجس کے دامن میں دریائے کیسٹرس کے دہانے پر سمرنا سے کچھ جنوب کو واقع تھا۔ یہ ایشیائے کوچک کے ساحل پر جزیرہ ساموس کے سامنے آباد تھا۔ یہ نان کا جزیرہ نما اسے ردمنۃ الکبریٰ کی درازدستی سے محفوظ کرتا تھا۔ ڈائنا دیوی کے مشہور زمانہ مندر کے سبب اس شہر کی شہرت دور دور تھی۔ یہ مندر سنگِ مرمر کا تھا اور اس میں سرو وصنوبر کی لکڑی استعمال ہوئی تھی جس پر جا بجا سونے کے پتر چڑھے ہوئے تھے۔ یہاں ڈائنا کو زہرہ کا مظہر سمجھا جاتا تھا، وہی زہرہ جس کا مظہر ہونے کی قلوپطرہ بھی مدعی تھی۔

قلوپطرہ نے اس جنگ کے لیے پوری تیاری کی تھی۔ بے شمار سپاہی، ملاح، اور کاریگر اس کی جلو میں تھے۔ خزانے سے چالیس لاکھ پونڈ کی رقم لائی تھی۔ غلّہ، کپڑا، ہتھیار اور سامانِ جنگ انبار در انبار اس کے علاوہ تھے۔ دو سو جہازوں کا طاقتور بیڑا سمندر پر قبضہ رکھنے کا ضامن تھا۔ خود انطونی کا بیڑا کئی سو جہازوں پر مشتمل تھا۔ یہ سب کے سب دریائے کیسٹرس کے دہانے پر جمع تھے۔ شام، آرمینیا، اور پونطس سے آنے والے جہازوں سے رسد کا تانتا باندھ دیا تھا۔ مشرق کے بادشاہ یکے بعد دیگرے فوجیں لیے شہر میں داخل ہو رہے تھے۔ رات دن سڑکیں مسلح سپاہیوں کی چاپ اور گھوڑوں کی ٹاپوں سے پڑی گونجتی تھیں۔ مارطینیا کا بادشاہ بوکس، سلیشیا کا فرماں روا طارکوڈیموطس، کپاڈوسیا کا تاجدار آرکیلس، اور کماجین، تھریس، گلیشیا وغیرہ کے ذی جاہ بادشاہ انطونی کی آواز پر لبیک کہہ کر حاضر ہوئے تھے تاکہ اس معرکے میں انطونی اور ملکہ کے لیے خدمات انجام دیں۔

میرے لیے یہ تصور بڑا دلچسپ ہے کہ کیا یہ زبردست تاجدار جو انطونی کے جھنڈے تلے

لڑنے کے لیے جمع ہوئے تھے اس بات سے آگاہ تھے کہ ہم کس مقصد کے لیے جنگ کرنے آئے ہیں۔ وہ ایک ایسے شخص کی آواز پر جمع ہوئے تھے جو مدّت سے اُن کا شہنشاہ اور اُن کے تخت و تاج کا مالک تھا۔ وہ اُس کے فراخ دلانہ رویّے سے مطمئن تھے۔ ظاہر تھا کہ اگر اس معرکے میں یہ شخص شکست کھا جائے تو اُن کے تخت و تاج خطرے میں پڑ جائیں گے۔ انھیں یہ بھی احساس تھا کہ جنگ کے بعد ہمیں اپنی جاں نثاری کا نہایت اچھا صلہ ملے گا۔ با ایں ہمہ انطونی نے ہوش مندی سے کام لے کر یہ اعلان کیا تھا کہ میں روم کو ایک ظالم کے پنجے سے آزاد کرانے اور حقیقی جمہوریت قائم کرنے کے لیے میدان میں آیا ہوں۔ وہ جولیس سیزر کا دردناک انجام دیکھ چکا تھا۔ یہ حماقت کرنے کے لیے تیار نہ تھا کہ رومتہ الکبریٰ کی تاجداری کو، جو اُس کا نصب العین تھی، لوگوں پر ظاہر کر دے۔ علاوہ بریں یہ راز اِفشاں کر دینے سے وہ اپنے بہت سے رومی ہوا خواہوں کو گنوا دیتا۔ روم میں اب تک اُس کے سیکڑوں حامی تھے جو انطونی کی سادگی و فراخ دلی کے عاشق اور بے فیض آکٹیوین سے متنفّر تھے۔ اُن کے علاوہ سیکڑوں ایسے تھے جو متوفّی سیزر کے احترام میں انطونی کے طرفدار تھے۔ کیونکہ وہ متوفّی کے بیٹے سیزارین کا حامی و سرپرست تھا۔ اُن میں سے بعض نے یہ داستان مشہور کر دی تھی کہ سیزر نے پہلی وصیّت میں آکٹیوین کو جانشین بنانے کے بعد دوسرے وصیّت نامے میں سیزارین کو اپنا جانشین و وارث قرار دیا تھا۔ مگر بعد میں کلپورنیا نے یہ دستاویز تلف کر دی۔ بغرض بے شمار رومیوں کو یقین تھا کہ انطونی نے سیزر کی وصیّت پوری کرنے اور غاصب آکٹیوین کو راستے سے ہٹانے کے لیے تلوار اُٹھائی ہے۔ پھر بھی یہ تمام دلائل اُس عظیم خونریزی کا جواز نہ تھے جو ہونے والی تھی اگرچہ ڈائین کیشئیس نے جنگ کی وجہ یہی قرار دی ہے۔

مؤرّخ چاہے کچھ فیصلہ کریں، یہ واقع ہے کہ انطونی نے افیسس میں زمانہ بھر کی فوجیں جمع کرنے کا مقصد یہی بتایا تھا کہ میں متوفّی سیزر کے لختِ جگر کی حمایت کے لیے تیغ بکف ہوں۔ اس کے ساتھ ساتھ ہر شخص کو یہ بھی نظر آ رہا تھا کہ انطونی کی اِس جنگ میں ملکۂ مصر برابر کی شریک ہے اور جب وہ فاتحانہ شان سے روم میں داخل ہو گا تو ملکہ، جو اُس کی بیاہتا بیوی ہے، اُس کے ہمراہ ہو گی۔ ایسے موقع پر عوام فریبی ضروری تھی۔ اِس لیے انطونی نے بہ شدّ و مد یہ اعلان کیا کہ مجھے تخت و تاج سے سروکار نہیں، میں تو جمہوریت کی بقا کے لیے میدان میں آیا ہوں۔ انطونی

کے اِس اعلان پر کسی نے یقین کیا ہو یا نہ کیا ہو، اتنی بات ہر شخص کی سمجھ میں آتی تھی کہ وہ غاصب آکٹیوین کو روم سے نکالنے اور سیزر کے جائز وارث سیزارین کو اُس کا حق دلانے کے لیے اُٹھا ہے۔ رہی قلوپطرہ سو وہ روم میں داخل ہوتے وقت تاجِ شاہی سر سے اتار دے گی اور جب اپنی مملکت میں پہنچے گی تو دوبارہ پہن لے گی۔ یہی تجویز سیزر کے متعلق سنی گئی تھی کہ وہ اٹلی میں تو نہیں مگر اٹلی سے باہر تاج پہننے کا مجاز ہو گا۔ سب یہی سمجھتے تھے کہ انطونی رومتہ الکبریٰ کے تخت پر قبضہ کر کے سیزر کا یہ ورثہ اُس کے بیٹے کے حوالے کر دے گا۔ اور اِس طرح جولیس سیزر کے شاہی خاندان کی بنیاد پڑے گی۔ اگر یہ خیال نہ ہوتا تو روم میں انطونی کے حامی بہت کم رہ جاتے۔ ہر شخص اُس کے خلاف ہو جاتا اور یہی سمجھتا کہ وہ قلوپطرہ کو تختِ روم پر بٹھانا چاہتا ہے اُسی قلوپطرہ کو جس کے پیچھے جولیس سیزر مرگِ ناگہاں سے دوچار ہوا۔ اہلِ روم مطلق العنان شاہی سے بیزار تھے۔ اگرچہ آکٹیوین کی نام نہاد جمہوریت محض ایک ڈھونگ تھی مگر رومیوں کی افتادِ مزاج کو کیا کیجیے۔ وہ اِس خالی خولی لفظ ہی سے خوش تھے۔ وہ قلوپطرہ کا وجود بحیثیتِ ملکہ برداشت کرنے کے لیے تیار نہ تھے بلکہ صرف اِس اعتبار سے کہ وہ سیزر کی بیوہ اور سیزارین کی والدہ ہے۔

چاروں طرف سے آنے والی فوجوں کا انبوہ، جو انطونی کے جھنڈے تلے جمع ہوئی تھیں، مختلف قوموں کے سپاہیوں پر مشتمل تھا۔ رومی سپاہیوں کی انیس پلٹنیں تھیں، فرانس اور جرمنی کے کئی دستے تھے، متعدد رسالے مصر، سوڈان، عرب اور افریقہ کے تھے۔ میڈیا کے خونخوار جنگجو، سخت کوش آرمینی، بحیرۂ اسود کے ساحلی باشندے جن کی نظروں سے خون ٹپکتا تھا، یہودی، یونانی، شامی، غرض مختلف النوع لاتعداد سپاہیوں کے ہجوم نے اُردوئے شاہی کو میدانِ محشر کا نمونہ بنا دیا تھا۔ شہر میں مختلف قوموں کے آدمی رنگارنگ لباس پہنے، اپنے اپنے قومی اسلحہ سنبھالے، طرح طرح کی بولیاں بولتے، سڑکوں پر سے گزرتے۔ چشمِ فلک بوس نے مختلف قوموں کا اتنا عظیم اجتماع کبھی نہ دیکھا ہو گا۔ قلوپطرہ یہ سوچ کر نسوانی غرور سے بے خود ہو جاتی ہو گی کہ سپاہیوں کا یہ ٹھاٹھیں مارتا سمندر میرے چشم و ابرو کے ایک اشارے پر جمع ہو گیا ہے۔ یہ سچ ہے کہ وہ انطونی کے فرمان پر حاضر ہوئے تھے مگر دراصل ملکہ کے منصوبے پورے کرنے، اُسے رومتہ الکبریٰ کے تخت پر بٹھانے اور عملاً اُس خواب کی تعبیر بنانے کے لیے آئے تھے جو ملکہ نے آج سے سولہ سال پہلے جولیس سیزر

کی پُرجوش آغوشِ محبت میں لپٹے ہوئے دیکھا تھا۔ اُن دنوں وہ مصر کی خود مختاری اور اپنے خاندان کی بقا کے لیے کوشاں تھی۔ آج اتنے ممالک اُس کے زیرِ نگیں تھے کہ فراعنۂ قدیم نے ان کا تصور بھی نہ کیا تھا۔ رومتہ الکبریٰ کی تاجداری اب کوئی دن کی بات تھی جس کے بعد اُس خاندان جاہ و جلال کی معراج پر پہنچنے والا تھا۔ نشۂ کامرانی سے مست ہو کر اکثر 'تختِ روم' کی قسم کھا کر بات کرتی اور ماتحت بادشاہوں کے اجتماع میں ملکۂ دوراں کی حیثیت سے جلوہ گر ہو کر احساسِ اقتدار کے سرور سے بیخود ہو جاتی۔

اپریل ۳۲ ق،م میں سینیٹ کے کوئی چار سوار کان روم سے چل کر انطونی کے کیمپ میں داخل ہوئے۔ انھوں نے بیان کیا کہ آکٹیوین نے سینیٹ کے اجلاس میں انطونی کی شدید مخالفت کر کے یہ فرمان جاری کیا ہے کہ جو اُس کے بدخواہ ہوں وہ شہر سے نکل جائیں۔ اس لیے ہم یہاں چلے آئے ہیں۔ باقی آٹھ سو ارکان روم میں رہ گئے ہیں جن میں سے کچھ بعض آکٹیوین کے حامی ہیں۔ اور بعض نے غیر جانبدارانہ رویّہ اختیار کر لیا ہے۔ ابھی اعلانِ جنگ نہیں ہوا تھا مگر یہ واقعہ اعلانِ جنگ سے کچھ کم نہ تھا۔

سینیٹ کے ارکان آئے اور نااتفاقی و فساد کی چنگاریاں ساتھ لے کر آئے۔ اُنھوں نے یہاں آکر ملکہ کے اقتدار کا مشاہدہ کیا تو حیران رہ گئے۔ انھیں ہرگز اندازہ نہ تھا کہ اس جنگ میں ملکہ عملی حصّہ لے رہی ہے۔ اب احساس ہوا کہ انطونی سے، جو مشرق کا مطلق العنان فرماں روا اور ملکہ کا شوہر ہے، جمہوریت کے احیا کی امید رکھنا غلط ہے۔ بعض نے بہت جلد ناپسندیدگی کا اظہار کرتے ہوئے اشارہ کیا کہ ملکہ کا پیش پیش رہنا معیوب ہے، وہ واپس چلی جائے۔ ایک پُرانے سپاہی ڈومیشس نے، جو نسلاً جمہوریت پرست تھا، ملکہ کے اقتدار کو تسلیم کرنے سے انکار کر دیا اور گفتگو میں ہمیشہ اُس کا نام لیا کرتا۔ آخر ایک روز اُس نے واشگاف الفاظ میں انطونی سے کہہ دیا کہ ملکہ کو سمجھاؤ، مصر واپس چلی جائے اور وہاں واقعات کی رفتار دیکھتی رہے۔ اُس نے غالباً یہ اشارہ بھی کیا کہ کیمپ میں ملکہ کے موجود رہنے سے غلط فہمیاں پیدا ہونے کا قوی امکان ہے۔ اور ممکن ہے کہ بہت سے رومی ہوا خواہ انطونی سے پھر جائیں۔ شاید یہ بھی سمجھایا کہ ملکہ سیزارین کے حق میں دست بردار ہو جائے جس کی حقداری کو سارا روم تسلیم کرتا ہے۔ انطونی نے اس

مشورے کی معقولیت کا احساس کیا اور ملکہ سے کہا کہ تم اسکندریہ واپس چلی جاؤ۔ وہ یہ سن کر سخت مضطرب ہوئی۔ انطونی کے ایک معتبر مشیر پبلیس کینیڈیلیس کو بہت کچھ دے دلا کر کہا کہ تم انطونی کو سمجھاؤ۔ اُس نے انطونی سے کہا کہ ملکہ کو ساتھ رکھنے میں کئی فائدے ہیں۔ اُس کی موجودگی میں بحری بیڑا جان توڑ کر لڑے گا۔ وقتاً فوقتاً دربارِ مصر سے حسبِ ضرورت روپیہ منگوایا جا سکے گا۔ علاوہ بریں فکر و رائے کی اصابت میں ملکہ کسی مرد سے کم نہیں۔ حکمرانی کی لیاقت اُسے ورثے میں ملی ہے۔ تمھارے ساتھ رہ کر بڑے بڑے معاملات کا انصرام بھی سیکھ گئی ہے غرض یہ منتر بڑا کارگر ثابت ہوا۔ ڈومیشس کی تجویز مسترد کر دی گئی۔

بایں ہمہ کیمپ میں قلوپطرہ کی موجودگی سے بڑے بڑے اختلافات پیدا ہو گئے۔ بعض ارکان دو گروہوں میں بٹ گئے۔ کچھ تو کاملاً انطونی کے ہمنوا رہے۔ کچھ یہ کہنے لگے کہ آکٹیوین سے صلح کر لینا انسب ہے تاکہ رومی سیاسیات قلوپطرہ کے اثر سے آزاد ہو جائیں۔ ان صلح پسندوں کی تجویز سُن کر قلوپطرہ کے تن بدن میں آگ لگ گئی۔ امیدوں کا سنہری محل اس طرح پاش پاش ہو جائے؟ وہ بھی اُن چند سرکش ارکان کے اشارے پر جو اُسے غیر ملکی سمجھ کر رومی معاملات میں دخیل کرنا گوارا نہیں کرتے! یہ تصور حد درجہ جانکاہ تھا۔ اُسے احساس ہوا کہ انطونی اپنی جاہ و عظمت کی فکر میں ہے اور ذرا سی مصلحت کی خاطر مجھے دغا دینا چاہتا ہے۔ بھلا ئی کہ میں نے ہی انطونی کو اولوالعزمی کی راہ دکھائی، فرض شناسی کا سبق دیا، مہم میں بے دریغ روپیہ کھپا دیا اور اب وہی انطونی ان مفت خورے صلح پسندوں کی باتوں میں آکر آکٹیوین سے مفاہمت پر مائل ہے۔ ابھی کچھ عرصہ پہلے جب انطونی نے صلح کی گفت و شنید کی تھی تو قلوپطرہ اُسے سیاسی داؤں پیچ سمجھ کر خاموش ہو رہی تھی۔ اب سمجھی کہ غالباً انطونی صلح اور امن و عافیت کا طلب گار ہے تاکہ اطمینان سے شرابیں لنڈھائے اور عیاشی و مستی کی داد دے۔ مگر اُسے یہ گوارا نہ تھا۔ آکٹیوین کے زندہ رہتے ہوئے اُسے چین سے سانس لینا یا سیزاریَن کا حق حاصل کر لینا محال نظر آتا تھا۔ اب اُس کی ایک ہی آرزو تھی اور وہ یہ کہ سالہا سال کے سیاسی تلاطم کے بعد اس دشمن کا کھٹکا مٹا دے اور اطمینان کا سانس لے!

اب قلوپطرہ نے محسوس کیا کہ صلح کی کوششوں کو کالعدم کرنا سخت ضروری ہے۔ بتمام

حربوں سے مسلح ہوکر بھرپور وار کرنے کے لیے مستعد ہوگئی۔ انطونی سے کہا کہ تم اپنی بیوی آکٹیویا کو کب تک لٹکائے رکھوگے۔ اُسے تحریری طلاق دے کر آزاد کردو۔ مطلب یہ تھا کہ آکٹیوین کو اس طرح اشتعال دلا دیا جائے کہ صلح کا امکان ہی باقی نہ رہے۔ صلح پسندوں کے کان میں بھنک پڑی تو انھوں نے انطونی پر یہ زور دینا شروع کیا کہ آکٹیویا جیسی شوہر پرست بیوی کو کب تک الگ ڈالے رکھوگے۔ اُس سے دل صاف کرلو۔ انطونی غریب کی جان عجب کشمکش میں پھنسی ہوئی تھی۔ دونوں طرف سے دن رات اتنی ترغیب و تردید ہوئی کہ سنتے سنتے کان پک گئے۔ عاجز آگیا۔ قلوپطرہ کے دم سازوں کو اتنی کامیابی ضرور ہوئی کہ انطونی نے اواخرِ اپریل میں افیسس سے بڑھ کر جزیرۂ ساموس میں چھاؤنی چھائی۔ یہاں اُس نے جنگ اور سیاست کے ہنگاموں سے جان چھڑا کر دو تین ہفتے دادِ عیش دی۔ تمام ماتحت تاجداروں سے کہہ رکھا تھا کہ اپنے ساتھ چیدہ چیدہ گویّے اداکار اور مسخرے بھی لائیں تاکہ کیمپ میں شمشیر و سناں کے ساتھ طاؤس و رباب کی جھنکاریں بھی موجود رہے۔ چنانچہ اربابِ نشاط کے سیکڑوں طائفے جزیرۂ ساموس میں بادشاہوں کے سامنے اپنے اپنے فن کی داد دینے لگے۔ قلوپطرہ جس کے خیالات سنجیدگی سے جنگ پر مرکوز تھے، اس خرافات میں پڑنے سے الگ رہی۔ جزیرے کے مندروں میں دھڑادھڑ نیازیں اور قربانیاں چڑھ رہی تھیں۔ پلوٹارک کا بیان ہے کہ ”ان دنوں جب ساری دنیا بین الاقوامی جنگ کی آگ میں پڑنے کو تھی۔ ہر ملک اپنے بہترین سورماؤں اور دولت کے چلے جانے سے سنسان پڑا تھا۔ صرف جزیرۂ ساموس ہی وہ جگہ تھی جو رباب و چنگ کی سُریلی آوازوں سے گونج رہی تھی اور جہاں رقص و سرود کے ہنگامے گرم تھے۔ لوگ سوچتے تھے کہ جب عیش ونشاط کا سارا سرمایہ ابھی سے لٹایا جارہا ہے تو جشنِ فتح کے لیے کیا باقی رہے گا!

اواخرِ مئی میں اِس لشکر نے، جو سمندر کی طرح موجیں مارتا تھا، بحیرۂ یونان عبور کرکے ایتھنز میں مقام کیا۔ دربار ہوا۔ اِن دنوں قلوپطرہ کے دماغ میں غضب کا ہیجان تھا۔ محسوس کرتی تھی کہ میری وجہ سے اختلافات رونما ہوگئے ہیں۔ اور انطونی کے متعلق اطمینان نہیں کہ کب کس طرف ہوجائے۔ دونوں میں خاصی بدمزگی تھی۔ اگرچہ انطونی کو قلوپطرہ کی دلدہی پہلے سے زیادہ ملحوظ تھی بایں ہمہ دونوں میں خاصی جھڑپ ہوجاتی تھی۔ قلوپطرہ کا مطالبہ تھا کہ آکٹیویا کو طلاق دے دو۔

اور آکٹیوین سے جنگ شروع کر دو۔ انطونی فیصلہ کن اقدام کرنے سے ہچکچا رہا تھا۔ وہ ملکہ سے پکا وعدہ کر چکا تھا کہ روم فتح کرنے کے بعد بہت جلد بادشاہی قائم کر کے سیزارین کو تخت نشین کر دے گا۔ اس کے بالمقابل رومی سینیٹ کے ارکان یہ بات اُس کے دل نشیں کر رہے تھے کہ اہلِ روم تم سے جمہوریت کے احیا کی اُمید قائم کیے بیٹھے ہیں۔ اگر انطونی میں عہدِ شباب کی سی حسیّتِ یا توت ہوتی تو اس گتھی کو سُلجھانے کی تدبیر سوچ لیتا مگر اب کسی صحیح فیصلے پر پہنچنے سے قاصر تھا۔ عمر پچاس کے لگ بھگ ہو چکی تھی اور بلانوشی نے صحت کے ساتھ قوتِ ارادی کو بھی برباد کر دیا تھا۔ ڈھلتی ہوئی عمر نے جوانی کا ہرجائی پن چھوڑ کر قلو پطرہ کو محبّت کا مرکز بنا دیا تھا، اگرچہ وہ عمر سے اُترجانے کے باعث کچھ ایسی حسین نہ رہی تھی۔ ہر بات میں اُس سے رجوع کرتا، جھگڑا کر کے سخت پچھتاتا اور جتنی وہ سرد مہری سے پیش آتی، زیادہ نیازمندی کا اظہار کرتا۔ اُس کی چابک دستی اور ماہرانہ انصرامِ معاملات کو بہ نظرِ استحسان دیکھتا اور کوشش کرتا کہ کسی طرح اُس کے دل میں اپنا سابقہ احترام قائم رکھ سکے۔ مگر عبث قلو پطرہ جیسی حوصلہ مند عورت کو نیازمندی سے نہیں بلکہ مردانہ عزم و قوت سے مطیع کیا جا سکتا تھا۔ اُسے یہ دیکھ دیکھ کر صدمہ ہوتا تھا کہ میں نے جس شخص کو اپنا محبوب و معتمد بنایا تھا وہ سرعت سے خواری و ذلّت کے غار میں گرتا جا رہا ہے۔

انھیں پریشانیوں میں ایک اور اضافہ ہوا۔ انیطلس، جو فلویا کے بطن سے انطونی کا بیٹا تھا، ایتھنز آپہنچا۔ کچھ عرصہ روم رہ آیا تھا۔ جہاں شوہر پرست آکٹیویا نے اُس سے حقیقی ماں کا سا سلوک کیا تھا۔ یہ نیک خاتون اپنے شوہر کے تمام بچوں سے فیّاضی و شرافت کے ساتھ پیش آتی تھی۔ انطونی کو بھی اِس لڑکے سے بہت محبّت تھی اور حالیہ جشن میں اُسے حکومت عطا کی تھی۔ رفتہ رفتہ یہ لڑکا سیزارین سے جس پر قلو پطرہ بیحد مہربان تھی، کچھ جلنے لگا۔ یہ مفت کی خلش اور پیدا ہوئی۔

آخر اوائل جون میں ملکہ نے انطونی کو یہ فیصلہ کن اقدام کرنے پر مجبور کر دیا کہ آکٹیویا کو طلاق دے دو۔ انطونی نے یہ معاملہ رومی ارکان کے سامنے پیش کیا تو بڑی لے دے ہوئی۔ مگر وہی ہوا جو ہونا تھا۔ انطونی نے روم کو قاصد بھیج کر آکٹیویا کو اپنے گھر سے نکل جانے کا حکم دیا۔ یہ اقدام جنگ کا دیباچہ تھا۔ قلو پطرہ کی ایک خلش تو اِس طرح ختم ہوئی مگر چاروں طرف کھلبلی مچ گئی۔ انطونی کے بہی خواہ گھبرائے ہوئے آئے کہ اِس حرکت سے تمھارے بیشتر رومی طرفدار ساتھ چھوڑ بیٹھیں گے

اور تمھیں قلوپطرہ کی زن مریدی کا طعنہ دیں گے۔ انطونی اور کیا کر سکتا تھا، اپنے رومی سپاہیوں کو جمع کر کے تقریر کی اور وعدہ کیا کہ فتح روم سے دو مہینے کے اندر جمہوریت قائم کر دوں گا۔

مگر اس تقریر نے قلوپطرہ کے زخموں پر نمک کا کام کیا۔ وہ اتنا تو سمجھتی تھی کہ ایسے وعدے وعید مصلحتاً اکثر کیے جاتے ہیں اور یہ ہماری شہنشاہی کے منصوبوں میں حائل نہیں ہو سکتے مگر یہ تصوّر اُسے شاق گزرا کہ جس ملک پر ہمیں حکومت کرنے کی امیدیں باندھے ہوئے ہوں اُس کے باشندوں کو جمہوریت کا چسکا بُری طرح لگا ہوا ہے۔ جن مقاصد کے لیے جنگ کرنی ہے خود اُن میں تغیّر آتا جا رہا ہے اب تک یہ اعلان تھا کہ غاصب آکٹیوین کو نکال کر جائز وارث سیزارین کو تخت نشین کیا جائے گا۔ اب آزادی و جمہوریت کے نام کا سہارا ڈھونڈا جا رہا ہے۔

ملکہ کی اس برہمی کو انطونی نے سمجھا بجھا کر فرو کر دیا۔ دراصل وہ اِن دنوں جمہوریت کے بجائے شاہی کا آرزومند تھا۔ ملکہ اس سے بھی ایک منزل آگے یعنی الوہیت و تقدّس کا تمنائی تھا۔ اہلِ ایتھنز اُسے اور قلوپطرہ کو دیوی دیوتا سمجھتے تھے۔ وہ اِس احترام سے خوش ہوتا تھا۔ قلوپطرہ اِن دنوں سیاہ و سفید کی مالک تھی اور اکثر مؤرّخوں کی رائے ہے کہ وہ اُس کی مٹھی میں تھا۔ اہلِ ایتھنز اصل نسل کے اعتبار سے قلوپطرہ کو ہم وطن سمجھتے اور اُس کا بہت احترام کرتے تھے۔ چنانچہ انھوں نے انطونی کے برابر میں ایک بُت اُس کا بھی نصب کر دیا تھا۔ انھوں نے ایک وفد بھیج کر، جس کا انطونی ایک معزّز شہری کی حیثیت سے صدر تھا، قلوپطرہ کو اعلیٰ ترین شہری اعزازات عطا کیے۔ اسی شہر میں کچھ عرصہ پہلے آکٹیویا بھی رہ گئی تھی اور اہلِ شہر اُس کا بھی احترام کرتے تھے مگر قلوپطرہ کی جاہ و جلال آفریں شخصیت نے اُس خاموش غمگین خاتون کی یاد لوگوں کے دلوں سے محو کر دیا۔ بادشاہوں اور شہزادوں کے مجمع میں وہ شاہانہ شان کے ساتھ ہر شخص سے اُس کی زبان میں باتیں کرتی، بازار میں سے پیدل گزرتی اور ضیافت ہو یا مجلسِ مشاورت، ہر جگہ اپنی شخصیت سے چھا جاتی تھی۔

انطونی کو سینیٹ کے ارکان کے اختلاف سے ذرا سکون ملا تو پھر راگ رنگ کی سوجھی۔ ایتھنز والوں سے اپنے آپ کو بیکس یا ڈائنی سس (رابہ اندر) کا ارضی مظہر کہلانا شروع کر دیا۔ بیکس کا ایک تہوار عنقریب منایا جانے والا تھا۔ انطونی نے سارے شہر کے بڑھئی جمع کر کے اُن سے [illegible] کی چوبی چھت تیار کرائی، اُسے ہری بھری شاخوں اور بیلوں سے آراستہ کیا۔ اُن میں [illegible]

اور تنبورے آویزاں ہوئے۔ تہوار کے دِن سب دو ستونوں کو لے کر بیچ میں بیکس دیوتا کی طرح صدر نشین ہوا۔ سہ پہر کے سورج کی ترچھی شعاعیں شاخوں میں سے گزر کر اس رنگیلے جنرل پر پڑ رہی تھیں جو بے تحاشا شراب۔ لنڈھا کر مجسم مستی بنا بیٹھا تھا اور ہزار دل شہری حیرت و استعجاب سے اُسے دیکھ رہے تھے۔ رات ہوئی تو شہر میں چراغاں ہوا۔ بے شمار مشعلوں اور شمعوں کی روشنی میں انطونی نے مندر کا رُخ کیا جہاں اُس کے دیوتا ہونے کا اعلان کیا گیا۔

اُن دنوں انطونی اور قلوپطرہ نے متعدد ضیافتیں کیں جن میں انطونی کی طرف سے اکثر ہڑونگے پن اور بے تمیزی کا مظاہرہ ہوا۔ ایک مرتبہ عین کھانے کے درمیان اُٹھ کر قلوپطرہ کے پاؤں دابنے لگا۔ یہ کام غلاموں کا تھا مگر کسی شرط میں ہار جانے کے باعث ایسا کیا جس سے اہلِ محفل حیران ہو گئے۔ زبانِ خلق کا خیال اُسے کبھی آتا ہی نہ تھا اور عمر کی اس منزل میں تو وہ بالکل ہی بے پروا ہو گیا تھا۔ اکثر ایسا ہوا کہ ماتحت بادشاہوں سے خطاب کر رہا ہے کہ اتنے میں قلوپطرہ کا کوئی تحریری پیغام آ گیا۔ بہ آوازِ بلند اُسے بھی پڑھ دیا۔ ایک مرتبہ فورنیس نامی شیوا بیان مقرر اُس کے سامنے کسی مقدمے کی پیروی میں تقریر کر رہا تھا۔ اتنے میں دوسرے ملکہ کی سواری نظر آ گئی۔ انطونی نے مقدمہ، مقرر، مجرم اور وکیل سب کو وہیں چھوڑا اور بے تحاشا اُٹھ یہ جا وہ جا۔ سب دیکھتے رہ گئے!

انھیں ایام میں ایک ایسا واقعہ ہوا جس سے انطونی کے حامیوں کو سخت تشویش ہوئی۔ دو ممتاز درباری انطونی کے پاس سے بھاگ کر آکٹیوین سے جا ملے۔ ایک تو ٹائی ٹس جس کا سکستس کی گرفتاری اور قتل کے سلسلے میں ذکر آ چکا ہے، دوسرا پلینکس جس نے اسکندریہ میں ربّ البحر کا روپ بھر کر بھری محفل میں برہنہ رقص کا مظاہرہ کیا تھا۔ یہ شخص ذلیل ترین غلاموں سے بھی زیادہ کمینہ تھا۔ اور ملکہ کی خوشامد میں لگا رہتا تھا۔ ملکہ اس سے حقارت آمیز پیش آتی تھی۔ جس کی تاب نہ لا کر یہ شخص بھاگ نکلا۔ ان دونوں کو معلوم تھا کہ انطونی کا وصیت نامہ وِسٹا مندر کی پجارنوں کے پاس ہے۔ جاتے ہی یہ بات آکٹیوین سے لگا دی۔ آکٹیوین فوراً مندر میں داخل ہوا اور دوشیزہ پجارنوں سے وصیت نامہ چھین لیا۔ چند روز بعد سینیٹ کے اجلاس میں پڑھا۔ ہر شخص مشتاق تھا کہ کوئی قابلِ اعتراض بات معلوم ہو۔ مگر ایسی کوئی بات تھی ہی نہیں۔ صرف ایک فقرہ ایسا نکلا جس پر آکٹیوین نے بڑا اودھم مچایا اور وہ یہ تھا کہ

"میرے مرنے پر میری نعش کو حسب دستور چوک میں گشت کرانے کے بعد اسکندریہ بھیج دیا جائے تاکہ وہاں میں قلوپطرہ کے پہلو میں دفن ہوں"

روم میں اِن دونوں بھگوڑوں نے انطونی اور قلوپطرہ کے متعلق بیہودہ داستانیں گھڑنی شروع کر دیں۔ قلوپطرہ خصوصاً لعنت ملامت کا نشانہ تھی۔ کیونکہ اُس نے "منتر کے زور سے انطونی کو بس میں کر لیا تھا"۔ پلینکس جیسے ذلیل لفنگے کو انطونی کے خلاف بس یہی ایک الزام ہاتھ آیا کہ وہ ملکہ کا دالہ وشیدا ہے۔ اُس کے پاؤں دابتا ہے۔ دن رات شراب میں غرق رہتا ہے جب ملکہ اپنی طلسمی انگوٹھی کی بدولت نشے سے محفوظ رہتی ہے۔ قلوپطرہ کے خلاف یہ الزام تھا کہ اُس نے انطونی سے کہہ سن کر شہر پرگامم کی لائبریری حاصل کر لی ہے جس میں دو لاکھ نسخے ہیں۔ غرض اِن داستانوں کو نمک مرچ لگا کر ملکہ کی بدطینتی کا اعلان کیا جاتا۔ شہر میں مشہور ہو گیا کہ ملکہ روم فتح کر کے مصری مذہب رائج کرنا چاہتی ہے۔ اور رومی پرچم کو سرنگوں کر کے مصری جھنڈا لہرانے کا خواب دیکھ رہی ہے!

انطونی کے رومی دوستوں نے ہوا بدلی ہوئی دیکھ کر ایک رفیق جیمی نیس کو اتھنز دوڑایا اور اپنے سردار کو متنبہ کیا کہ حریف بہت جلد آپ کو روم کا دشمن غدار قرار دینے کی کوشش کر رہا ہے۔ وہ بیچارہ یہاں پہنچا تو لوگوں نے اُسے آکیٹویا کا فرستادہ سمجھا۔ انطونی اور قلوپطرہ دونوں اُس کے ساتھ سرد مہری سے پیش آئے۔ محفل میں اُسے دُور بٹھاتے اور طنز و تمسخر کا نشانہ بنایا کرتے۔ وہ کچھ دن تو تحمل سے یہ سب کچھ برداشت کرتا رہا۔ مگر جب ایک روز قلوپطرہ کے سامنے بدمست انطونی نے اُس سے پوچھا کہ صاف صاف بتاؤ تم یہاں کس لیے آئے ہو تو اُس سے نہ رہا گیا۔ بولا کہ باقی باتیں تو پھر بتاؤں گا مگر ایک نقطہ ابھی سمجھ لو کہ اگر قلوپطرہ مصر واپس چلی جائے تو تمھارے معاملات ٹھیک ہو سکتے ہیں۔ اِس پر انطونی غضبناک ہو گیا۔ مگر قلوپطرہ نے متانت سے بڑے دل خراش انداز میں کہا کہ "جیمی نیس تم نے بہت اچھا کیا کہ مار کھائے بغیر اپنا راز اُگل دیا" اگلے ہی دن یہ شخص خاموشی سے کھسک گیا اور روم واپس چلا گیا۔

اس کے بعد مارکس سلانس بھاگ کر آکیٹوین سے جا ملا اور اُس نے بھی روم میں قلوپطرہ کے اقتدار اور انطونی کی زن مریدی کے قصے پھیلائے۔ اب آکیٹوین نے باقاعدہ اعلان جنگ کر دیا۔ یہ اعلان انطونی کے نہیں بلکہ قلوپطرہ کے خلاف تھا۔ اِس اعلان کے رو سے انطونی کا عہدہ اور اختیارات

بھی سلب کر لیے گئے کیونکہ اُس نے یہ اختیارات ایک عورت کو سونپ رکھے تھے۔ یہ بھی وضاحت کر دی کہ قلوپطرہ نے انطونی کو اُلّو کا گوشت کھلا کر اس کی عقل ماردی ہے۔ ہم انطونی سے نہیں بلکہ قلوپطرہ اور اُس کے خواجہ سراؤں سے جنگ کرنے اُٹھے ہیں۔ قلوپطرہ کو صاف اندازہ ہو گیا کہ میری موجودگی سے انطونی کو سخت نقصان پہنچنے والا ہے مگر یہ بھی معلوم تھا کہ ادھر میں مصر واپس گئی اور ادھر ضعیف الارادہ انطونی آکٹیوین سے ملا۔ اعلانِ جنگ کے یہ الفاظ کہ ہم انطونی سے نہیں ملکہ سے جنگ کرنے اُٹھے ہیں، اُس کے لیے خاصا بہانہ بن جائیں گے۔

انطونی نے جوابی کارروائی شروع کی۔ دشمنوں نے اُس کے خلاف روم میں جو زہر پھیلایا تھا اُس کے توڑ کے لیے بہت سے چرب زبان آدمی روم بھیجے تاکہ وہاں رائے عامہ کو اُس کے موافق کریں۔ ادھر جنگ کے لیے فوج کو ترتیب دیا۔ چاہتا یہ تھا کہ آکٹیوین خود بڑھ کر حملہ کرے اس میں دو مصلحتیں تھیں۔ ایک تو یہ کہ آکٹیوین کے سپاہی یہاں پہنچتے پہنچتے بددل ہو جائیں گے دوسرے یہ کہ ساحلِ ایتھنز پر قدم رکھنے سے پہلے ہی میرا طاقتور بحری بیڑا اُن کے پرخچے اڑا دے گا۔ علاوہ بریں جنگ کی وجہ سے ضروریاتِ زندگی مہنگی نہیں بلکہ کمیاب ہو جائیں گی اور وہاں فاقہ کشی سے بددلی پھیل جائے گی۔ میرے لیے شام، آرمینیا اور مصر سے خزانے اور رسد کے راستے کھلے رہیں گے۔ واقعہ بھی یہی تھا۔ اُن دنوں اٹلی میں ایسی بدحالی پھیل گئی تھی کہ آکٹیوین کی فوج میں بغاوت کے آثار نمایاں ہو چلے تھے۔ انطونی کو یقین تھا کہ لڑائی طول نہ کھینچے گی۔ اس اطمینان پر شام، سیرین اور مصر میں جا بجا فوجیں چھوڑ آیا تھا، جو بحیرۂ روم کے مشرقی ساحل پر ادھر سے اُدھر تک پھیلی پڑی تھیں۔ یونان میں حاضر فوج یعنی ایک لاکھ پیدل سپاہی اور بارہ ہزار سوار جنگ کے لیے کافی سمجھے تھے کیونکہ آکٹیوین کی فوج اسی ہزار پیدل اور بارہ ہزار سوار پر مشتمل تھی۔ اڑھائی سو جنگی جہاز اس کے علاوہ تھے۔

جاڑے کی آمد آمد پر انطونی نے یونان سے بڑھ کر سرمائی مستقر یعنی شہر پاٹرے میں قیام کیا جو خلیج کورنتھ کے دہانے پر اٹلی سے دو سو میل ادھر واقع تھا۔ بیڑے کو خلیج امبرشیا میں لنگر انداز کیا۔ جو ذرا شمال کو بہت عمدہ قدرتی بندرگاہ تھی۔ یہاں سے اٹلی کی طرف سوا سو میل تک جہازوں کی چوکیاں قائم کر دیں۔ جاڑے میں بحیرۂ روم کی طوفان خیزی نے لڑائی کو ناممکن بنا دیا تھا۔ اس عرصے

میں دونوں حریفوں کے درمیان بڑا تلخ و تند تحریری ردّوبدل ہوتا رہا۔ سپاہیوں کی بددلی اور رسد کی کمی کے باعث آکٹیوین نے گھبرا کر لکھا کہ کس بات کا انتظار ہے؟ اٹلی میں آکر دو دو ہاتھ کرلو۔ میں وعدہ کرتا ہوں کہ تمھارے لشکر کو بہ اطمینان ساحل پر اُتر جانے دوں گا۔ اور صرف اُس وقت سامنے آؤں گا جب تمھاری ساری فوج مرتب ہو جائے۔ انطونی نے جواب دیا کہ فوجوں کو تباہ کرنے کی کیا ضرورت ہے۔ آؤ ہم تم دونوں ہی باہم نبٹ لیں۔ یہ دعوت آکٹیوین نے مسترد کردی۔ اب انطونی نے پیغام بھیجا کہ میدانِ فارسیلیا میں آکر قسمت آزمائی کرلو جہاں آج سے سولہ سال پہلے سیزر اور پومپی کی قسمت کا فیصلہ ہوا تھا۔ آکٹیوین نے یہ پیشکش بھی نامنظور کی۔ دونوں فوجیں اپنے اپنے کیمپ میں پڑی دور ہی سے ایک دوسرے کو گھورتی رہیں۔ دو سو میل کا سمندر درمیان میں حائل تھا۔

اب آکٹیوین نے یہ پیغام بھیجا کہ سینیٹ کے وہ ارکان جو انطونی کے پاس چلے گئے ہیں اگر روم واپس آنا چاہیں تو میں اعزاز سے اُن کی پذیرائی کروں گا۔ اکثر نے بڑے اشتیاق سے یہ پیغام سنا اگرچہ کسی کو اِس پر عمل کرنے کی جرأت نہ ہوئی۔ ان میں بہت سے ایسے تھے جو انطونی کے رنگیلے پن سے ناخوش اور ملکہ کے اقتدار سے متنفّر تھے۔ اعلانِ جنگ کا یہ فقرہ کہ "لڑائی انطونی سے نہیں بلکہ قلوپطرہ سے ہے" کام کرگیا۔ ساتھ ساتھ یہ خبر بھی آئی کہ آکٹیوین نے لڑائی کا افتتاح اُن رسموں سے کیا ہے جو غیرملکی دشمنوں سے جنگ کرتے وقت ادا کی جاتی ہیں یعنی بیلونا دیوی کے مندر میں پجاری کا لباس پہن کر برچھی پھینکی ہے۔ یہ اس بات کی علامت ہے کہ جنگ ایک غیرملکی حریف کے ساتھ ہے۔

اس اثنا میں خلیج امبریشیا سے ایسی پریشان کن خبریں آئیں کہ اُن کا چھپانا ناممکن تھا۔ موسم سرما میں رسد ختم ہوچکی تھی اور جہازوں کے ملّاح طرح طرح کے امراض میں مبتلا تھے جن سے ایک تہائی نفری بالکل تباہ ہوگئی تھی۔ اِس کمی کی تلافی کے لیے انطونی نے اپنے سرداروں کو لکھا کہ جس طرح ہوسکے دور و نزدیک سے آدمیوں کو پکڑ پکڑ کر نفری پوری کردو۔ انھوں نے اُس پاس کے کسانوں، چرواہوں، مکہ باروں حتّٰی کہ مسافروں کو پکڑ کر زبردستی جہازوں پر لاد دیا۔ پھر بھی نہ کمی پوری ہوئی نہ یہ لوگ ملاحی کے فن سے واقف تھے۔ کیمپ میں بڑی پریشانی پھیل گئی۔ جاڑا

ختم ہو رہا تھا اور جنگ سر پر آ رہی تھی۔ مگر ہر شخص یہی چاہتا تھا کہ کسی طرح اس ہنگامے سے جان چھڑا کر اپنے وطن پہنچ جائے!

جنگ کا پہلا وار آکٹیوین نے کیا۔ اپنے دوست صادق مارکس ایگریپا کی ماتحتی میں ایک فوج جنوبی یونان بھیج دی جس نے آتے ہی میتھون پر قبضہ کر لیا۔ اور بظاہر ادھر اُدھر پھر کر بڑی فوج کی فرودگاہ کا بندوبست کرنے لگی۔ انطونی فوراً اُدھر متوجہ ہوا تاکہ ساحل پر قبضہ کرے مگر جب وہ اس طرف مشغول تھا، آکٹیوین نے خاموشی سے ساری فوج بمقام کورفو اتار دی۔ یہاں سے بڑھتا ملک کے اندر سے گزرتا خلیج امبرشیا پر خیمہ زن ہوا جس سے انطونی کا بدحال بڑا خطرے میں پڑ گیا۔ انطونی پوری سرعت سے مڑا اور خلیج کے دہانے والی راسِ ایکٹیم پر پہنچا۔ عین اس وقت آکٹیوین بھی راس کے شمالی سرے پر اُترا۔ انطونی نے حملے کے خوف سے فوراً اپنے جہازوں کو جنگی ترتیب میں آراستہ کیا۔ جن پر ملاحوں کی کمی تھی، سپاہی بھیج دیے مگر آکٹیوین فوراً جنگ چھیڑنے سے باز رہا۔ اب انطونی اطمینان سے بیٹھ گیا۔ راس کے جنوبی حصے میں اُردو کے معلی قائم کیا۔ چند دن بعد قلوپطرہ بھی آملی ۔

سترہ

جنگِ ایکشیم اور مصر کو فرار

مؤرخ اِس جنگ کی روداد بیان کرنے اور اِس کے عجیب و غریب واقعات کا تجزیہ کرنے میں حیران ہیں۔ میں فیریرو کے ایجاد کردہ نظریات تسلیم کرنے سے قاصر ہوں۔ دوسرے مؤرخوں سے بھی مجھے کامل اتفاق نہیں۔ میں نے اِن اوراق میں واقعات کو اِس طرح پیش کرنے کی کوشش کی ہے جس طرح وہ میری دانست میں رونما ہوئے۔ پھر بھی قارئین کو اجازت ہے کہ باقی کتاب کی طرح وہ اس داستان کے اس غم ناک ورق کو جرح و تنقید کی نظر سے دیکھ کر کسی فیصلے پر پہنچ جائیں۔

اوّل اوّل آکٹیوین نے انطونی سے قریب ہونے کی ضرورت ہی نہ سمجھی۔ اُس نے خلیج کے دہانے سے کئی میل پیچھے قیام کیا۔ انطونی نے موقع سے فائدہ اُٹھاتے ہوئے فوراً اپنی فوج دہانے کے شمال میں بھیج دی۔ آکٹیوین نے پھرتی سے بحیرۂ آیونین تک مٹی کے اونچے اونچے پشتے قائم کروائے۔ اور اِس طرح اٹلی سے آنے والی رسد وغیرہ کا راستہ محفوظ کر لیا۔ جہازوں کو اِس طرح ترتیب دیا کہ خلیج امبریشیا کا دہانہ کاملاً اُس کے قبضے میں آگیا۔ ملّاح بھی ماہر اور چابک دست تھے۔ اِس طرح انطونی کا بیڑا خلیج میں پھنس کر رہ گیا جس کے لیے باہر نکلنے کی صرف یہ صورت تھی کہ ایک ایک قدم پر حریف کے جہازوں کی زد سہتا ہوا بڑھے۔ مگر ساتھ ساتھ آکٹیوین کی فوج بھی اُونچے پشتوں کے اندر محصور ہو کر رہ گئی کیونکہ انطونی کا لشکر چاروں طرف گھیرا ڈالے پڑا تھا۔ اِس طرح دونوں حریف بے قابو ہو کر رہ گئے۔ کسی نے بھی جنگ کا اقدام نہ کیا۔

ظاہر ہے کہ فیصلہ کُن جنگ اسی صورت میں ہو سکتی تھی کہ یا تو انطونی اپنے پھنسے ہوئے بیڑے کو تمام خطرات کا ہدف بنا کر آگے بڑھائے اور اِس طرح حریف کے جہازوں سے اُلجھتا اُلجھاتا جوں توں اِس قید کو توڑ کر نکل جائے یا یہ کہ اپنی فوجِ ظفر موج کو پیچھے ہٹا لے تاکہ آکٹیوین پشتوں

کی قید سے نکل کر کھلے میدان میں اس کا مقابلہ کر سکے۔ انطونی کے اکثر جنرل اسی دوسری تجویز کے حق میں تھے مگر قلوپطرہ کی رائے یہ تھی کہ فوج میں مختلف قوموں کے آدمی ہیں، پیچھے ہٹنے کو کمزوری پر محمول کریں گے اور خواہ مخواہ فوج میں ہراس پھیل جائے گا۔ اس کے برعکس یہی مناسب ہے کہ پوری نفری مہیا کر کے آکٹیوین کے بیڑے سے ٹکر لی جائے۔ حریف کے بیڑے کو ہٹا دینے کے لیے تین سو جہاز کافی ہیں جو حریف کی سدِ سکندری توڑ کر باہر نکل جائیں گے اور اس بیڑے کو اسی طرح گھیر لیں گے جس طرح وہ ہمیں گھیرے ہوئے ہے۔ غالباً ڈومیشس نے بہ شدّومد اس تجویز کی مخالفت کی۔ چونکہ تاخیر سے کوئی خاص نقصان بھی ہونے والا نہ تھا۔ اس لیے انطونی نے نقل و حرکت سے گریز کی۔

جون میں انطونی نے دشمن کا پانی بند کرنے کے لیے ایک رسالہ نامزد کیا مگر اس تدبیر میں خاص کامیابی نہ ہوئی۔ کچھ دنوں بعد ٹائی ٹشس نے انطونی کے چند سواروں کو شکست دی اور اگریپا نے انطونی کے چند جہاز پکڑ لیے جو خلیج سے باہر گشت کرنے پھر رہے تھے۔ یہ کامیابی بہت حقیر تھی مگر آکٹیوین نے فوراً بڑے اہتمام سے دارالسلطنت کو فتح نامے لکھ بھیجے جن میں تحریر کیا کہ میں نے انطونی کو خلیج کے اندر پھانس رکھا ہے۔ ساتھ ساتھ یونان میں آدمی پھیلا دیے جنھوں نے باشندوں کو انطونی کی طرف سے بد دل کرنے کی کوشش کی۔ اس مقصد میں کچھ کامیابی بھی ہوئی۔ بات کچھ بھی نہ تھی مگر اس فالِ بد سے انطونی کو خاصا جھٹکا لگا۔ فوج میں بھی کچھ بد دلی پھیلی اس سے پہلے بھی کئی بدشگونیاں واقع ہو چکی تھیں۔ ایک مصری نجومی نے یہ پیش گوئی کی کہ آکٹیوین کی تدبیر کے سامنے انطونی کی فراست مات کھا جائے گی۔ قلوپطرہ کو بھی اندیشہ ہوا کہ زوال سے انطونی کی فہم و فراست کو گھن لگ رہا ہے، خدا خیر کرے۔ ایتھنز سے خبر آئی کہ وہاں بڑے زور کی آندھی آئی جس سے بیکس دیوتا کا مجسمہ اکھڑ کر زمین پر گر پڑا (انطونی اسی دیوتا کا اوتار ہونے کا مدعی تھا) دو ادربُت جن پر انطونی کے نام کندہ تھے، اسی طوفان سے گر پڑے۔ ابھی چند ماہ پہلے شہر پاٹرے میں ہرقل کے مندر پر بجلی گر چکی تھی۔ انھیں دنوں قصبہ پیسارم، جو انطونی نے ساحلِ اٹلی پر بسایا تھا، زلزلے سے زمین میں دھنس گیا۔ ان کے علاوہ اور کئی بدشگونیاں ہو چکی تھیں۔ جن سے قلوپطرہ سخت گھبرائی ہوئی تھی۔ انطونی اور اس کے جرنیلوں سے اس کا مسلسل اختلاف اسی اضطراب و

تشویش کے سبب تھا جو اُس کے اعصاب پر سوار تھے۔

اوائل اگست میں انطونی کے کیمپ میں، جو نشیبی علاقے میں واقع تھا، ملیریا پھیل گیا، طرقِ جنگ کے متعلق بھی دوبارہ اختلاف اُٹھا۔ گرم مرطوب موسم نے ہر شخص کو تند مزاج بنا رکھا تھا۔ ڈومیشس، ڈیلیس، اینطس اور دوسرے مشیروں کی صلاح تھی کہ یہ کیمپ چھوڑ کر پیچھے ہٹ جاؤ تاکہ جب آکٹیوین اپنی فوج لے کر نکلے تو کھلے میدان میں گھمسان کا معرکہ ہو جائے۔ قلوپطرہ غالباً اب بھی آکٹیوین کے بیڑے کو اپنے جہازوں سے ٹھوکر دینے پر راغب تھی، اور مذبذب انطونی کو اسی طرف مائل کر رہی تھی۔ خطرہ یقیناً تھا مگر خطرات کا ارتکاب جانباز ملکہ کی فطرت میں تھا، سوچتی تھی کہ "جانبازی و جرأت کا یہ سودا کچھ زیادہ مہنگا نہ پڑے گا۔ تین سو جہاز آکٹیوین کے بیڑے کو ہٹا دینے اور اُنھیں محصور کر لینے کے لیے کافی ہیں۔ حریف اپنے حصار میں قید ہو کر رہ جائے گا۔ پھر اُسے گرفتار کرنے کے بجائے اُسی طرح ایک لاکھ سپاہیوں کے نرغے میں چھوڑ کر بیس تیس ہزار سپاہیوں سے روم پر قبضہ کر لیا جائے گا جو آج کل بالکل خالی پڑا ہے۔ اور انطونی روم کے مختار ہوں گے اور حریف اُس قیدِ بے زنجیر میں پڑا ہوا فاقے کرتا کرتا گھٹنے ٹیک دے گا۔ خشکی پر پیچھے ہٹنے کے بجائے صحیح طریقہ یہی ہے کہ یہیں ایک بحری معرکہ ہو جائے، بس ایک بحری معرکہ! اور روم ہماری مٹھی میں ہو گا۔"

انطونی نے چاہا تو یہی مگر فوج کے جرنیل اِس تجویز سے متفق نہ ہو سکے۔ اُن کی رائے میں یہ ارتکاب حد درجہ خطرناک تھا۔ اِسی بحث و مباحثہ میں پھر یہ سوال اُٹھا کہ "اگر ملکہ روم میں انطونی کے ساتھ داخل ہوئی تو اہلِ شہر اسے برداشت نہ کریں گے۔ بہتر یہی ہے کہ ملکہ مصر واپس چلی جائے اور واقعات کی رفتار پر نظر رکھے۔ اُس کا الگ رہنا ہی بہتر ہے۔ انطونی کس منہ سے جمہوریت پرستی کا دعویٰ کر سکے گا جب شاہ نژاد ملکہ قلوپطرہ اُس کی رفیقۂ حیات کی حیثیت سے روم کے ایوانِ حکومت میں داخل ہو گی۔ اگر ملکہ کے جہاز آکٹیوین کے بیڑے کو توڑ دیں تو بھی یہی مناسب ہو گا کہ ملکہ جہازوں سمیت مصر واپس چلی جائے۔ آکٹیوین کو بھی بہانہ سازی کا موقع نہ مل سکے گا۔ ہماری فوج کا جمہوریت پسند عنصر بھی مطمئن ہو جائے گا۔" غرض ایک طوفانِ مخالفت اُٹھا۔ سب یہی کہتے تھے کہ "دشمن نے قلوپطرہ ہی کا بہانہ بنا کر سارے روم کو انطونی کے خلاف برانگیختہ کیا ہے۔ ماتحت بادشاہ، فوج کے جرنیل اور اکثر سردار قلوپطرہ کی بڑھی ہوئی طاقت سے جلتے ہیں۔ اگر اُسے واپس نہ بھیجا تو سارا کام بگڑ جائے گا۔

انطونی نے اِن تجاویز کی معقولیت تسلیم کی اور وعدہ کیا کہ ملکہ کو مصر واپس جانے پر راغب کروں گا۔ اب تک کینڈ ڈلیس نے ہر موقع پر ملکہ کے موجود رہنے کی حمایت کی تھی مگر جب اُس نے بھی یہی رائے دی تو انطونی مجبور ہو گیا۔ اُس نے ملکہ کو سمجھایا کہ فتح کی صورت صرف یہی ہے اِس لیے میری خواہش ہے کہ تم واپس چلی جاؤ۔

اِس حکم سے ملکہ غضبناک ہو گئی۔ اُسے انطونی پر جو رہا سہا اعتماد باقی تھا وہ بھی ختم ہو گیا۔ اُسے یہاں تک شک گزرا کہ انطونی فتح کے بعد بھی میرے منصوبے پورے نہ کرے گا۔ انتہا یہ ہے کہ اُسے فتح بھی مشکوک و مشتبہ نظر آنے لگی۔ انطونی کے متعلق جتنا سوچتی تھی طیش میں آتی تھی۔ "مجھے امید نہیں کہ یہ شخص فتح کے بعد سیزاریَن کی حمایت کرے یا اُس کا دل سوز سرپرست ثابت ہو سکے۔ امید بھی کیونکر ہو۔ سیزاریَن کے حق کے بجائے جمہوریت و آزادی جیسے عجیب و غریب عقیدوں کی خاطر جنگ کا نعرہ لگایا جا رہا ہے۔"

قلوپطرہ کا غیظ و غضب کچھ بے جا نہ تھا۔ انطونی، جو کبھی مردِ میدان، اولوالعزم جانباز جرنیل تھا، اب ایک چلتا پھرتا سایہ ہو کر رہ گیا تھا بلکیس و دیوتا کا روپ دھارنے کی دُھن میں بے تحاشا شراب نوشی کرنے سے اُس کی صحت ہی نہیں بلکہ عزم و حوصلہ، عقل و فہم، فراست و فیصلہ سب برباد ہو چکے تھے ـــــ ملکہ اِن تمام باتوں پر نظر کر کے میدان سے چلے جانے کو دیوانگی شمار کرتی تھی کہ "میری پیٹھ مڑتے ہی یہ بے اصول شخص جمہوریت کی بقا کا وعدہ کر لے گا اور یہ رومی خبیث اِس بدمست دیوتا کو اتنا ہوش نہ لینے دیں گے کہ شاہی خاندان کی بنیاد رکھنے کا تصوّر بھی کر سکے۔ یہ تو دُور کی باتیں ہیں کیا خبر کہ اپنے جرنیلوں کو مطمئن کرنے کی خاطر وہ ابھی مجھے طلاق دے دے۔ میرے جہازوں اور مصر کی دولت سے جو کام لینا تھا لیا جا چکا ہے۔ اب اُس کی نظر میں میری اہمیت ہی کیا ہے؟ مَیں نے مانا کہ اُسے مجھ سے محبت ہے۔ میرے بغیر قرار نہیں مگر کیا معلوم جاہ طلبی کا جذبہ محبت پر غالب آ جائے۔" یہ خیالات تھے جنھوں نے اُس کے دماغ میں ہیجان برپا کر رکھا تھا۔ اُس نے انطونی سے صاف کہہ دیا کہ میں یہاں سے جانے والی نہیں۔ انطونی بھی، جو کچھ تو دل کے ہاتھوں مجبور تھا۔ کچھ ملکہ کی طاقت کا احساس رکھتا تھا، خاموش ہو گیا۔ اِس طرح یہ تحریک دب گئی۔

ملکہ سے مزید گفتگو کے بعد انطونی نے فیصلہ کیا کہ آکٹیوین کے بیڑے سے ٹکر لے اور ساتھ ساتھ اُس کے کیمپ کا مکمل محاصرہ کرے تاکہ حریف موت کے جال سے نکلنے نہ پائے۔ اِس مقصد کے لیے اُس نے اپنے بیڑے کی نفری پوری کی اور ڈیلیس اور امنیطس کو سواروں کی بھرتی کے لیے تھریس بھیجا تاکہ رسالے کی طاقت اور بڑھ جائے۔ قلوپطرہ نے یہ صلاح بھی دی کہ ہمارا کیمپ نشیبی زمین پر ہے جس سے ملیریا کا اندیشہ ہے۔ مناسب ہو کہ فوج کو تین چار میل کے چکر سے راس کے شمالی سرے پرلے جاکر پڑاؤ کرائیں۔ اِس طرح آکٹیوین کا محاصرہ بھی ٹوٹ جائے گا۔ ڈومیشس اب تک ہر بات میں ملکہ کی مخالفت کر رہا تھا۔ اب جو سُنا کہ ملکہ یہیں رہے گی اور اُسی کی تجاویز پر عمل ہوگا تو تاب ضبط نہ رہی۔ اس کیمپ میں رہنا تنگ معلوم ہوا۔ چپکے سے ایک جہاز پر سوار ہوا اور آکٹیوین کے لشکر میں جا اُترا۔ وہاں پہنچ کر بہت جلد بخار میں مبتلا ہوا اور مر گیا۔ آنے والی جنگ میں شریک ہونے یا اُس کے نتائج سے فائدہ اُٹھانے کا موقع ہی نہ ملا۔

ڈومیشس کی بیوفائی سے انطونی کو سخت صدمہ پہنچا۔ غالباً اُس نے ملکہ کو جتادیا کہ میرے افسروں کی غداری کا باعث محض تمہاری ذات ہے۔ اُس نے اب بڑی سختی سے ملکہ کو مصر چلے جانے کے لیے کہا مگر اس سے دونوں میں سخت رنجش ہوگئی جو قیام یونان تک برابر قائم رہی۔ ملکہ نے جانے سے صاف انکار کر دیا اور انطونی کو الزام دیا کہ تم میرے مفاد اور اپنے قول و قرار سے پھر گئے ہو۔ سابقہ وعدے یاد دلائے۔ اُس وقت کا اشارہ کیا جب انطونی نے روم سے کٹ کے اُس کا سہارا ڈھونڈا تھا۔ یہ طعنہ بھی دیا کہ "اب تمہیں میری بجائے اِن چار سو وفادار رومی مشیروں کی زیادہ ضرورت ہے۔ اچھا یوں ہی سہی۔ تم ایک دفعہ پہلے بھی مجھ سے بیوفائی کر چکے ہو، ایک بار اور سہی۔"

قلوپطرہ کی ناراضی، بدگمانی اور غمگینی سے انطونی کو بھی سخت ملال ہوا۔ وہ اس کی بات مان لینے کو تیار تھا مگر اِسی اثنا میں تین آدمی پھر کیمپ سے بھاگے ایک تو شاہ لیبلا گو تیا تھا جو قلوپطرہ کے اقتدار سے جل کر آکٹیوین سے جا ملا اور وہاں جاکر اِدھر کا سارا کچا چٹھا سنا دیا۔ دوسرا ایک رومی سینیٹر کوئنٹس پوسٹومس تھا۔ تیسرا ایک عرب سردار۔ موخر الذکر دونوں آدمی بھاگتے وقت پکڑے گئے اور انطونی نے غداروں کو عبرت دلانے کے لیے ان دونوں کو بڑے عذاب سے مارا۔

مگر اس سے کیا ہوتا تھا۔ روز بروز آکٹیوین کا معاملہ مضبوط ہوتا جا رہا تھا۔ اور انطونی کو قلوپطرہ کی زن مریدی کے طعنے دیے جاتے تھے۔ آکٹیوین کے سپاہیوں کی خود اعتمادی بڑھتی جا رہی تھی۔ بلکہ اب وہ کبھی کبھی دیدہ دلیری کا مظاہرہ بھی کر گزرتے۔ ایک رات انطونی ایک افسر کو ساتھ لیے بندرگاہ کی طرف گیا۔ دشمن کے سپاہی پشتے پر سے اتر کر خاموشی سے گھات میں بیٹھ گئے۔ واپسی میں یہ دونوں ادھر سے گزرے تو وہ ان پر ٹوٹ پڑے۔ انطونی کے دھوکے میں وہ افسر تو پکڑا گیا مگر انطونی بھاگ کر بچ نکلا۔

واقعات کی اس رفتار سے مضطرب ہو کر انطونی نے ایک بار پھر ملکہ سے واپس چلے جانے کو کہا۔ قلوپطرہ دن رات کی اس بک بک سے عاجز آ چکی تھی۔ فرطِ غیظ میں کہہ دیا کہ اچھا یہی مرضی ہے تو میں جاتی ہوں۔ اس فیصلے کے بعد جانے کی تیاری کرنے لگی مگر انطونی کو انتہائی غیظ آلود نظروں سے دیکھا۔ روح کی عمیق نفرت اور دل کا طیش چہرے پر نمودار ہو گیا۔ انطونی کو بھی ہراس ہوا کہ کہیں مجھے قتل نہ کرا دے۔ دراصل یہ وہم انطونی کے دل پر ایسا چھایا کہ ایک مرتبہ دوستوں کے سامنے کہہ بیٹھا کہ ملکہ میرے قتل کی فکر میں ہے۔ قلوپطرہ کو بھی خبر ہوئی اور اس نے اپنے طفل مزاج شوہر کو ناقابلِ فراموشی سبق دینے کا فیصلہ کیا۔ ایک رات کھانا کھانے کے بعد شراب کا جام بھرا۔ اس میں سے دو چار گھونٹ خود پی کر جامِ شراب ادائے دلنوازی سے انطونی کی طرف بڑھا دیا۔ انطونی فرطِ مسرت میں جام لبوں تک لے جانے ہی کو تھا کہ قلوپطرہ نے چوٹی میں سے چنبیلی کا ہار کھولا اور اظہارِ الفت کے لیے ہار کو شراب میں ڈبو کر نکال لیا۔ انطونی نے جام لبوں سے لگایا ہی تھا کہ قلوپطرہ نے یکایک اسے جھپٹ لیا۔ اور بولی کہ شراب زہر آلود ہے انطونی حیرت سے بولا کہ اسی صراحی کی شراب تم نے بھی پی ہے۔ زہر آلود ہونے کا کیا امکان ہے قلوپطرہ نے وضاحت کی کہ چنبیلی کا ہار جسے میں نے اندازِ دلربائی سے شراب میں ڈبویا تھا، زہریلا ہے اور شراب فی الواقع زہر آلود ہو چکی ہے۔ یہ کہہ کر انطونی کو سمجھایا کہ تمھیں ہلاک کر دینا میرے بائیں ہاتھ کا کھیل ہے۔ مگر واقعہ یہ ہے کہ میں تمھارے بغیر زندہ نہیں رہ سکتی!

میرا خیال ہے کہ ان دنوں ملکہ کے دل میں غرور و نفرت کا تلاطم برپا تھا۔ دن رات اسے یہی فکر کھائے جاتا تھا کہ انطونی مجھ سے غداری کر رہا ہے اور اب میرے ملک نیز میرے خاندان

کا مستقبل خطرے میں ہے۔ اُس کے دل میں ہزاروں خیالات درہم برہم ہوتے رہتے تھے۔ مگر انطونی اُس کی خاموشی و عزلت گزینی کو نفرت و حقارت پر محمول کر کے انتہائی غمناک رہتا تھا۔ اپنے سابقہ فیصلے یعنی قلوپطرہ کی روانگی کو منسوخ کر دینا مشکل تھا کیونکہ وہ لشکر کے جرنیلوں کو اپنے منصوبے سے آگاہ کر چکا تھا۔ جہاں تک میرا اندازہ ہے، ان سرداروں اور انطونی اور قلوپطرہ کے مابین یہ تجویز طے ہو چکی تھی کہ آکٹیوین کے لشکر کا مکمل محاصرہ کر کے فوج کے چیدہ چیدہ جانبازوں کو بیڑے پر سوار کیا جائے اور حریف پر بیک وقت خشکی اور سمندر سے حملہ کر کے اُس کی طاقت برباد کر دی جائے۔ عین اُس وقت قلوپطرہ اپنا بیڑا لے کر مصر کو روانہ ہو جائے اور انطونی تنہا فتح و ظفر کے پرچم اڑاتا روم میں داخل ہو۔

میری دانست میں پیچ در پیچ مشکلات کا واحد حل یہی تھا۔ لشکر پر تسلط قائم رکھنے، مصری اقتدار سے نجات پانے اور صورتِ حال سے عہدہ برآ ہونے کی یہی ایک ترکیب تھی کہ ملکہ کو اس کے بیڑے سمیت رخصت کر دیا جائے۔ اگر ملکہ کو ایشیائے کوچک کے راستے بھیجا جاتا تو ممکن تھا کہ لوگ اس سفر کو پسپائی یا ہزیمت سمجھتے اور تمام زیرِ دست ممالک میں بغاوت پھیل جاتی۔ علاوہ بریں مصری بیڑا خلیج امبریشیا میں پڑا رہ جاتا اور لشکر کے مفسدہ پرداز شور مچاتے کہ ہم ملکہ کے چلے جانے کے باوجود مصر کے غلام ہیں۔ اس کے سوا کوئی اور چارہ کار نہ تھا کہ انطونی اور قلوپطرہ کا متحدہ بیڑا حریف کے بیڑے سے ٹکر لے کر اس قیدِ بے زنجیر سے آزاد ہو جائے۔ ملکہ کے دل میں جو ایک فیصلہ کن بحری جنگ کا ارمان ہے وہ بھی نکل جائے۔ رومی جمہوریت پسندوں کی ضد بھی پوری ہو جائے گی کہ ملکہ اپنا بیڑا لے کر مصر چلی گئی اور اب ہم غیر ملکی اقتدار یا اثر سے بالکل آزاد ہیں۔

غرض اِس فیصلے کے مطابق انطونی نے اعلان کر دیا کہ ۲۹ اگست کو بحری حملہ ہوگا۔ البتہ یہ بات کہ فتح ہوتے ہی ملکہ اپنا بیڑا لے کر مصر روانہ ہو جائے گی، عوام سے مخفی رکھی گئی۔ صرف چند افسر اِس منصوبے سے آگاہ تھے۔ بیڑا آراستہ ہوا۔ بہت سے جہاز، جو سامان سے لیس نہ تھے یا جن کا عملہ کم تھا، جلا دیے گئے کیونکہ اندیشہ تھا کہ یہ حریف کے ہاتھ میں جا پڑیں گے۔ ساڑھے تین سو جہاز، جن میں سے ساٹھ بہترین جنگی جہاز تھے، اِس خونیں معرکے کے لیے تیار ہوئے۔ ملکہ کے ساٹھ جہاز، جنھیں آکٹیوین کی ناکا بندی توڑنے کے بعد بحیرہ روم کو عبور کرنا تھا، بڑے

بادبان کھولنے پر مجبور تھے۔ مگر اس سے ایک لمبے سفر کی غمازی ہوتی تھی جس سے راز کھل جانے اور شبہات پیدا ہونے کا امکان تھا۔ اس لیے سارے متحدہ بیڑے کے بادبان کھول دیے گئے اور انطونی کو یہ اعلان کرنا پڑا کہ بڑے بادبان اس غرض سے چڑھائے گئے ہیں کہ دشمن کے شکست خوردہ بیڑے کا تعاقب کیا جا سکے۔ دوسرا مرحلہ یہ تھا کہ قلوپطرہ کا سازوسامان جواہرات اور طلائی اینٹیں خفیہ طور سے جہازوں پر لاد دیے جائیں۔ یہ کام بھی رات کی تاریکی میں انجام پاگیا۔ اخفار کا پورا اہتمام کیا گیا پھر بھی بعض اشخاص اصلی بات کی تہ تک پہنچ گئے۔

کئی جرنیل اس بحری جنگ کے خلاف تھے حالانکہ یہی وہ لوگ تھے جنھوں نے قلوپطرہ اور اس کے بحری بیڑے کی روانگی کا مطالبہ کر کر کے انطونی کو اس خونریز بحری جنگ کا فیصلہ کرنے پر مجبور کیا تھا۔ پیدل فوج کا سردار جوشِ اضطراب میں سینہ کھول کر سامنے آگیا اور لڑائیوں کے زخموں کی طرف اشارہ کر کے یوں بولا "اے جرنیل! ان زخموں اور میری خاراشگاف تلوار کی توہین نہ کر۔ منچلے سپاہیوں کے دست و بازو کے بجائے کرم خوردہ لکڑیوں (جہازوں) پر بھروسا کرنے سے کیا فائدہ ہے۔ میدان میں حریف سے دو دو ہاتھ ہونے دے۔ اور اگر بحری جنگ اتنی ہی ضروری ہے تو اہلِ مصر و فونیشیا کو بحری لڑائی کا حکم دے اور ہم سپاہیوں کو اجازت دے کہ میدانِ کارزار میں جاں نثاری کے جوہر دکھائیں۔" انطونی کیا جواب دیتا، خاموش رہ گیا اور اسے ہاتھ کے اشارے سے صبر و تحمل کی فہمائش کی۔

۲۸ اگست کو ۲۲ ہزار سپاہی، جن میں دو ہزار تیرانداز شامل تھے، جہازوں پر سوار ہوئے تاکہ اگلی صبح جوانمردی کے جوہر دکھائیں۔ یہ جہاز اکٹیوین کے جہازوں سے بدرجہا بڑے تھے۔ بعض پر پتواروں کے دس دس پرے تھے۔ فتح یقینی معلوم ہوتی تھی۔ آخر ۲۹ اگست کی صبح طلوع ہوئی اور طوفان اس کی جلو میں آیا۔ تلاطم کے مارے سمندر ابل رہا تھا اور سطح بحر پر اتنی ہلچل تھی کہ لڑائی کا امکان ہی نہ تھا۔ چار دن تک جنگ ملتوی رہی۔ تعطل کے یہ چار روز انتہائی صبر آزما تھے۔ انطونی کے دو مشہور جرنیل یعنی ڈیلیس اور امنیطس کے اعصاب اس تعطل کی تاب نہ لا سکے اور کٹ کر اکٹیوین سے جا ملے۔ ڈیلیس کو جنگ کا پورا نقشہ معلوم تھا جو اس نے اکٹیوین کو بتا دیا۔ امنیطس نے یہ ستم کیا کہ خود تو گیا ہی مگر اپنے ساتھ رسالے کے دو ہزار

سوار بھی لیتا گیا۔ ڈیلیس نے بعد ازاں ایک مرتبہ بیان کیا کہ میرے بھاگ نکلنے کا باعث، قلو پطرہ بھی جس کے اقتدار سے میں خائف تھا اور جسے میں یہ کہ کر ناراض کر چکا تھا کہ ہمارے لشکر کا سامان رسد کم ہو چلا ہے۔

خدا خدا کر کے تعطل کا یہ دور ختم ہوا۔ یکم ستمبر کو طوفان دھیما پڑ گیا اور شام کے وقت انطونی کے جہاز در جہاز گھوم گھوم کر لشکر کا دل بڑھایا۔ ادھر آکٹیوین نے بھی، جسے ڈیلیس سے سارا منصوبہ معلوم ہو چکا تھا، بیڑے کو آراستہ کیا۔ اپنی بہترین فوج جہازوں پر سوار کی جو تعداد میں انطونی کے جہازوں سے کہیں زیادہ مگر نسبتاً چھوٹے تھے۔

۲ ستمبر کی صبح پر سکون تھی۔ آکٹیوین کے جہاز خلیج امبریشیا کے دہانے پر چھ فرلانگ کے نیم دائرے میں قائم ہوئے جنھیں دونوں فوجیں دیکھ رہی تھیں۔ آکٹیوین نے اس بیڑے کے تین حصے کیے۔ بائیں بازو کی کمان ایگریپا کے ہاتھ میں تھی، قلب کا انتظام لوشیس آرنطیس کے سپرد تھا اور دایاں بازو خود آکٹیوین سنبھالے ہوئے تھا۔ دوپہر کے قریب انطونی کے کوہ پیکر جہاز خلیج کی تنگ آبنائے سے نکلنے شروع ہوئے۔ کار آزمودہ سپاہی اور قلعہ شکن منجنیق حریف کے ٹکڑے اڑا دینے کے ضامن تھے۔ آکٹیوین نے آبنائے میں جنگ کرنا مناسب نہ سمجھا اپنے بیڑے کو کھلے سمندر میں نکال لے گیا۔ اس طرح انطونی کے جہازوں کو اطمینان کے ساتھ آبنائے سے نکل کر قطاریں جمانے کا موقع مل گیا۔ انطونی نے پھرتی سے بیڑے کو تین حصوں میں تقسیم کیا۔ سوشیس کو آکٹیوین کے مقابلے پر مامور کیا۔ مارکس کو لوشیس آرنطیس سے ٹکر لینے کا حکم دیا اور خود ایگریپا کے مقابل ہوا۔ قلو پطرہ کے ساٹھ جہاز سب سے آخر میں خلیج سے نکلے اور قلب کے عقب میں قائم ہو گئے۔

انطونی نے قلو پطرہ کو سمجھا دیا تھا کہ تمھارے جہاز لڑائی میں مسلسل کمک پہنچائیں گے مگر فتح کا نقارہ بجتے ہی مصر کا راستہ اختیار کریں گے۔ وہ چاہتا تھا کہ لڑائی ختم ہوتے ہی قلو پطرہ کے جہاز پر جا کر اُسے الوداع کہے۔ مگر اسی روز صبح کے وقت دونوں میں پھر تکرار ہو چکی تھی۔ قلو پطرہ اپنی بے رخی سے سخت آزردہ تھی۔ انطونی سے صاف صاف کہ دیا تھا کہ مجھے تم پر مطلق اعتبار نہیں، تم میری حمایت سے دست بردار ہو چکے ہو اور بے وفائی کے ساتھ بزدلی کا بھی ثبوت دے رہے ہو۔ دیر تک اپنی

بگڑی ہوئی قسمت کا رونا روتی رہی اور غالباً یہاں تک کہہ گزری کہ تم انتہائی ذلیل ہو اور میں اب کبھی تمھارا منہ نہ دیکھوں گی۔ انطونی نے بھی ان دل آزار فقروں سے برہم ہو کر سخت و سست الفاظ کہے اور دونوں انتہائی غیظ و غضب کے عالم میں اپنے اپنے نشان کے جہازوں پر سوار ہو گئے مگر طفل مزاج انطونی، جو ہمیشہ کر کے پچھتاتا تھا، اس رنجش کی تاب نہ لا سکا۔ با دلِ ناخواستہ جنگ کی تکمیل میں مشغول ہوا مگر دل میں یہی تمنا تھی کہ وقتِ رخصت اپنی محبوبہ سے عذر خواہی کرے اور اسے خوش و خرمی سے الوداع کہے۔ محبوبہ سے جدائی اور وہ بھی اس دل شکن انداز کے ساتھ! یہ تصور اس کے لیے حد درجہ شاق تھا۔ قریب تھا کہ آبدیدہ ہو جائے مگر اس امید نے سہارا دیا کہ چند گھنٹے بعد فتح و فیروزی کی خوش خبری لے کر محبوبہ کے سامنے جائے گا تو دل صاف ہو جائیں گے۔ بایں ہمہ اس کے دل میں قلق تھا، وہی قلق جو ایک گرم جوش نوجوان عاشق کو اپنی معشوقہ سے لڑنے کے بعد ہوا کرتا ہے۔

آخر انطونی کے کوہ پیکر جہازوں نے جنبش کی۔ لڑائی کا آغاز ہوا۔ اگریپا اس کے سامنے آیا اور یہ کوشش کی کہ اپنے چھوٹے جہازوں سے انطونی کے بائیں بازو کا محاصرہ کر لے۔ اس کے بعد انطونی کا میمنہ اور میسرہ حریف سے الجھ گیا اور لڑائی کا بازار گرم ہو گیا۔ دونوں بیڑوں کے جہازوں کو ایک دوسرے سے ٹکرانے کا حوصلہ ہی نہ ہوا۔ انطونی کے دیو قامت جہاز سست رفتاری کے سبب آکٹیویَن کے جہازوں کی ناک پر ٹکر دینے سے قاصر تھے۔ خود آکٹیویَن کے ہلکے پھلکے سبک رفتار جہاز بھی یہ جرأت نہ کر سکے کیونکہ انطونی کے آہن پوش چوبی قلعوں سے ٹکر لیتے تو خود پاش پاش ہو جاتے۔ غرض اس بحری لڑائی کا انداز میدانی جنگ کا سا تھا یا یوں سمجھو کہ قلعے کے محاصرے کا سا رنگ تھا کیونکہ انطونی کے ہر جہاز کو آکٹیویَن کے تین تین چار چار جہاز گھیرے ہوئے تھے اور ان پر برچھیوں، تیروں اور تلواروں سے حملہ کرنے کے علاوہ آتش گیر مادے بھی پھینکتے تھے۔ انطونی کے قلعہ نما جہاز منجنیقوں سے حریف کو جواب دے رہے تھے۔

جنگ کا ہنگامہ کامل خونریزی سے تین چار گھنٹے برپا رہا اور رفتہ رفتہ انطونی اور قلوپطرہ پر یہ ہولناک صداقت آشکارا ہونے لگی کہ حریف کے ہلکے پھلکے جہازوں کا پلّہ بھاری ہے۔ خود

انطونی کا جہاز اِس طرح گھیرے میں آگیا تھا کہ وہ دیر تک مدافعت میں مشغول رہنے کے باعث کچھ اور سوچ ہی نہ سکا۔ ہر لمحے کسی نہ کسی جہاز کے جل جانے، ڈوب جانے یا گرفتار ہو جانے کی خبروں سے اُس کا دل بیٹھا جا رہا تھا۔ سمندر کے چپے چپے پر ہلاکت کا طوفان گرج رہا تھا۔ ہتھیاروں کی جھنکار، سپاہیوں کے نعرے، زخمیوں کی چیخ پکار سے قیامت کا سا ہنگامہ برپا تھا اور مضطرب الحواس انطونی بار بار سوچتا تھا کہ کہیں بیڑے کی شکست کے بعد میری فوج غدّاری نہ کر بیٹھے۔ قلوپطرہ کی بھی یہی حالت تھی۔ اُس کا جہاز بھی بُری طرح نرغے میں آگیا تھا۔ جوں توں کر کے وہ دشمن کے حلقے سے نکلی۔ اپنے جہاز کو ذرا بہتر مقام پر حرکت دی اور ہنگامۂ کارزار پر نظر ڈالی۔ صاف معلوم ہو گیا کہ حریف غلبہ پا رہا ہے۔ ہر لمحے ادھر کا کوئی نہ کوئی جہاز ڈوب جاتا، جل جاتا یا گرفتار ہو جاتا اور دشمن کی صفوں سے فتح و ظفر کا ہمہمہ بلند ہوتا۔ اُس کے مصری سپاہی اور ملاّح رومیوں کی سی بے جگری سے نہیں لڑ رہے تھے، پھر بھی مصری بیڑے نے سخت نقصان اُٹھایا۔ اُس نے یہ بھی دیکھا کہ انطونی کے نشان کا جہاز دشمن نے اس طرح گھیرے میں لے لیا ہے کہ اُس کا مارا جانا یا گرفتار ہو جانا عجب نہیں۔ اِس خونریز ہولناک منظر نے اُس کے اضطراب زدہ دل و دماغ پر ایسا غلبہ پایا کہ سابقہ فکرات اور مستقبل کے اندیشے ذہن سے یک قلم خارج ہو گئے۔ روم کی فرماں روائی کا خیال، مصر کا تخت و تاج بچانے کی آرزو، انطونی سے سابقہ رنجشیں، اُس کے کردار کی خامیاں، اُس کی بیوفائی کے خیالات، سب کے سب دماغ سے محو ہو گئے۔ اِن سب کی جگہ ایک واحد اٹل ہولناک اندیشہ سامنے آگیا کہ آج غالباً انطونی کی زندگی کا خاتمہ ہے۔ حریف کے ہاتھ سے اُسے مہلت نہ ملے گی۔ اُس کی کمزوری اور بیوفائی کا سوال ختم ہو گیا! اب سوال اُس کی زندگی کا تھا جو یقینی خطرے میں تھی۔ شکست اور بربادی کی تصویر نظر میں پھر گئی۔

بدنصیب قلوپطرہ اس وقت کیا سوچتی ہو گی؟ انطونی نے اُسے بارہا چلے جانے کی ہدایت کی تھی۔ دونوں پہلے یہ طے ہو چکا تھا کہ لڑائی کے خاتمے پر وہ اپنا بیڑا لے کر مصر چلی جائے گی۔ یہ خاتمہ اب نظر کے سامنے تھا۔ اگرچہ ایک مختلف اور غیر متوقع صورت میں یعنی فتح کے بجائے شکست کی شکل میں شوہر کے پہلو سے جدا ہو کر مصر جانا ذلّت آمیز سہی مگر اب تک اُسے یہ امید تھی کہ اس شرمناک خبر کو فتح و ظفر کی خوش خبری سے دبا دوں گی۔ یہ امید بھی رخصت ہوئی۔ اب اُسے

میدانِ جنگ سے نہیں بلکہ اپنی آرزوؤں کے مقتل سے مصر واپس جانا تھا، صرف اِس امید سے کہ وہاں پہنچ کر میں اس شخص کے بارے آزاد ہو جاؤں گی جس کا وجود میرے مقاصد کی تکمیل کرنے کے بجائے میرے منصوبوں کی راہ میں حائل ہو رہا تھا!

شام ہو چلی تھی۔ اگرچہ فتح و شکست کا فیصلہ نہ ہوا تھا مگر قلوپطرہ کے خستہ و درماندہ دماغ میں اپنے شوہر کی فتح یابی کی امید دم توڑ چکی تھی۔ عین اس وقت ہوا کے تند جھونکے شمال سے یعنی آکیٹویَن کے بیڑے کی طرف سے مصر کی سمت میں چلنے شروع ہوئے۔ سمندر میں تلاطم برپا ہو گیا اور لہریں ملکہ کے جہاز سے ٹکرانے لگیں۔ لڑائی کا ہنگامہ شدید تھا، شدید تر ہو گیا۔ مجھے خیال آتا ہے کہ جب ہوا کے جھونکے ملکہ کے چہرے سے ٹکرائے ہوں گے وہ سمجھ گئی ہو گی کہ اب میری روانگی کا وقت آن پہنچا ہے۔ مزید انتظار کی گنجائش نہیں۔ انطونی غیظ و غضب کے عالم میں مجھے مصر چلے جانے کی ہدایت کر چکا ہے۔ تاخیر کی ضرورت نہیں۔ ممکن ہے کہ ایک گھنٹے بعد وہ گرفتار ہو جائے یا مارا جائے۔ یہ بھی ممکن ہے کہ میں خود گرفتار ہو جاؤں اور ذلت سے روم کے بازاروں میں میری تشہیر کی جائے۔ انطونی کے پہلو سے چمٹے رہنے اور اس کے ساتھ برباد ہونے سے کیا حاصل۔ ایک شکست خوردہ ہونا شوہر کے ساتھ تباہ ہو جانے سے کیا فائدہ۔ فوری تباہی کو دعوت دینے سے کیا نتیجہ؟ بہتر یہی ہے کہ ہلاکت و بربادی کے گرداب سے نکل کر مصر پہنچوں اور از سرِ نو اپنے خاندان کی بقا کا بندوبست کروں!

یہ فیصلہ کر کے ملکہ نے اپنے جہازوں کو روانگی کا اشارہ دیا۔ نشان کا جہاز پورے بادبان تانے نبرد آزما بیڑوں کے عین درمیان سے نکلا اور مصر کے شکستہ و ضرر رسیدہ جہاز اُس کے پیچھے چلے۔ اُس وقت انطونی کا جہاز بھی دشمن کے نرغے سے نکل چکا تھا اور وہ ملکہ کے بیڑے کو حرکت کرتا دیکھ رہا تھا۔ اِس دلسوز منظر نے انطونی کو بے قرار کر دیا۔ جذبات کی یورش سے دماغ مفلوج ہو گیا، غصہ، افسوس، ندامت، ناامیدی اور یاس و حرماں کے وفور نے قیامت ڈھا دی۔ قلوپطرہ اُسے اُس کی قسمت پر چھوڑے جا رہی تھی۔ اُس بیچاری کا قصور بھی کیا تھا۔ خود انطونی ہی نے تو اُسے یہ حکم دیا تھا۔ ہاں قلوپطرہ جا رہی تھی، وقار، تمکنت، دل فریبی و دل نوازی کا مجسمہ قلوپطرہ جس کی دلکشی نے اسے مسحور کر لیا تھا، جس کا دلکش چہرہ وہ پھر کبھی نہ دیکھ سکے گا۔ وہ

نامرادی و ناکامی کا مقابلہ کرنے کے لیے تنہا رہ جائے گا۔ قلوپطرہ کی ذات پر وہ کچھ عرصے سے اتنا تکیہ کرنے لگا تھا کہ اب جو اُس کے جہازوں کو بحرِ بیکراں کی وسعت میں گم ہوتے دیکھا تو اُس کے درماندہ دل و دماغ پر تنہائی کا خوف مسلط ہو گیا۔ ساتھ ساتھ یہ تصوّر بھی حد درجہ شاق گزرا کہ اُسے خدا حافظ کہے بغیر اِس طرح رخصت ہو جانے دے کہ اُس کے دل پر آخری نقش جو ہو وہ لطف و محبت کے بجائے نفرت و عداوت کا ہو۔ یہ تصوّر ناقابلِ برداشت تھا۔ دبے ہوئے جذبات بھڑک اُٹھے دلِ دیوانہ نے آواز دی کہ خواہ کچھ ہو صلح و معذرت کے دو لفظ، لطف و محبت کی ایک نگاہ، اس وقت ضروری ہے۔ یہ درست ہے کہ میرا میدانِ جنگ سے اِس طرح ہٹ جانا غلط ہے مگر اس سے کیا فرق پڑتا ہے۔ فتح کی امید پہلے ہی دم توڑ چکی ہے! اُس کے مضطرب آشفتہ حال دماغ کو لڑائی میں کوئی امید افزا پہلو نظر ہی نہ آتا تھا۔ نامرادی و ذلّت کی تصویر نظر کے پیچھے پھر رہی تھی دل تقاضا کر رہا تھا کہ عقل و ہوش کی سلامتی منظور ہے تو تباہی و نامرادی کے اِس گرداب سے جس قدر جلد کنارہ کر جاؤ بہتر ہے۔

پلوٹارک کا بیان ہے کہ "اس مخمصے میں انطونی نے وہ غلط اقدام کیا جو سپہ سالاروں کے لیے باعثِ ننگ اور مردوں کے واسطے قابلِ افسوس ہے۔ 'رشتۂ در گردنم افگندہ دوست' شاعرانہ استعارہ ہے مگر اُس روز یہی شاعرانہ تخیّل حقیقت بن کر ظاہر ہوا یعنی جیسے ہی انطونی نے ملکہ کے بیڑے کو مصر کی جانب حرکت کرتے دیکھا، دیوانہ وار اُس کے پیچھے چل پڑا اور اُن لاکھوں جانبازوں کی طرف سے قطعاً غافل ہو گیا جو اُس کی خاطر ہتھیلی پر سر رکھے مصروفِ جنگ تھے" ایک سبک رفتار جہاز پر سوار ہوا اور کپتان کو حکم دیا کہ انتہائی سرعت سے قلوپطرہ کا جہاز جا پکڑے۔ صرف دو آدمیوں الیگزنڈر اور سلیس کو ساتھ لیا۔ یہ جہاز جس پر پتواروں کے پانچ پرے تھے۔ بہت جلد قلوپطرہ کے جہاز سے جا ملا اور ملکہ کو اطلاع ہو گئی کہ اُس کا طفل مزاج شوہر لڑائی کا ہنگامہ چھوڑ چھاڑ اُس کے پیچھے آ پہنچا ہے۔ ملکہ کے جذبات کا اندازہ کرنا مشکل نہیں۔ سمجھ گئی کہ میرے منہ موڑتے ہی جنگ کا نقشہ بدل گیا۔ فتح و ظفر کی رہی سہی امید خاک میں مل گئی۔ یہ تو معلوم تھا کہ انطونی مردانہ عزم و ہمّت سے عاری ہو چکا ہے مگر قیامت یہ تھی کہ وہ کسی طرح قلوپطرہ کا پیچھا چھوڑنے کے لیے تیار نہ تھا۔ اپنے ساتھ اُسے بھی لے ڈوبنے کا تہیّہ کیے ہوئے تھا۔ پھر بھی وہ اس بدنصیب

بدحال شخص کی بیوی تھی اور اُس سے بیوفائی کرنے پر تیار نہ ہو سکی۔ جہاز کو روکا، انطونی کو جہاز پر آنے کا اشارہ دیا اور فرطِ رنج و غم میں یہ کہتی ہوئی خواب گاہ میں چلی گئی۔ کہ میں انطونی سے ملنے یا بات کرنے کے لیے تیار نہیں۔ بدنصیب انطونی جہاز پر آیا مگر یاس و حرماں کے ہاتھوں یہ کیفیت تھی کہ غم میں چُور تھا۔ نہ ملکہ کے پاس جانے کا خواہش مند تھا نہ اُسے اپنے پاس بلانے کا متمنی۔ جیسے کوئی نیند میں ہو، جہاز کے عرشے کی طرف چلا اور وہاں پہنچ کر گھٹنوں پر سر رکھ غم میں اِس طرح کھو گیا کہ ایک لفظ نہ بول سکا۔

یوں ہی کئی گھنٹے گزر گئے۔ رات کا اندھیرا چھا چکا تھا کہ پیچھے سے کئی جہازوں کے پتواروں کی آواز آئی۔ ایک لمحے کے بعد اگلے جہاز کی ناک تاریکی میں چمکی۔ ملکہ کے جہاز پر تلاطم سا برپا ہو گیا اور تعاقب کنندہ جہازوں سے نعرے بلند ہوئے۔ اِس ہنگامے سے انطونی بھی چونکا۔ سوچنے لگا کہ ممکن ہے یہ جہاز جنگ کی تازہ خبر لائے ہوں۔ کیا عجب ہے کہ لڑائی کا رنگ بدل گیا ہو اور شکست فتح میں تبدیل ہو گئی ہو۔ یہ سوچ کر کپتان کو حکم دیا کہ جہاز کا رُخ موڑ دے۔ اور اگر تعاقب کرنے والے جہاز کسی اور نیت سے آئے ہوں تو اُن سے جنگ کی تیاری کرے۔ خود آگے بڑھ کر اونچی آواز سے پکارا "کون ہے جو انطونی کے پیچھے لگا چلا آ رہا ہے" سیاہ پانی اور تاریکی کے پردے سے کسی نے جواب دیا "میں ہوں یورکلینز، لیکاریز کا بیٹا۔ اپنے مقتول باپ کا بدلہ لینے آ پہنچا ہوں"۔ لیکاریز ایک نجیب و شریف رئیس زادہ تھا مگر قزاقی کا پیشہ اختیار کر چکا تھا۔ اِس لیے انطونی نے اُسے قتل کر دیا تھا۔ اُس کے بیٹے یورکلینز نے باپ کے انتقام کی قسم کھائی تھی۔ وہ قہر و غضب کا مجسمہ بنا اپنے جہاز کے عرشے پر کھڑا تھا۔ برچھی ہاتھ میں تھی جسے حریف پر پھینکنے کے لیے بے تاب تھا۔ اُس کا جہاز جو پوری رفتار سے بڑھا آتا تھا غلطی سے ایک اور مصری جہاز سے ٹکرا گیا اور ایسا ٹکرایا کہ پورا گھوم گیا۔ ملکہ کا جہاز اس کے صدمے سے محفوظ رہا اور ہنگامہ و تاریکی میں بچ بچا کر نکل گیا۔ دوسرا جہاز یورکلینز کے ہاتھ میں آیا۔ اس پر ملکہ کے خزانے کی طلائی اینٹیں اور بیش قیمت ساز و سامان بار تھا جو سب یورکلینز نے ہتھیا لیا۔

یہ آفت ٹلی تو انطونی پھر جہاز کے اگلے حصے میں جا بیٹھا۔ غم و الم کی شدت نے بےحس کر دیا تھا۔ تین دن اِسی حالت میں گزر گئے۔ گھنٹے دو گھنٹے بعد سمندر کی طرف نظر اُٹھا کر دیکھ

لینا پھر غم و یاس میں ڈوب جاتا۔ وہ اپنی حماقت سے خود کو بھی تباہ کر چکا تھا اور قلوپطرہ کے مستقبل کو بھی تعجب یہ تھا کہ اُس نے اب تک اپنی نامراد زندگی کا خاتمہ کیوں نہ کر لیا۔ آخر یونان کی انتہائی جنوبی بندرگاہ طینارس آئی۔ انطونی اسی طرح دم بخود بیٹھا رہا۔ ملکہ کی خواصوں نے بہت کچھ کہہ سن کر اُسے اس بات پر آمادہ کیا کہ انطونی کو اپنے پاس آنے اور بات چیت کرنے کا اذن دے۔ بڑی مشکل سے ملکہ اُس کے ساتھ کھانا کھانے اور شب باشی پر رضامند ہوئی نسوانی فطرت میں الفت و شفقت کا مادّہ غالب ہوتا ہے۔ بدقسمت شوہر پر جو یاس و نامرادی کے ہاتھوں مجسّم بیکسی بنا بیٹھا تھا۔ رحم آگیا، اور اُسے ہر طرح تسلّی دے کر دل جوئی کا حق ادا کیا۔

ڈاین کیسّیس کا بیان ہے (اگرچہ وہ خود ہی اس کی تردید کرتا ہے) کہ انطونی پہلے ہی ملکہ کے ساتھ مصر جانے کا فیصلہ کر چکا تھا۔ فیریرو اور دوسرے مؤرخین کی رائے بھی یہی ہے مگر میں اِس رائے سے اتّفاق نہیں کر سکتا۔ میری دانست میں انطونی کا یہ اقدام محض وقتی جذبات کا نتیجہ تھا اگر دونوں کا یہی منصوبہ ہوتا تو لازم تھا کہ جب ملکہ کا خزانہ جہاز پر لاد دیا گیا تھا تو انطونی بھی اپنا خزانہ ساتھ ساتھ لاد دیتا۔ مزید برآں اگر یہی منصوبہ ہوتا تو ملکہ کی یہ ناراضی کہ تین دن تک اُس سے ہمکلام نہ ہوئی، ہرگز اِس حد تک نہ بڑھتی۔

ملکہ یہاں لنگر انداز ہوئی ہی تھی کہ ایکٹیم کے ہزیمت خوردہ جہاز داخل ہوئے۔ جن پر بقیۃ السیف سپاہی سوار تھے۔ اِن سے معلوم ہوا کہ بحری بیڑا بالکل تباہ ہو گیا ہے۔ جو جہاز سلامت رہے حریف کے قبضے میں چلے گئے اور کم و بیش پانچ ہزار آدمی اس خونیں معرکے میں کام آئے۔ بایں ہمہ فوج ثابت قدم رہی اور فوراً ہتھیار ڈالنے کے لیے تیار نہ ہوئی۔ قلوپطرہ نے جس کی حوصلہ مندی کسی حد تک باقی تھی، انطونی کو صلاح دی کہ شکست خوردہ فوج کے جتنے دستے سنبھالے جا سکیں کسی عنوان سنبھالنے کا بندوبست کرے اور مقدونیہ کے راستے ایشیائے کوچک میں اپنے قاصد دوڑائے۔ انطونی نے ایسا ہی کیا۔ پھر اِن تازہ واردوں کو سمجھایا کہ تم مجھے میری قسمت پر چھوڑ کر اپنی جان بچانے کی سبیل کرو۔ انطونی اور قلوپطرہ نے اِن لوگوں کو فراخ دلی سے روپے اور طلائی ظروف دیے تاکہ وہ اپنا اپنا فدیہ ادا کر کے آکٹیوین سے جان بچا سکیں۔ انطونی نے کورنتھ میں اپنے نائب کو یہ حکم بھیج دیا کہ جب تک یہ لوگ

آکیٹویَن سے مفاہمت نہ کرلیں، وہ اُن کی ہر طرح خبر گیری کرتا رہے۔ پلوٹارک کا بیان ہے کہ اِس شکست خوردہ دستے کے افسر غم زدہ انطونی کی شرافت سے سخت متاثر ہوئے! انھوں نے اُس کا عطا کردہ روپیہ اور طلائی، نقرئی ظروف واپس کرنے چاہے مگر انطونی نے انھیں دلاسا دیا اور ایسی شفقت کا مظاہرہ کیا کہ وہ زار زار رونے لگے۔

یہاں سے ملکہ کے جہازوں نے مصر کا رُخ کیا اور کئی دن بعد مصر کے ساحل پر بمقام پیراٹونیم لنگر انداز ہوئے جو اسکندریہ سے کوئی ڈیڑھ سو میل مغرب کی طرف چھوٹی سی بندرگاہ ہے۔ یہاں ایک مختصر سا رومی دستہ رہتا تھا۔ دنیائے دوں کا ستایا، دل شکستہ انطونی یہیں منہ چھپائے رہنے کے لیے ٹھہر گیا مگر حوصلہ مند قلوپطرہ نے دارالسلطنت کی راہ لی تاکہ اپنی رعیت کو سنبھالے۔ انطونی کئی ہفتے تک اِسی ریگستانی چوکی میں مقیم رہا۔ مٹی کی چند جھونپڑیاں، کھجور کے دو چار پودے اور ایک چھوٹی سی گڑھی۔ بس یہاں کی کل کائنات تھی۔ ستمبر کی مرطوب گرمی نے اس سنسان مقام کی بے رنگ فضا میں افسردگی کا رنگ بھر دیا تھا۔ ساحل کا یہ حصہ قطعاً بنجر ہے۔ اِس دھوپ سے تپتی بستی میں سناٹا راج کرتا ہے۔ اُداس میدان کی غم آلود فضا کا اندازہ صرف وہی لوگ کر سکتے ہیں جو کبھی گرمی میں یہاں آئے ہوں۔ خاموش ساحل پر لہروں کے طمانچے موت کے جرس کی طرح گونجتے ہیں۔ ساحل سے نظر ہٹتی ہے تو ریگستان کی وسعت میں گم ہوتے ہوتے تاریک افق تک پہنچتی ہے۔ سر پر خشک بے نور آسمان ہوتا ہے جیسے سورج کی تمازت نے مار مار کر بے رونق کر دیا ہے۔ اِس اداس، یاس انگیز ماحول میں انطونی کئی ہفتے ٹھہرا رہا۔ ہر روز ساحل پر گھومنے نکل جاتا۔ دو جاں نثار ساتھ ہوتے۔ ایک تو ارسٹوکریز جو ایک یونانی خطیب تھا۔ دوسرا لوسی لیس یعنی وہ سورما جو جنگ فلپی میں بروٹس کا ساتھی تھا اور جس نے جاں نثاری کا حق ادا کرکے بروٹس کو بچ کر نکل جانے میں مدد دی تھی۔ جیسا کہ بیان ہو چکا ہے۔ انطونی نے اُس کی دلاوری کا احترام کرتے ہوئے اُس کی جاں بخشی کی تھی اور یہ بھی مرتے دم تک اُس کا وفادار رہا۔

آخر ایک روز انطونی کا ایک جہاز اس بندرگاہ میں لنگر انداز ہوا جس سے جنگِ ایکٹیم کی تفصیلات معلوم ہوئیں یعنی انطونی کے بیڑے نے سخت نقصان اُٹھانے کے باوجود جنگ جاری رکھی اور رات کی تاریکی چھا جانے پر بچے کھچے جہاز خلیج امبریشیا میں پناہ گزیں ہوئے۔ اگلے

روز آکٹیوین نے بیڑے اور فوج کو مناسب شرائط پر ہتھیار ڈال دینے کی پیشکش کی مگر کسی کو یہ گمان تک نہ تھا کہ انطونی میدان سے ہٹ گیا ہے۔ چنانچہ یہ پیشکش ٹھکرا دی گئی۔ اگلے روز چند ماتحت بادشاہوں نے ہتھیار ڈال دیے تعطل کا ایک ہفتہ گزرا تو کینڈیس بھی بھاگ گیا۔ بعض دستے مقدونیہ میں منتشر ہو گئے باقی فوج نے ۹ ستمبر کو ہتھیار ڈال دیے۔ آکٹیوین ایتھنز تک پہنچا اور کورنتھ کے سوا باقی تمام شہروں پر قبضہ کر لیا۔ اب اُس نے انطونی کے طرفداروں کا قتل عام شروع کر دیا۔ شہروں کے باشندوں نے جان بچانے کے لیے اُس پر خطابات کی بارش کر دی۔ کچھ دن بعد انطونی کو خبر ملی کہ شمالی افریقہ میں مقیم فوج بھی آکٹیوین سے جا ملی ہے۔ دل میں امید کی آخری کرن بھی غائب ہو گئی۔ اُس نے خودکشی کا فیصلہ کیا مگر دونوں جاں نثاروں نے اُسے بہ تشدد اس اقدام سے روکا اور اس بات پر مائل کیا کہ اسکندریہ چل کر ملکہ کی صحبت میں اپنے دل کے زخموں پر مرہم رکھے!

اٹھارہ

قلوپطرہ دوبارہ جدوجہد کرتی ہے

بظاہر توقع نہ تھی کہ قلوپطرہ، جو بدنصیبی کے بارِ عظیم سے نڈھال ہو چکی تھی، دوبارہ ہاتھ پاؤں ہلائے مگر اُس کا پُر اُمید دل ابھی یہ تسلیم کرنے کے لیے تیار نہ تھا کہ میرے معاملات یکسر بگڑ چکے ہیں۔ بحیرۂ روم کے سفر میں، وہ ہفتے صرف ہوئے اور اس مدت میں وہ بربادکن شکست کے صدمے سے اُسی طرح سنبھل گئی جس طرح یاس و حرماں کے طوفانوں میں پہلے بھی کئی بار خداداد حوصلہ مندی کی بدولت سنبھلی تھی۔ زمانۂ غدّار برسرِ عناد تھا مگر وہ اس کا مقابلہ کرنے کے لیے پھر اُٹھی۔ انطونی کی شکست سے ہفت اقلیم کی بادشاہی کا منصوبہ خوابِ پریشاں بن چکا تھا مگر بالکل پاش پاش نہ ہوا تھا۔ خیال یہ تھا کہ ان ناسازگار حالات میں انطونی خودکشی کرے گا۔ یہ تصوّر قلوپطرہ کے لیے حد درجہ دل شکن تھا مگر یہ یقینی تھا کہ اُس کی موت کے بعد بدقسمتی کا بار کچھ ہلکا ہو جائے گا۔ یوں بھی وہ اُس کی صحبت کے لائق نہ رہا تھا۔ ایک رسوائے عالم رند بادہ خوار جسے اُس کا ملک غدّار ٹھہرا چکا تھا اور جس کے سر کی قیمت لگ چکی تھی، اس عالی مرتبت خاتون کی ہمدمی کا اہل نہ تھا۔ اُس میں کوئی ایسی بات باقی نہ رہی تھی جو قلوپطرہ پسند کر سکتی مگر ان سب باتوں کے باوجود وہ بحیثیتِ شوہر اُس کے رحم کا مستحق تھا۔ آکٹیوین اُس کی جان کا گاہک بنا ہوا تھا لیکن قلوپطرہ سمجھتی تھی کہ وہ اپنے متوفّی ماموں کی رفیقۂ حیات کی حیثیت سے میری جاں بخشی کر دے گا۔ اس کے بعد ممکن ہے کہ گردشِ دوراں بہتر صورتیں پیش کرے۔ آکٹیوین مر جائے اور متوفّی سیزر کا وارث سیزاریون اپنا حق پا سکے۔ غرض ہمّت تھی کہ امیدوں کا تانا بانا بُننے میں سرگرم تھی۔

حقیقت یہ ہے کہ اب انطونی ملکہ کے لیے ایک ناقابلِ برداشت بار بن چکا تھا۔ اُس کی زندگی خود ملکہ کی زندگی بلکہ اُس کے تاج و تخت کے لیے خطرۂ عظیم تھی۔ کیا ہی اچھا ہوتا کہ وہ اس

نازک مرحلے پر کیٹو کی طرح بروٹس کی طرح، یا معزول شاہ بطلیموس (شاہِ قبرص) کی مانند خودکشی کر کے شجاعت کا ثبوت دیتا۔ اُن دنوں خودکشی بچوں کا کھیل تھی مکمل ناامیدی کے بعد خودکشی کر لینا ایک ایسا مسلمہ دستور تھا جس کی تعلیم ہر شخص کو ملتی تھی۔ وہ ہولناک تصور، جو ہم مہذب لوگ آج کل اِس فعل سے وابستہ کیے ہوئے ہیں، اُن دنوں نہ تھا۔ کشت وخون کے ہنگامے اتنے عام تھے کہ مرگِ ناگہاں ایک معمولی بات تھی۔ پیٹس کی بیوی اریا نے خودکشی کر کے جو روایت قائم کی تھی بڑی بہادرانہ تھی۔ اس کے شوہر پیٹس کو سزائے موت کا حکم سنایا گیا تھا۔ اس خاتون نے اپنے شوہر کو تیغِ جلاد کی توہین سے بچانے کے لیے ہمتِ مردانہ کا کارنامہ اِس بے نیازی سے انجام دیا کہ دنیا ششدر رہ گئی۔ شوہر کو ترغیب دینے کے لیے اُس نے اپنی چھاتی میں دستے تک تلوار اتار لی پھر اُسے نکال کر نہایت سہولت سے یہ کہتے ہوئے شوہر کی طرف بڑھا دیا کہ "کچھ ایسی تکلیف دہ نہیں"۔ اِن روایات کے پیشِ نظر اگر قلوپطرہ نے بھی انطونی کی خودکشی کی ترغیب کی ہو تو قابلِ ملامت نہیں۔

محض آکٹوین کی فراخ دلی پر تکیہ کرنے کے بجائے قلوپطرہ کا متحرک ذہن اور نڈر سوچنے میں بھی مصروف تھا۔ ایکٹیئم کی جنگ نے اُس کے منصوبوں پر پانی پھیر دیا تھا۔ روم میں تخت نشینی کی تمنا اور انطونی کے عطا کردہ ملکوں پر قبضہ رکھنا ایک مدت کے لیے وہم و گمان بن چکا تھا۔ اب اُس کی واحد آرزو یہ تھی کہ کسی طرح مصر کو روم کی غلامی سے محفوظ رکھ سکے اور اِس طرح اپنے بیٹے کے لیے موروثی سلطنت باقی رکھے۔ اِس آرزو کی تکمیل کے لیے وہ مرتے دم تک جدوجہد کرنے کا عزم کیے ہوئے تھی۔ اُس کا ذہن میڈیا، ایران، ہندوستان اور پارتھیا کی سلطنتوں سے ساز باز کر رہا تھا۔ اُس کا بیٹا الیگزنڈر ہیلیوس شاہِ میڈیا کا داماد اور میڈیا کے تخت و تاج کا وارث تھا۔ اگر وہ مشرقی ممالک کا اتحاد قائم کرنے میں کامیاب ہو جاتی تو سابقہ منصوبوں کی تکمیل کچھ ایسی دشوار بھی نہ تھی۔

میں سمجھتا ہوں کہ بحیرۂ روم عبور کرتے ہوئے ملکہ کا دماغ انھیں خیالات کی جولان گاہ بنا ہوا تھا مگر جب پیراٹونیم کی بندرگاہ پر دل شکستہ انطونی کو اتار کر وہ اسکندریہ کی جانب بڑھی تو اُس کا ذہن فوری معاملات کی تکمیل میں مشغول ہو گیا۔ یہ بات نہایت ضروری تھی کہ شکست کی خبر دارالسلطنت

میں پہنچنے سے پہلے وہ امورِ مملکت کو اچھی طرح سنبھال لے۔ اُس نے اپنے بیڑے کو کچھ پیچھے چھوڑا اور نشان کے جہاز کو پورے تجمّل سے آراستہ کر کے شاہی گھاٹ پر لنگر انداز ہوئی۔ یہ جہاز جب اواخرِ ستمبر ۳۱ ق م میں روشنی کے مینار کے نیچے سے گزرا تو شادیانے بج رہے تھے۔ ملاح رقص و سرود میں مشغول تھے اور بیرقیں اُڑ رہی تھیں۔ اُن رومی دستوں کے لیے جو شہر میں مقیم تھے وہ انطونی سے تحریری احکام لے آئی تھی اور قبل اِس کے کہ شکست کی اُڑتی خبریں اہلِ شہر تک پہنچتیں اُس نے بغاوت یا ہنگامہ کو دبا دینے کا پورا انتظام کر لیا۔ شہر کے بعض اکابر جو مفسدہ پردازی پر ادھار کھائے بیٹھے تھے، تہِ تیغ کر دیے گئے۔ آخر جب شکست کی صحیح خبریں دارالسلطنت میں پہنچیں تو ملک کا نظم و نسق مضبوطی سے ملکہ کی مٹھی میں تھا۔

نظم و نسق سے مطمئن ہو کر ملکہ نے مشرقی ممالک سے اپنے سابقہ رشتے استوار کرنے شروع کیے۔ پہلے بیان ہو چکا ہے کہ انطونی اور قلوپطرہ کے بڑے بیٹے الیگزنڈر ہیلیوس کی شادی شاہِ میڈیا کی دختر سے ہو چکی تھی۔ یہ شہزادی قصرِ اسکندریہ میں رہتی تھی۔ قصر کے ایک گوشے میں شاہِ ارطاوسدس یعنی آرمینیا کا معزول بادشاہ تین سال سے نظر بند تھا۔ توقع یہ تھی کہ آکٹیوین اُن تمام بادشاہوں کو جنھیں انطونی نے معزول کیا تھا بحال کر کے اپنا ہوا خواہ بنا لے گا۔ عین ممکن تھا کہ شاہِ ارطاوسدس بھی بحال کر دیا جائے اور اُس کا ملک جو انطونی نے مملکتِ میڈیا کے ساتھ ہضم کر لیا تھا، مزید علاقے سمیت، اُسے واپس کر دیا جائے۔ کچھ تو اِس اندیشے کے ماتحت، کچھ اِس وجہ سے کہ شاہِ ارطاوسدس نے شکست کی خبریں سن کر آکٹیوین سے خط و کتابت کرنے اور قصر سے بھاگ نکلنے کی کوششیں کی تھیں، ملکہ نے ضروری سمجھا کہ یہ خرخشہ مٹا دیا جائے۔ چنانچہ اُس کا سر کاٹ کر ایک قاصد کے ہاتھ شاہِ میڈیا کو بھیج دیا۔ ممکن ہے کہ الیگزنڈر ہیلیوس اور اُس کی کمسن منگیتر کو بھی حفظِ ماتقدم کے طور پر اسکندریہ سے میڈیا روانہ کر دیا ہو اور شاہِ میڈیا سے اتحاد و تعاون کے عہد نامے مرتب کیے گئے ہوں۔

اب ملکہ نے وہ عظیم کام انجام دیا جسے پلوٹارک "عزم و ہمت کا درخشاں کارنامہ" کہتا ہے۔

اُن دنوں بحیرۂ قلزم اور بحیرۂ روم کے درمیان، جہاں آج کل نہرِ سویز واقع ہے، پینتیس میل لمبی صحرائی پٹی تھی جو ان دونوں سمندروں کو ایک دوسرے سے جدا کرتی تھی۔ اِس پٹی کے شمالی سرے پر دریائے نیل کے ڈیلٹا کی ایک شاخ ہے۔ جنوب میں نمکین جھیلیں تھیں۔ چھٹی صدی قبلِ مسیح میں فراعنۂ اوّل

شہنشاہِ ایران نے ان قطعات کو نہریں کھدوا کر باہم ملا دیا تھا۔ اِس طرح بحیرۂ قلزم سے بحیرۂ روم تک ایک آبی شاہراہ قائم کر دی تھی جو ہماری موجودہ نہرِ سویز کا نقشِ اوّل سمجھی جا سکتی ہے۔ بمرورِ ایام سے یہ نہریں اَٹ گئیں مگر تین سو سال بعد شاہ بطلیموس فلاڈلفس نے انھیں دوبارہ جاری کیا۔ کچھ دنوں بعد ریگِ رواں کے طوفانوں نے اِن کا وجود مٹا دیا۔ اُن دنوں یہ صورت تھی کہ اگر کسی جہاز کو بحیرۂ روم سے بحیرۂ قلزم میں منتقل کرنا ہوتا تو اُسے جا بجا کئی میل تک خشکی پر گھسیٹنا پڑتا۔ ملکہ کو اندازہ تھا کہ اگر آکٹیوین کے قدمِ نحس اسکندریہ تک آ گئے تو وہ اُس کے بچے کھچے بحری بیڑے پر قبضہ کر لے گا۔ باقی جہازوں کو اِس موذی کے چنگل سے بچانے کے لیے اُس نے انھیں بے اندازہ محنت و زحمت سے بحیرۂ قلزم میں اُتار دیا۔ پلوٹارک کی رائے ہے کہ یہ اقدام ملکہ نے اِس لیے کیا تھا کہ وقتِ ضرورت اپنے خزانے اور فوج سمیت فرار کر سکے۔ اور ذلت کی موت یا قید سے بچ کر حیاتِ مستعار کے باقی دن امن و سکون سے کسی گوشے میں بسر کرے۔ مگر شاہِ میڈیا سے تازہ سلسلہ جنبانی کے پیشِ نظر میری رائے یہ ہے کہ ملکہ کا یہ اقدام حفاظت یا فرار کے لیے نہیں بلکہ اُن بعض تجاویز کو لباسِ عمل پہنانے کے لیے تھا جو وہ سالہا سال سے مشرق کی تسخیر یا اتحاد کے متعلق سوچ رہی تھی۔

میڈیا، ہندوستان اور ایران اُن دنوں روم کے تسلط سے آزاد تھے۔ اُن میں میڈیا سیاسی اور خونیں رشتوں کے ذریعے سے مصر کے ساتھ وابستہ تھا۔ ہندوستان تجارتی روابط کی بدولت مصر سے مربوط تھا۔ ایک ایران تھا جو میڈیا کا دشمن اور مصر کا بدخواہ تھا۔ اگر ملکہ اپنا بیڑا لے کر ساحلِ عرب کے گرد گھومتی خلیجِ فارس میں لنگر انداز ہو سکتی تو عین ممکن تھا کہ ہندوستان بھی دستِ تعاون بڑھا دیتا اور ایران طوعاً و کرہاً ایک مشرقی اتحاد میں شریک ہونے پر مائل ہو جاتا۔ شام اور آرمینیا کی فتح بھی ممکن ہو جاتی اور اِس طرح رومتہ الکبریٰ کے خلاف ایک متحدہ محاذ قائم ہو جاتا۔ علاوہ بریں بدترین صورتِ حال میں یہ ممالک اُسے پناہ دینے کے ضامن تھے۔ یہی وجہ تھی کہ قلوپطرہ نے الیگزنڈر ہیلیوس کو میڈیا بھیج دینے کے بعد اپنے لختِ جگر سیزارین کو ہندوستان روانہ کرنے کے متعلق غور کرنا شروع کیا تھا۔ پلوٹارک بوضاحت لکھتا ہے کہ وہ یہ ارادہ کر چکی تھی اور اِس بنا پر میری یہ رائے غلط نہیں معلوم ہوتی کہ ملکہ اپنا بیڑا بحرِ ہند میں بھیجنے اور دور دراز منصوبوں کی تکمیل سے

غافل نہ تھی۔

ان منصوبوں میں انطونی کا دخل نہ تھا۔ یہ بدنصیب اُن دِنوں سنسان بندرگاہ پیرا ٹونیم پر یاس و حرماں کے عالم میں وقت گزار رہا تھا۔ رنج و غم کے وفور میں اپنے اُن جرنیلوں اور افسروں کو کوستا تھا جو اُسے چھوڑ کر آکٹیوین سے جا ملے تھے حالانکہ اُن کی بیوفائی اُس بے تدبیری و حماقت کا فطری نتیجہ تھی جو اُس سے معرکہ ایکٹیم میں ظاہر ہوئی۔ غرض ملکہ اپنے منصوبوں کی تشکیل میں منہمک اور پیچیدہ امورِ مملکت کا بار اپنے شانوں پر اُٹھائے تھی کہ نومبر میں انطونی اسکندریہ میں داخل ہوا۔ یہ دیکھ کر حیران رہ گیا کہ حوصلہ شکن حالات کے باوجود ملکہ 'اندیشہ ہائے دور دراز' میں محو ہے۔ اُس نے اُسے فتح مشرق یا اتحادِ مشرق سے ہٹا کر اسکندریہ میں طاقت بڑھانے کی ترغیب دی اور بڑے اطمینان سے اپنی اُن فوجوں کی وفاداری کا یقین دلایا جو مختلف علاقوں میں پڑی ہوئی تھیں اور جن کے پھر جانے کا اُسے اب تک علم نہ تھا۔ غرض ہر طرح ملکہ کو اِن منصوبوں سے باز رکھ کر اُس کی سرگرمیوں پر اوس ڈال دی۔ ساتھ ساتھ یہ بھی جتا دیا کہ میں سیاسی زندگی سے کنارہ کش ہو کر ایتھنز یا کسی اور شہر میں خاموشی و عزلت کی زندگی بسر کرنے کا فیصلہ کر چکا ہوں، اب میں تمھارے لیے کسی جنگ یا جانبازی کے قابل نہیں رہا اور یہی بہتر ہے کہ تم اپنے مستقبل کے لیے تنہا جدوجہد کرو۔ ملکہ بھی یہی چاہتی تھی۔ فی الحقیقت وہ اُس کے لیے ناکارہ تھا اور ملکہ نے اپنی امیدیں نوجوان سیزارین کی ذات پر مرکوز کر دی تھیں جو بلوغت کی حد کو پہنچ چکا تھا اور جس کی امید افزا جوانی انطونی جیسے ہزار درماندوں سے بہتر تھی۔

مگر قلوپطرہ کے منصوبوں کو انھیں دنوں پھر دھکا لگا اور یہ محسوس ہوا گویا گردشِ تقدیر اُس کے پیچھے لگی چلی آرہی ہے۔ بندرگاہ پیٹرا کے نواح میں رہنے والے عربوں نے، جو اہلِ مصر سے برسرِ عناد تھے، بندرگاہ کی گودیوں پر حملہ کیا۔ تھوڑی بہت فوج، جو یہاں مقیم تھی، مار بھگائی۔ وہ تمام جہاز، جو بڑی مصیبتوں سے بحیرۂ روم سے بحیرۂ قلزم تک کھینچ کر لائے گئے اور نئے جہاز جو گودی میں زیرِ تعمیر تھے جلا کر خاک کر دیے۔ قلوپطرہ کے پاس اتنی فالتو فوج نہ تھی کہ بندرگاہ کی حفاظت کر سکتی اِس لیے یہ منصوبہ ترک کر دیا گیا۔

چند روز بعد کینیڈیس خود اسکندریہ میں داخل ہوا اور یہ خبر سنائی کہ مفتوحہ ممالک میں انطونی کی

جتنی فوجیں تھیں سب کی سب آکٹیویَن کی اطاعت قبول کر چکی ہیں۔ ننگ و نام کا تقاضا تو یہ تھا کہ انطونی یہ خبر سُن کر اُس عہد کے دستورِ عام کے مطابق خود کشی کر لیتا مگر یہاں اُس کا جذباتی اداکار ذہن بر سرِ کار آیا۔ اُس نے خود کشی کے بجائے یہ فیصلہ کیا کہ بس اُس مردم بیزار ٹائمَن کی طرح جو ایتھنز کا باشندہ تھا (اور جسے شیکسپیر کے فطرت نگار قلم نے لافانی کر دیا ہے) عزلت، گوشہ گیری اور آدم بیزاری کی زندگی بسر کروں گا۔ تجویز یہ تھی کہ ساحل بحر پر جہاں سمندر کی گرج کے سوا کوئی انسانی آواز نہ سُنائی دے، اپنے لیے ایک اقامت گاہ تعمیر کرے اور آدم کی ناپاک نسل سے قطع تعلّق کر کے پُر آلام زندگی کے باقی ایّام وہاں گزار دے۔ ربّ البحر کے مندر کے قریب جزیرہ انطی روڈس کے مغرب میں، بندرگاہِ اسکندریہ کی ایک راس تھی جو دُور تک سمندر میں چلی گئی تھی۔ اُس کا پُشتہ تین سو گز لمبا اور نہایت مضبوط تھا مگر اُن دِنوں بیکار پڑا تھا۔ انطونی نے سوچا کہ اِس کی مرمت کرا کے اس کے سِرے پر ایک عمارت تعمیر کرائے اور وہاں تنہائی کی زندگی بسر کرے۔

قلوپطرہ ذاتی اُلجھنوں میں اتنی گرفتار تھی کہ اُسے شوہر کی تجاویز پر غور کرنے کی فرصت ہی نہ تھی۔ اپنے طفلانہ مزاج، آشفتہ خو رفیقِ زندگی کو خوش کرنے کے لیے پُشتے پر ایک خوشنما عمارت تعمیر کرا دی۔ ٹائمَن کی نسبت سے عمارت کا نام ٹائمونیم رکھا گیا۔ غالباً اِن دنوں قلوپطرہ اور انطونی میں کامل بیگانگی اور مغایرت تھی۔ مؤخر الذکر بھی ملکہ کی نفرت آمیز نگاہ اور ملامت کناں زباں سے محفوظ، الگ رہنے میں خوش تھا۔ اِس عزلت کدے میں بیٹھا دُور سے قصرِ شاہی کا نظارہ کیا کرتا۔ رات کی تاریکی پھیل جاتی تو مینار کا نور، تاروں بھرے آسمان کا عکس اور بندرگاہ کی روشنیاں سمندر کے پانی میں منعکس ہو کر اُس کے خوابناک تصوّر انگیز ذہن کو مسرور کیا کرتیں۔ دِن کے طولانی گھنٹوں میں وہ بندرگاہ میں داخل ہونے اور باہر جانے والے جہازوں کو دیکھا کرتا۔ پیچھے سے لہروں کے دوش پر شہر کے ہنگاموں کی آوازیں کان میں آیا کرتیں جنھیں سُن کر وہ ٹائمَن کی طرح ساکنانِ شہر کو بددعائیں دیا کرتا۔

یہ بیان کرنے کی حاجت نہیں کہ ٹائمَن جس کی تقلید انطونی کر رہا تھا، شہر ایتھنز کا باشندہ تھا۔ جنگِ پیلوپونیشین کے عہد کا یہ دلچسپ شخص، جسے ارسٹوفینز اور افلاطون نے اپنے طربیہ ڈراموں میں لافانی کر دیا ہے، دوستوں کی غدّاری اور دوجہانِ سِفلہ کی مکّاری سے تنگ آ کر انسان کی صورت

سے بیزار ہو گیا تھا۔ دنیا کی محفلوں سے اُکتا کر اپنے عزلت کدے میں رہتا تھا جہاں انسان نام کے دو آدمی اُس کے رفیق تھے۔ ایک تو ایلسی بائیڈیز جس سے وہ اِس لیے خوش تھا کہ وہ ایتھنز کی اینٹ سے اینٹ بجانے پر تُلا ہُوا تھا۔ دوسرا اپے منطس کہ یہ بھی ٹائمن کی طرح بنی آدم سے بیزار تھا۔ ان لوگوں کی نفرت و وحشت کی یہ کیفیت تھی کہ ایک مرتبہ کسی تقریب پر جس میں ٹائمن کے ساتھ صرف اپے منطس شریکِ بادہ و جام تھا، مؤخر الذکر نے عالمِ سرور میں کہا "واہ آج کی صحبت کتنی دل فریب ہے، ٹائمن تھے" جو انسان کی صورت سے بیزار تھا، فوراً جواب دیا "اگر تم نہ ہوتے تو واقعی دل فریب ہوتی۔" یہی آشفتہ مزاج ٹائمن ایک مرتبہ ایوانِ شہر میں جا گھسا اور صدرِ ایوان کی کرسی پر چڑھ کر حاضرین سے یوں مخاطب ہوا:

"ایتھنز کے باشندو میری زمین میں انجیر کا ایک درخت ہے جس کی شاخوں سے لٹک لٹک کر بہت سے شہریوں نے خودکشی کی ہے۔ مجھے اس زمین پر ایک عمارت تعمیر کرنا ہے اس لیے بالاعلان اجازت دیتا ہوں کہ تم میں سے جس جس کی خواہش ہو اس مبارک درخت سے لٹک لٹک کر جان دے دے، قبل اس کے کہ میں اُسے کاٹ ڈالوں۔"

مرنے سے پہلے ٹائمن نے اپنی لوحِ مزار کے لیے دو شعر کہے تھے۔ ایک کا مفہوم یہ ہے

عدوئے بشر ٹائمن کی ہے تربت　　مسافر مری بد دعائیں نہ لے تو
خدارا چلا جا! مجھے گالیاں دے　　مگر یہاں ٹھہر کر اذیت نہ دے تو

دوسرا شعر بھی، جو لوحِ مزار پر کندہ ہوا، وحشت، تنفر اور توحش کا آئینہ دار ہے۔

غرض یہ تھی وہ عجیب و غریب شخصیت جس کی انطونی تقلید کر رہا تھا مناسب ہے کہ اس خواب آلود، تصوراتی شخص کو اُس کی غم ناک عزلت میں چھوڑ کر قلوپطرہ کے حالات کا جائزہ لیا جائے جو مردانہ وار جدوجہد میں مشغول تھی۔ اہم ترین امورِ مملکت درپیش تھے۔ وہ ہمسایہ ممالک میں سفارتیں بھیج بھیج کر سابقہ تعلقات استوار کرنے کی کوشش کر رہی تھی۔ دارالسلطنت اور ملکِ مصر کا نظم و نسق انتہائی توجہ اور استقلال کا طالب تھا ورنہ اُس نازک وقت میں شورشیں برپا ہو جانے کا امکان تھا۔ اِس کے ساتھ مختلف منصوبوں کی تکمیل کے لیے رعایا پر بھاری ٹیکس بھی لگانے تھے حکومت کا

کام چلانا پوری مصیبت تھی۔ سب سے بڑا اندیشہ آکٹیوین کے حملے کا تھا جو کابوس بن کر ملکہ کے دماغ پر چھایا ہوا تھا مگر مالی مشکلات کے باعث آکٹیوین کو سرِدست فوج کشی کرنے کا ہوش نہ تھا۔ وہ انتھیز سے گزر کر ایشیائے کوچک میں داخل ہو چکا تھا اور اسی فکر میں تھا کہ روپیہ فراہم کر کے شام کے رستے مصر پر حملہ آور ہو۔

دسمبر ۳۱ق م میں یہودی بادشاہ ہیروڈ اپنے سرپرست دوست انطونی سے مبادلۂ خیالات کرنے کے لیے اسکندریہ آیا۔ قارئین کو یاد ہو گا کہ یہ تاجدار قلوپطرہ کا دشمن تھا۔ چنانچہ ملکہ کے سفرِ مصر میں اُسے قتل کرنے کا منصوبہ باندھ چکا تھا۔ اُس نے انطونی سے ٹائیمونیم میں ملاقات کی اور پوری سرگرمی سے ملکہ کے قتل کی ترغیب دی۔ جوزیفس کا بیان ہے کہ اُس نے انطونی کو سمجھایا کہ اگر تم قلوپطرہ کو قتل کر دو تو آکٹیوین تمھاری جاں بخشی کر دے گا۔ انطونی اپنی جان بچانے کا خواہش مند تھا مگر اس ذلیل حرکت کے لیے آمادہ نہ ہوا اور یہ تجویز رد کر دی۔ ہیروڈ کو اندیشہ تھا کہ فسوں ساز ملکہ آکٹیوین کو دامِ الفت میں پھنسا کر مصر و شام کی حکومت برقرار رکھ سکے گی اور اس طرح میرے لیے ایک خطرناک ہمسایہ بنی رہے گی۔ جب دیکھا کہ میری تدبیر نہیں چلتی تو اسکندریہ سے یروشلم پہنچا چاہتا تھا کہ جہاز میں سوار ہو کر روڈس پہنچے اور آکٹیوین کا حلقہ بگوش بن جائے۔ جب انطونی کو اس کے عزائم معلوم ہوئے تو الیگزز نامی ایک مصاحب کو اُس کے پیچھے بھیجا تاکہ اُسے اس ارادے سے باز رکھے۔ الیگزز، انطونی اور قلوپطرہ دونوں کا معتمد تھا۔ اکثر معاملات، جن کے فیصلے میں انطونی کو پس و پیش ہوتا، قلوپطرہ الیگزز کے ذریعے سے ترغیب دلا کر انطونی سے حسبِ مرضی طے کرا لیتی تھی۔ چنانچہ آکٹیویا جیسی شوہر پرست عورت کو طلاق دلوانے میں بھی الیگزز کا ہاتھ تھا۔ یہ غدار انطونی اور قلوپطرہ دونوں کے احسانات فراموش کر کے آکٹیوین کے پاس چلا گیا۔ اس غداری کا انعام یہ ملا کہ کینہ پرور آکٹیوین نے، جسے اپنی بہن کی طلاق کا واقعہ یاد تھا، ہاتھوں ہاتھ اس کی گردن اڑا دی۔ ہیروڈ نے آکٹیوین سے بیباکانہ کہہ دیا کہ میں اب تک انطونی کا رفیق تھا مگر اب تمھارا ہوا خواہ بننا چاہتا ہوں۔ آکٹیوین نے اُس کی درخواست منظور کر لی۔ اُس کی حکومت بحال رہی، باقی تمام فرماں روا، جو انطونی کے مددگار تھے، معزول کر دیے گئے۔

فروری ۳۰ق م کے قریب آکٹیوین روم آیا۔ برخاست شدہ فوجیں تنخواہ نہ ملنے کے

باعث شورش پر آمادہ تھیں۔ اُن کا فساد فرو کرنا ضروری تھا۔ یہاں ایک مہینا قیام کر کے اوائل مارچ میں پھر ایشیائے کوچک روانہ ہوا۔ ڈوین کا بیان ہے کہ اُس کے سفرِ روم اور روم سے ایشیائے کوچک روانہ ہونے کی خبریں آخر اپریل میں بیک وقت اسکندریہ پہنچیں۔ میرا خیال ہے کہ اکٹیوین کے سفرِ روم کی خبر ملکہ کے جاسوسوں سے مخفی نہ رہی ہو گی اور اُسے اس خطرناک دشمن کے روم چلے جانے کا علم فوراً ہو گیا ہو گا۔

اس خبر سے ملکہ کا حوصلہ بڑھ گیا اور اُس نے اس مہلت سے حسبِ دلخواہ فائدہ اٹھانے کا بندوبست کیا۔ اگر میرا اندازہ صحیح ہے تو شہزادہ سیزارین اوائل جولائی ۴۷ ق م میں پیدا ہوا تھا مگر تھوڑے ہی عرصے بعد (جیسا کہ بیان ہو چکا ہے) رومی تقویم کی اصلاح کی گئی اور مرورِ ایام سے تقویم میں جو فرق آ پڑا تھا، رفع کر دیا گیا۔ اس طرح سیزارین کی سالگرہ وسطِ اپریل میں آ پڑی جسے انتہائی تزک و احتشام سے منایا گیا۔ اکثر مؤرخوں کا خیال ہے کہ قلوپطرہ نے سیاسی مصلحتوں کے پیشِ نظر سالگرہ منائی۔ اڑھائی مہینے پہلے ہی منائی مگر واقعہ یہ ہے کہ اصلاح شدہ تقویم کے رو سے یہ تقریب وسطِ اپریل ہی میں پڑ رہی تھی۔ بہرحال اس تقریب پر شاہانہ جاہ و جلال کا پورا مظاہرہ ہوا اور سیزارین کی سترھویں سالگرہ کے ساتھ اُس کی بلوغت کا اعلان کر دیا گیا۔ مجھے اندازہ نہیں کہ مصر کے شاہی خاندان میں شہزادوں کی بلوغت کی عمر کیا مقرر تھی مگر یہ مسلّم ہے کہ بلوغت کی آخری حد یہی سترھواں سال ہوتا تھا۔ قلوپطرہ کو اپنے بیٹے کی بلوغت کا یہ شدّ و مدّ اعلان اس لیے بھی منظور تھا کہ بقولِ ڈوین "وہ اہلِ اسکندریہ کو بتا دینا چاہتی تھی کہ اب تم ایک شہزادے کے زیرِ حکومت ہو۔" بات بھی ٹھیک تھی۔ عوام اگر اُسے شکست خوردہ، بدنصیب عورت سمجھتے ہیں تو سمجھیں، مگر آج سے وہ ایک عورت کے نہیں ایک نوجوان مرد کے زیرِ فرمان تھے۔ جو مقدّس جولیس سیزر کا فرزند اور امورِ مملکت کا بار اُٹھانے کے قابل تھا اور تختِ حکومت پر بیٹھ کر اپنی مملکت کی خود حفاظت کر سکتا تھا۔ وہ اب تک اُس کے مفادات کی محافظ تھی۔ مگر اب اتنا ہی کافی تھا کہ وہ پسِ پردہ سلسلہ جنبانی کرتی رہے اور اُس کا بیٹا منظرِ عام پر آ کر امورِ حکومت انجام دے۔ جن کی تکمیل کے لیے وہ اب تک خود سرگرمِ عمل تھی۔

جب انطونی کو سیزارین کے اعلانِ بلوغت کی خبر پہنچی تو سخت مضطرب ہوا۔ دراصل سیزارین کے حقوق کی حمایت بڑی حد تک انطونی کی بربادی کا سبب بن گئی تھی۔ سوچنے لگا کہ اس اعلان

سے آکٹیویَن کے غیظ و غضب کی آگ بھڑک اُٹھے گی۔ یہی سیزاریَن ہے جو متوفّی جولیس سیزر کا فرزند اور جانشین ہونے کے سبب آکٹیویَن کی آنکھ میں کانٹے کی طرح کھٹکتا ہے۔ اس کی بلوغت کی تقریب اِس طمطراق اور شان و شوکت سے منانا دانش مندی نہیں بلکہ صریحی شوخ چشمی ہے۔ بغرض وہ عزلت کدے سے نکلا اور ملکہ سے مبادلۂ خیالات کیا۔ اندازہ ہوا کہ ملکہ حکومت کی ذمّہ داریاں بڑی حد تک سیزاریَن کو سونپ دینا چاہتی ہے تاکہ جہانبانی کا بارِ عظیم جو ڈھلتی عمر کے شانوں کو شل کر چکا ہے، نوجوانی کے مضبوط کاندھوں پر آ جائے۔ انطونی نے اِس رائے سے اتفاق کیا بلکہ کامل تقلید کے طور پر یہ بھی کہا کہ فلویا کے بطن سے میرا بیٹا انٹیلس بھی اِسی عمر کا ہے، اُس کے بالغ ہونے کا اعلان بھی سیزاریَن کے ساتھ ہی کر دیا جائے۔ یہی ہوا۔ انٹیلس اُسی روز سے رومی مردوں کا لباس پہننے لگا۔ قلوپطرہ نے انطونی کو سمجھایا کہ آدم بیزاری کی یہ مصنوعی نمائش کب تک جاری رکھو گے۔ یا تو مصر چھوڑ کر کہیں اور چلے جاؤ ورنہ مردوں کی طرح ہمّت و حوصلہ کا ثبوت دو۔ انطونی، جو تنہائی و عزلت سے تنگ آ چکا تھا، رضامند ہو گیا اور قصرِ شاہی میں آ کر ملکہ کے ساتھ رہنے لگا۔ دونوں نے سابقہ تعلقات بحال کرنے کی کوشش کی مگر افتراق کی خلیج کس طرح پاٹی جا سکتی تھی؟ وہ اکثر اپنی سابقہ غلطیوں پر غور کیا کرتا اور ملکہ کی طرف سے بدظن رہتا۔ ملکہ بھی اُسے ایک شکستہ و درماندہ ہستی سمجھتی جو بہرحال اُس کے رحم و کرم کی مستحق تھی۔

جیسا کہ بیان ہوا، جشنِ سالگرہ انتہائی شان و شکوہ سے منایا گیا۔ کئی روز تک شہر میں ضیافتوں اور ناچ رنگ کا ہنگامہ گرم رہا۔ بے رحم غنیم کی یورش کا خیال دلوں سے ایسا نکال گیا کبھی آیا نہ تھا۔ اُن دنوں اگر کوئی سیاح اسکندریہ میں آتا تو ہرگز یہ یقین نہ کر سکتا کہ اِس شہر کی ملکہ نے حال ہی میں اُس خوفناک دشمن سے شکست کھائی ہے جو عنقریب اُس کے دارالسلطنت پر حملہ کرنے والا ہے۔ بایں ہمہ قلوپطرہ کے دل میں امّید کی کرن باقی تھی۔ مصائب و آلام کے بادل گرج رہے تھے مگر اُس کے ابروپر بل نہ آتا تھا۔ شاہانہ تمکنت اِس طرح برقرار تھی کہ مؤرخ بے ساختہ داد دینے پر مجبور ہے۔

اس کے برعکس انطونی برابر پستی کی طرف جا رہا تھا۔ تقریب کی ضیافتوں اور نائے و نوش کے ہنگاموں میں اُس نے فیصلہ کیا کہ زندگی کا خاتمہ ہو تو جامِ شراب کی گردش میں ہو۔ چند سال

پہلے ناقابلِ تقلید خوش باشوں کی جو انجمن بنائی گئی تھی اُس کے ارکان کو بلایا اور اُن سے ایک محضر پر دستخط کرائے جس کا مضمون تھا کہ ہم لوگ ایک ساتھ جان دیں گے۔ خوب کھاؤ پیو کیونکہ کل مرنا ہے یہ اُس کا مقولہ تھا۔ پہلے جس تیزی سے ٹائیمونیم کی عزلت اختیار کی تھی اُسی مستعدی سے دوبارہ رامش ورنگ پر اُتر آیا۔ اب وہ صورت تو باقی نہ رہی تھی کہ اقوامِ عالم کے سامنے بکس (اندر دیوتا) کا اوتار ہونے کا دعویٰ کرے البتہ اُس بلانوش رند کی طرح، جو موت کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر مسکراتا ہو، قصرِ شاہی کے ایوان میں طفلانہ بے باکی و بے پروائی سے گردش کرتا پھرتا۔ مگر موت سے ہم آغوشی کی تمنا کا یہ اظہار محض نمائشی تھا۔ اُسے مرنے کی آرزو نہ تھی۔ خواہش یہ تھی کہ لیپی ڈس کی طرح، جو سیاسی زندگی سے کنارہ کش ہو کر گوشہ گیر ہو چکا تھا، سکون کی زندگی بسر کرے۔ اُس کی موجودہ حالت اُس قیدی کی سی تھی جو ضمانت پر رہا کر دیا گیا ہو اور خانگی مسرّتوں کا لطف اٹھا رہا ہو چنانچہ اس عظیم بچے نے اس مہلت میں جی بھر کر دادِ عیش دی۔

قلوپطرہ راگ رنگ کے بجائے تقدیر سے لڑنے اور مصیبت کا سامنا کرنے کی تیاری کر رہی تھی طوفانِ حوادث سے بچ نکلنے کی امید کے باوجود وہ موت کا مقابلہ کرنے کے لیے بھی تیار تھی۔ تھوڑے ہی عرصے بعد اسکندریہ میں خبر آگئی کہ اکٹیوین ایشیائے کوچک واپس آگیا ہے بلکہ سمجھ گئی ہوگی کہ اس مصیبت کا ٹلنا ممکن نہیں۔ اس نے ہر قسم کے زہر اکٹھے کیے اور قید خانوں میں جا جا کر ان قیدیوں پر زہروں کے تجربے کیے جنھیں سزائے موت سنائی جا چکی تھی۔ انھیں مختلف زہر دے کر بچشمِ خود ان کی جانکنی کا مشاہدہ کیا۔ جن زہروں سے کرب یا تشنج واقع ہوتا تھا، رد کرتی گئی اور صرف اُن سموم کا تجربہ جاری رکھا جو تکلیف دیے بغیر قیدِ حیات سے آزاد کرنے کی صلاحیت رکھتے تھے۔ اسی ضمن میں جانوروں اور انسانوں کو زہریلے سانپوں سے ڈسوا کر اُن کے زہر کی تیزی کا اندازہ کیا اور بقولِ پلوٹارک اس نتیجے پر پہنچی کہ سب سے زیادہ پُرسکون موت وہ ہے جو پھن دار بدیم (چھوٹا افعی) کے ڈسنے سے واقع ہوتی ہے۔ ڈسے ہوئے شخص پر گہری غنودگی چھا جاتی ماتھے پر ہلکا ہلکا پسینا آتا۔ کسی قسم کی تکلیف مطلق محسوس نہ ہوتی۔ البتہ اگر اس افعی گزیدہ کو کوئی شخص جگانے کی کوشش کرتا تو وہ گہری نیند سے جگائے ہوئے شخص کی طرح جھنجلا اُٹھتا۔ ملکہ نے فیصلہ کر لیا کہ بدترین صورتِ حال میں اپنی پُرالم زندگی کا خاتمہ اسی طریقے سے کرے گی۔ اس کے

بعد کامل اطمینان سے از سرِ نو اپنے پریشان کن معاملات کی طرف متوجہ ہو گئی۔

مئی میں آکٹیوین شام میں داخل ہوا۔ سب فوجوں نے ہتھیار ڈال کر اطاعت اختیار کر لی۔ یہاں سے اُس نے کارنیلیس گیلس نامی سردار کو شمالی افریقہ روانہ کیا تاکہ اُن دستوں کی کمان سنبھالے جو اُس کی اطاعت اختیار کر چکے تھے۔ اِس فوج نے پیراٹونیم پر قبضہ کر لیا جہاں انطونی نے شکست کے بعد کئی ہفتے قیام کیا تھا۔ اہلِ اسکندریہ تک یہ خبر نہ پہنچی حالانکہ فتحِ شام کی خبریں انھیں پہنچ چکی تھیں، جس سے ہر شخص مضطرب تھا۔ اب قلوپطرہ نے ایک دلیرانہ اور باوقار اقدام کیا۔ آخر مئی میں سیزارین کو اُس کے اتالیق رھوڈون سمیت کاپٹوس کی طرف روانہ کر دیا تاکہ وہاں سے صحرا عبور کر کے بندرگاہ برنیس میں جا اترے جہاں ملکہ کے متعدد جہاز اُس کے منتظر تھے۔ شہزادہ بڑے جاہ و حشم سے خاصا خزانہ لے کر روانہ ہوا۔ توقع تھی کہ اواخر جون تک برنیس پہنچ جائے گا۔ غالباً ملکہ کا منصوبہ یہ تھا کہ جب وسطِ جولائی میں سوداگروں کا بیڑا سمندر پار کی طویل مسافت پر روانہ ہو تو سیزارین اُن کے ساتھ ہندوستان پہنچ کر وہاں کے بادشاہوں سے دوستانہ پیدا کرے یا اگر ممکن ہو تو مشرقی ممالک کا اتحاد قائم کرنے کی سعی کرے جس کا خواب قلوپطرہ مدت سے دیکھ رہی تھی۔

قلوپطرہ بذاتِ خود اسکندریہ ہی میں مقیم رہی۔ مقصد یہ تھا کہ آکٹیوین سے گفت و شنید کر کے تخت و تاج بچانے کی کوشش کرے۔ اور اگر نامہ و پیغام سے یہ مطلب حاصل نہ ہو سکے تو میدانِ جنگ میں جان کی بازی لگا دے۔ مامتا کے جذبے سے مجبور ہو کر اپنے لختِ جگر کو تو اس مخمصے سے نکال دیا مگر غالباً خود اس کے ساتھ بچ کر نکل جانے کا خیال تک نہ کیا حالانکہ اُسے اس طرح کہیں نہ کہیں تھوڑے بہت دنوں کے لیے پناہ مل جاتی۔ کہتے ہیں کہ مرتے وقت وہ اِس فروگذاشت پر متاسف بھی ہوئی۔ لختِ جگر سے یہ جدائی اُس کی ناشاد زندگی کا مغموم ترین سانحہ تھی۔ سترہ سال تک وہ اِسی بیٹے کے حقوق کی خاطر سینہ سپر رہی مگر آج تقدیر اُسے اُس سے جدا کر رہی تھی اور جدائی بھی کیسی؟ اُس کا لختِ جگر طوفان خیز سمندروں کے پرے ایک اجنبی ملک میں پناہ لینے پر مجبور تھا تاکہ اپنے ظفر مند حریف آکٹیوین کے چنگل سے بچ سکے جب وہ خود تخت و تاج کی بقا کے لیے اِس سفاک غنیم سے لڑنے کے لیے تنہا رہی جا رہی تھی۔ تباہی و بربادی کے اِس دور میں ملکہ کو اکثر جولیس سیزر کا خیال آتا۔ وہ اُس کی تصویر کو ٹکٹکی باندھ کر دیکھا کرتی اور بار بار وہ خط

پڑھا کرتی جو سیزر نے اُسے کبھی لکھے تھے۔ اپنے بیٹے کو مشرق کی طرف روانہ کرتے وقت اُس نے متوفی سیزر کی روح سے استمداد کی ہوگی جو مشرقی ممالک میں حد درجہ دلچسپی لیتا تھا اور جسے اب روم الکبریٰ کے طول و عرض میں مقدس جولیس کے نام سے موسوم کیا جاتا تھا۔ یقیناً اُس نے مقدس جولیس کی روح سے التجا کی ہوگی کہ اس آڑے وقت میں اپنے لختِ جگر کی امداد کرے جو روئے زمین پر اُس کا صلبی بیٹا اور واحد وارث تھا۔

اُنتّیس

آکٹیویَن کا مصر پر حملہ اور انطونی کی موت

مؤرّخ کا قلم یہ لکھتے ہوئے رُکتا ہے کہ وہی انطونی اور قلوپطرہ جو کبھی ایک دوسرے کے والہ و شیدا تھے اِن دنوں باہمدگر متنفّر ہو کر الگ الگ رہنے لگے تھے مگر واقعہ یہی ہے۔ وہ ایک دوسرے سے گریزاں ہی نہیں بلکہ بدظن بھی ہو چکے تھے۔ ٹائمونیم کی عزلت نشینی نے انطونی کو ملکہ کی سرگرمیوں سے قطعاً بے تعلق رکھا تھا۔ بالعموم مشہور ہے کہ وہ آخری لڑائی میں سفّاک موت کا مقابلہ کرنے کے لیے دوش بدوش میدان میں آئے تھے۔ مگر ان کی کتابِ حیات کی یہ آخری داستان جتنی رومان انگیز ہے اُتنی ہی بے بنیاد بھی ہے۔ تاریخ کے پردے اُٹھا کر دیکھیے تو ملکہ آخری وقت تک تن تنہا بے رحم تقدیر سے جنگ کرتی نظر آتی ہے۔ انطونی اتنا ناکارہ ہو چکا تھا کہ امورِ حکومت کا بار اور غنیم کی مدافعت کی تنظیم ملکہ نے بذاتِ خود کی۔ روح فرسا اندیشے اُسے دن رات کھائے جا رہے تھے اور قضائے مبرم کا خیال ایک بھیانک خواب کی طرح دماغ پر محیط تھا۔ اِن تمام مصائب کے باوجود نازک اندام ملکہ نے ہمّتِ مردانہ کا ثبوت دیا۔ بھاگنے کا خیال تک نہ کیا اور ایک لمحے کے لیے ذاتی اور خاندانی وقار کے تحفّظ سے غافل نہ ہوئی کہ اِسی میں اُس کے ملک کی بقا بھی پوشیدہ تھی۔ ادائے فرائض میں آخری دم تک استقلال، متانت، اور جرأت و ہمّت کا وہ مظاہرہ کیا کہ بے ساختہ دلوں سے آفریں نکلتی ہے!

جون ۳۰ ق، م میں، جب آکٹیویَن شام میں بیٹھا مصر پر حملے کی تیاریاں کر رہا تھا، قلوپطرہ اور انطونی دونوں نے اُس سے نامہ و پیام شروع کیا۔ انھوں نے اپنے بچوں کے اتالیق یوفرونیس کو گفت و شنید کے لیے روانہ کیا۔ ملکہ نے یہ شرط پیش کی کہ میں اپنے بیٹے سیزاریَن کے حق میں حکومت سے دست بردار ہونے کو تیار ہوں، بشرطیکہ اُس کے بعد سیزاریَن سے کوئی تعرض نہ کیا جائے۔ انطونی

نے محض جاں بخشی کی التماس کی یعنی اُسے ایک عام شہری کی حیثیت سے اسکندریہ یا ایتھنز میں زندگی گزارنے کی اجازت دی جائے۔ اِس سفیر کے ساتھ ملکہ نے اپنا تاج، شاہی عصا اور شاہی رتھ بھی آکٹیوین کی خدمت میں بھیج دیے۔ امّید یہ تھی کہ وہ ان سب چیزوں کو دوبارہ اُسی کو بخش دے گا یا کم از کم سیزارین کو عطا کر دے گا۔ یہ سفارت ایک حد تک ناکام رہی۔ آکٹیوین نے انطونی کے متعلّق ہر تجویز سننے سے انکار کر دیا مگر اپنے آزاد غلام تھرسس کے ہاتھ ملکہ کو خفیہ پیغام بھیجا کہ اگر تم انطونی کو مروا دو تو مصر کی حکومت بدستور تمھارے قبضے میں رہے گی۔ دراصل آکٹیوین کا یہ وعدہ محض دغا بازی پر منحصر تھا۔ وہ ملکہ کے ساتھ کسی رعایت کا روادار نہ تھا بلکہ تجویزیں تیار ہو چکی تھیں۔ منصوبے یہ تھے کہ انطونی کو قتل کرایا جائے یا خودکشی پر مجبور کر دیا جائے کیونکہ باقاعدہ مقدمہ چلا کر سزا دینا خلافِ مصلحت ہے۔ سیزارین کو بھی ختم کر دیا جائے۔ ملکہ کو گرفتار کر کے جشنِ فتح میں تشہیر کرے اور اُس کے ملک پر قبضہ کر کے مالِ غنیمت سے فوج کی تنخواہ ادا کرے۔ بعد میں ملکہ کے ساتھ جو گفت و شنید ہوتی رہی اُس سے صاف اندازہ ہوتا ہے کہ وہ اُسے گرفتار کرنے اور انطونی کو تیغِ بے دریغ کا شکار بنانے پر تُلا ہوا تھا۔

آزاد غلام تھرسس بہت ذہین اور زیرک شخص تھا۔ معاملات کے ایک ایک پہلو پر تفصیلی گفتگو کی۔ ملکہ ہر طرح تخت و تاج بچانا چاہتی تھی، آکٹیوین اُسے طفل تسلیاں دے دے کر بہلا رہا تھا۔ مگر وہ بھی کچی گولیاں نہ کھیلی تھی۔ دغا باز آکٹیوین کو دھوکا دینے کے لیے یہی ظاہر کرتی رہی کہ مجھے تمھاری فیّاضی و فراخ دلی پر کامل اعتماد ہے۔ تھرسس کے ساتھ حسنِ سلوک سے پیش آئی۔ خاصی خاصی دیر تک اُسے باریابی کا شرف بخشا۔ اِن مذاکرات میں انطونی کو شامل نہ کیا گیا جس سے اُس کا غصّہ اور شبہات بڑھتے چلے گئے۔ قیاس کہتا ہے کہ ملکہ انطونی کے قتل پر رضامند نہ ہوئی، اگرچہ موجودہ صورتِ حال میں سے اُس کی خودکشی پر کوئی اعتراض نہ تھا۔ ڈیون کیشیئس کا بیان ہے کہ آکٹیوین نے تھرسس کی زبانی ملکہ کو پیغامِ الفت بھی بھیجا تھا مگر یہ غلط ہے۔ ہاں یہ ہو سکتا ہے کہ اِس سخن ساز ایلچی نے اپنے آقا کی طرف سے اُس جذبۂ تحسین و احترام کا اظہار کیا ہو جو ملکہ کی ہمّت و دانش نے اُس کے دل میں پیدا کر دیا تھا۔

غالباً اِن خفیہ مذاکرات کی بھنک انطونی کے کان پڑ چکی تھی۔ یا ممکن ہے کہ اپنی رفیقۂ حیات

سے ایک غلام سفیر کی بے تکلفانہ ملاقاتوں نے اُس کا جذبۂ غیرت بھڑکا دیا ہو۔ کچھ بھی ہو۔ وہ اِس واقعے سے طیش میں ڈوب گیا۔ اپنے آدمیوں سے تھرسّس کو پکڑوا لیا اور جی بھر کر پٹوایا۔ لعبد ازآں اُسے انطونیوس کی طرف واپس بھیج دیا اور ایک خط میں اِس طرح اپنے برتاؤ کی وضاحت کی "اِس بدتمیز کے متجسّس اور بے باک طور طریقوں نے میرے تن بدن میں آگ لگا دی۔ موجودہ صورتِ حال میں مجھ سے صبر و تحمّل کی امید رکھنا عبث ہے۔ پھر بھی اگر تمھیں میری اِس حرکت سے ملال ہو تو میرا آزاد غلام ہیپارکس تمھاری خدمت میں موجود ہے۔ اُس کے ہاتھ پاؤں باندھ کر جتنا جی چاہے پٹیو اور دل کی بھڑاس نکال لو۔" ہیپارکس اُس کا آزاد کردہ غلام تھا جو انطونیوس سے جا ملا تھا۔ تھرسّس کی بے دریغ پٹائی اور اُس کی تلافی کے طور پر ہیپارکس کو پٹوانے کی تجویز جس میں تمسخر کے ساتھ قہر و غضب کا عنصر بھی شامل تھا، قلوپطرہ کو بہت پسند آئی۔ غنودہ مزاج شوہر کو جسارت و فرمانی کا اہل دیکھ کر خوش ہوئی اور اُس کا احترام کرنے لگی۔ پلوٹارک کا بیان ہے کہ انطونی کے بے بنیاد شبہات کا ازالہ کرنے کے لیے وہ اُسے ہر طرح خوش رکھنے اور یہ یقین دلانے کا اہتمام کرنے لگی کہ بہ کسی حال میں تم سے بیوفائی نہ کروں گی۔ اِس احترام نے انطونی کو بھی پست ہمتی و افسردگی کے بجائے جانبازی پر آمادہ کر لیا۔ انھیں دنوں انطونی کی سالگرہ کا موقع بھی آ گیا جسے قلوپطرہ نے بڑی دھوم دھام سے منایا اور اپنے متوسّلین کو بڑے بڑے تحفے دیے حالانکہ گزشتہ جاڑے میں خود اپنی سالگرہ کی تقریب بڑی سادگی سے منائی تھی۔ غالباً وہ جتا دینا چاہتی تھی کہ اگر انطونی اِس آخری معرکے میں میری طرح ہمت و جانبازی کا ثبوت دے تو وہ اُس کی رفیق و ہمدم بننے میں فخر محسوس کرے گی لیکن اگر جرأت و ہمت کے بجائے بزدلی دکھائے تو وہ اُس سے الگ رہنا بہتر سمجھے گی۔ بہر حال تھرسّس کی زدوکوب جاہے کچھ رنگ لائی مگر اِس سے دونوں کے دل مل گئے۔

انطونی کی جانبازی و جرأت میں بھی لہر سی اُٹھی۔ یہ سُن کر کہ کارنیلیس گیلیس طرابلس سے گزر کر مصر کی مغربی سرحد کی طرف بڑھ رہا ہے۔ وہ چند جہاز لے کر پیراٹونیم کی طرف روانہ ہوا تاکہ مصر کی مغربی سرحد کے اِس قلعے کو دفاع کے لیے مستحکم کرے مگر جب ساحل پر اتر کر پھاٹک تک پہنچا اور قلعہ دار کو باہر آنے کا حکم دیا تو اُس کی آواز غدار اہلِ قلعہ کی شہنائیوں کی گونج میں ڈوب گئی تھوڑی دیر بعد اِن غداروں کی ایک ٹولی باہر نکل کر انطونی کے رفیقوں پر ٹوٹ پڑی جو بڑی مشکل سے جان بچا کر جہازوں تک

سوار ہو سکے۔ کئی جہاز جلا دیے گئے۔ یہ ہزیمت اُٹھا کر انطونی اسکندریہ پہنچا تو معلوم ہوا کہ آکٹیوین پیلوشیم کی طرف پیش قدمی کر رہا ہے جو مصر کی مشرقی سرحد کا قلعہ ہے چند روز بعد اوائل جولائی میں پتا چلا کہ یہ قلعہ بھی غنیم کے ہاتھ آ گیا ہے۔

انطونی جس کے اعصاب اِس کشمکش میں بول گئے تھے، غیظ و غضب میں ڈوبا ملکہ کے پاس پہنچا اور اُسے الزام لگایا کہ تم نے آکٹیوین کی دل جوئی کے لیے خفیہ طور پر پیلوشیم کو اُس کے حوالے کیا ہے۔ ملکہ نے برارت کا اظہار کیا بلکہ قلعہ دار پیلوشیم یعنی سیلیوکس کے بیوی بچوں کو گرفتار کر کے انطونی کے حوالے کر دیا کہ اگر اِس معاملے میں میری ساز باز ہو تو تم جو چاہو اُن سے سلوک کرو۔

اِس تجویز سے ملکہ کی بے گناہی ثابت ہو گئی مگر پیہم شبہات نے انطونی کو بد دل کر دیا تھا۔ جانبازی کی آخری چنگاری بجھ چکی تھی۔ مایوسی و ناامیدی کے عالم میں اُس نے اپنے بیٹے انٹیلیس کو بہت سا خزانہ دے کر یوفرونیس کے ساتھ آکٹیوین کی خدمت میں بھیجا۔ مدعا یہ تھا کہ اِس رشوت سے سفاک دشمن کو ٹال دینے کی سبیل نکالے۔ آکٹیوین نے خزانہ تو رکھ لیا مگر انٹیلیس نے اپنے باپ کی جاں بخشی کے لیے جو کچھ کہا اُسے اِس کان سن کے اُس کان اُڑا دیا۔ قلوپطرہ اِس ذلیل وفد کی خبر سن کر نہایت آزردہ ہوئی۔ حیران تھی کہ یہ شخص، جو کبھی دلیری و جانبازی میں شہرۂ آفاق تھا، کس طرح بزدلی کی اس سطح پر اُتر آیا ہے کہ غنیم کو دولت دے کر ٹال دینے کا آرزومند ہے، بالخصوص جب یہ دولت بھی اُس کی ذاتی نہیں بلکہ بیوی کی ہے۔ داغ پر داغ یہ لگا کہ ایک رومی سینیٹر ٹرولیس، جو جولیس سیزر کے قاتلوں میں شامل تھا اور جو اُن دنوں انطونی کے ہاتھ آ گیا تھا، انطونی نے اُسے پابجولاں آکٹیوین کی خدمت میں بھیج دیا۔ یہ قاتل آخری شخص تھا جو اب تک جان بچاتا پھر رہا تھا۔ از روئے اصول لازم تھا کہ انطونی اُسے جولیس سیزر کے بیٹے سیزاریَن کے حوالے کر دیتا یا خود قتل کر ڈالتا مگر اس کے بجائے آکٹیوین کے حوالے کر دیا جس کے صاف معنی یہ تھے کہ میں تمھیں جولیس کا جانشین تصور کرتا ہوں۔ آکٹیوین نے اِس غدار کو فوراً قتل کرا دیا۔ مگر انطونی کو اُس کی رسید تک دینے کی زحمت نہ گوارا کی۔

آکٹیوین کی طرف سے مطلقاً ناامید ہو کر انطونی نے سپین یا کسی اور علاقے کی طرف بھاگ جانے کا فیصلہ کیا۔ تاکہ سردست کہیں سر چھپا سکے یا چھاپا مار جنگ جاری رکھے تاآنکہ سیاسیات ردم

میں کوئی اُمید افزا تبدیلی واقع ہو۔ مگر آخر اُس نے یہ خیالات ترک کر دیے۔ قلوپطرہ کی دلاوری نے غیرت دلائی۔ جانبازی و شجاعت کے خون نے رگوں میں حرکت کی اور اُس نے ملکہ کے دوش بدوش کھڑے ہو کر دارالسلطنت کی حفاظت میں جان دے دینے کا مصمم ارادہ کر لیا۔ صورتِ حال اگرچہ خراب تھی مگر مایوس کن نہ تھی۔ اسکندریہ بہت مستحکم شہر تھا۔ چار رومی دستے شہر میں موجود تھے۔ مقدونی سپاہی بھی تھے جو ہمیں کے ہو رہے تھے۔ ان کے علاوہ مصری فوج کی ایک بڑی تعداد حدودِ شہر میں تھی۔ ایکشیم سے واپس آنے والا بیڑا اور دوسرے بہت سے جہاز بندرگاہ میں لنگر ڈالے پڑے تھے۔ اِس طرح شہر کی حفاظت کے لیے ایک آسودہ حال مطمئن فوج تیار تھی۔ جسے مصر کی لازوال دولت سے ماہ بماہ تنخواہ ملتی تھی۔ اِس کے برعکس آکٹیوین کی فوج کو کئی ماہ سے تنخواہ نہیں ملی تھی۔

باایں ہمہ قلوپطرہ کو یہ امید نہ تھی کہ وہ اِس مخمصے سے زندہ سلامت نکل سکے گی۔ آکٹیوین متواتر خیرسگالی اور نیک نیتی کا یقین دلا رہا تھا مگر اُس کے صلے میں انطونی کے سر کا طلب گار تھا اور قلوپطرہ یہ قیمت ادا کرنے کو تیار نہ تھی۔ یہ آزمائش سخت صبر آزما تھی۔ ڈیون کیشیس کا بیان ہے کہ آکٹیوین نے ملکہ سے وعدہ کر لیا تھا کہ اگر تم انطونی کو ٹھکانے لگا دو تو جان بخشی کے علاوہ تمھاری سلطنت بھی تمھیں بخش دوں گا۔ پلوٹارک کا بیان بھی اتنا ہی واضح ہے یعنی آکٹیوین نے کہلا بھیجا تھا کہ اگر تم انطونی کو قتل کرا دو۔ یا کم از کم اپنی حفاظت سے خارج کر دو تو تم مجھ سے ہر معقول عنایت کی امید رکھ سکتی ہو۔ انطونی کی زندگی بھی اب ملکہ کے لیے بے مصرف ہو چکی تھی۔ وہ جرأت و ہمت کے بجائے بزدلی کا مظاہرہ کرنے لگا تھا مگر ملکہ کی نسوانی وفاداری اور شاہانہ تمکنت اجازت نہ دیتی تھی کہ جان بچانے کے لیے شوہر کو قتل کرا دے۔ اُس نے پوری جرأت سے آکٹیوین کو کہہ دیا کہ اگر تمھیں میرے مخمور سیاہ مست شوہر کا ناکارہ سر اتارنے کی اتنی ہی بیتابی ہے تو شہر کی دیواریں توڑ کر اُسے حاصل کرنے کی زحمت اٹھاؤ۔

اُس عہد کے دستور کے مطابق ملکہ نے چند سال پہلے اپنا روضہ تیار کرایا تھا تاکہ مرنے کے بعد اُسے وہاں دفن کیا جائے اور ایصالِ ثواب کے لیے چڑھاوے اور پروہتوں کی رسوم انجام دی جایا کریں۔ بقولِ پلوٹارک اِس روضے کے گرداگرد اور عمارتیں بھی تھیں جو یقیناً شاہی خاندان اور ارکانِ سلطنت کے لیے تھیں۔ یہ عمارتیں سیما یعنی شاہی مقبرے سے الگ تھیں۔ وہ شاہراہِ قینوفس

کے پہلو میں تھا اور یہ عمارات آئی سس کے مندر سے ملحق تھیں جو ساحلِ بحر پر بڑے پشتے کے مشرق میں واقع تھا۔ پلوٹارک کی تصریحات کے بموجب ملکہ کا روضہ آئی سس کے مندر ہی کا ایک حصّہ تھا اگر یہ قیاس درست ہے تو گویا ملکہ نے اپنی آخری آرام گاہ اُس دیوی کے مندر کی حدود میں بنوائی تھی جس کا اوتار اُسے سمجھا جاتا تھا۔ غالباً ملکہ کا مقصد یہ تھا کہ جب پجاری آئی سس کے مندر میں آئیں تو زیریں بارگاہ میں گردن جھکائیں اور میری خاک کو اُس عظیم دیوی کی یادگار رکھیں۔ اگرچہ عموماً اس واقعے کو اہمیت نہیں دی جاتی مگر اِس سے ظاہر ہوتا ہے کہ قلوپطرہ ہر حال میں اپنے آپ کو آئی سس یعنی زہرہ کا ارضی مظہر سمجھتی تھی۔

یہ روضہ اپنی رفعت، عظمت اور خوش نما فن کاری کے لیے مشہور تھا۔ غالباً سنگِ مرمر کا بنا ہوا اور متعدد کمروں پر مشتمل تھا۔ نچلی منزل ایک چہل ستون ایوان سی تھی جس کا دہرا پھاٹک صنوبر کے منقّش تختوں کا تھا۔ اندر کچھ آگے قبر کا کھلا ہوا تعویذ تھا۔ جو کئی سال سے اِس پری جمال ملکہ کو آغوش میں لینے کے لیے راہ دیکھ رہا تھا! ایک زینہ اوپر کی منزل تک جاتا تھا جس کے کمروں کا فرش سنگِ خارا کا تھا۔ بالائی منزل کی کھڑکیوں سے ایک طرف آئی سس کے مندر کا صحن نظر آتا تھا اور دوسری طرف وسیع سمندر۔ جیسا کہ مصری عمارتوں کا انداز تھا، نچلی منزل میں کھڑکیاں نہ تھیں۔ روشنی صرف اُن جھروکوں سے آتی تھی جو چھت کے قریب کہیں کہیں چھوڑ دیے گئے تھے۔ جولائی کی شدید گرمی بھی اِس سنگین مقبرے کے زیریں حصّے میں داخل ہونے سے معذور تھی کیونکہ ساحل کی تازہ ہوا بالائی منزل سے برابر آتی رہتی تھی اور چلچلاتی دھوپ کی تیز و تند شعاعیں باہر رہ جاتی تھیں، اگرچہ اُن کا ہلکا سا انعکاس سنگِ مرمر کی دیواروں پر پڑتا رہتا تھا۔ مشرقی پشتے پر سے امواجِ بحر کی پیہم دھمک اور بحری پرندوں کی تیز آواز کمروں میں گونجتی رہتی تھی۔ مغرب کی جانب سے مندر کے پجاریوں کا جاپ اور فاصلے سے اہلِ اسکندریہ کی موہوم آوازیں اِن ہوادار کمروں میں آتیں تو معلوم ہوتا کہ عالمِ بالا کی صدائیں ہیں!

ملکہ نے سوچ رکھا تھا کہ اگر آکٹیوین کو اسکندریہ کے محاصرے میں کامیابی ہوئی تو اس روضے میں چلی آئے گی اور شکست کی صورت پیش آنے پر خودکشی کر لے گی۔ اِس مقصد کے پیشِ نظر اُس نے اپنا خزانہ، زیورات، جواہرات اور تمام بیش قیمت اشیا یہاں اُٹھوا منگائی تھیں۔ بالائی منزل کے

ایک حصّے میں سوکھی لکڑیوں کے انبار پر یہ سارا سامان رکھوا دیا کہ اگر مصائبِ حیات کا خاتمہ کرنا ضروری ہو جائے تو مہلک افعی سے بازو میں ڈسوا کر مرتے مرتے لکڑیوں کے فتیلے میں آگ لگا دے اور اپنے جسم کے ساتھ خزانے کو بھی تباہ کرڈالے مگر سرِدست وہ قصر میں بیٹھی مدافعت کی تیاری میں مصروف تھی۔

اواخرِ جولائی میں آکٹیوین کی فوجیں شہرِ پناہ کے سامنے اُتریں اور اُس پشتے کے اردگرد خیمہ زن ہوگئیں جو شہر سے مشرق میں چٹانی زمین پر واقع تھا۔ اِس نازک وقت میں انطونی کی بجھتی ہوئی جرأت و ہمت کا شعلہ پھر بھڑکا۔ اپنے سپاہیوں کو سمیٹ کر نکلا اور آکٹیوین کے سواروں پر اس صدمے سے گرا کہ انھیں شکست دے کر کیمپ تک پیچھا کرتا چلا گیا۔ یہاں سے واپس مُڑا اور قصر میں اِس طرح داخل ہوا کہ زرہ پر خاک اور خون کی تہ جمی ہوئی تھی۔ اسی عالم میں ملکہ سے بغلگیر ہوا اور جوشِ محبت میں سب کے سامنے اُس کے بوسے لیے۔ پھر ملکہ سے اپنے ایک افسر کی سفارش کی جس نے لڑائی میں جانبازی کی داد دی تھی۔ ملکہ نے فوراً اِس سردار کو طلائی خود اور زنکیر عطا کیا۔ زمانے کا حال کچھ کہا نہیں جاتا۔ اُسی رات یہ ناشکرا سردار بھی زرہ بکتر پہنے آکٹیوین کے لشکر میں جا ملا۔

اگلی صبح انطونی نے طفلانہ شوخ چشمی سے آکٹیوین کو تنہا تیغ آزمائی کی دعوت دی جیسا کہ معرکۂ اکٹیم سے پہلے بھی ایک بار کیا تھا۔ اِس پر آکٹیوین نے یہ طنز آمیز جواب دیا کہ "تمھیں زندگی ختم کرنے کے لیے اور بہت سے طریقے مل سکتے ہیں"۔ اب انطونی نے فیصلہ کیا کہ طویل محاصرے کی کشمکش میں مبتلا ہونے کے بجائے سمندر اور خشکی پر ایک گھمسان کے معرکے میں قسمت کا فیصلہ کرلے۔ ملکہ بھی اس تجویز سے متفق ہوگئی اور فوج کو حکم سنا دیا کہ یکم اگست کو ڈٹ کر جنگ ہوگی۔ ۳۱ جولائی کی رات کو انطونی نے جس کی ہمت برابر ساتھ دے رہی تھی، اپنے نوکروں کو ہدایت کردی کہ آج رات مجھے کھلانے اور شراب پلانے میں کسر باقی نہ رکھنا کیونکہ عین ممکن ہے کہ کل شام تمھارا آقا جو بکلیق دیوتا کا اوتار ہے، میدانِ جنگ میں خاک و خون میں آلودہ پڑا ہو اور تم ایک نئے آقا کی خدمت میں ہو۔ اِس پر اُس کے دوست رونے لگے مگر انطونی نے انھیں سمجھا کر تسلّی دی کہ مجھے قتل ہو جانے کے بجائے فتح یاب ہونے کی قوی امید ہے۔

خاصی رات گئے جب چاروں طرف سنّاٹا چھایا ہوا تھا اور بحری نسیم بالکل تھم کر رات کی گرم تاریک اُمس میں تبدیل ہوچکی تھی، دور سے نفیریوں اور جھانجھوں کی صداؤں میں ملی ہوئی رقص و سرود

کی تانیں سنائی دیں۔ یہ پُراسرار طرب انگیز آوازیں قریب تر ہوتی گئیں یہاں تک کہ رقاصاؤں کے پاؤں کی ٹھوکریں صاف سنائی دینے لگیں۔ رقص و نغمہ کی نشاط افروز تانوں میں شور و غوغا کا ہنگامہ ملا ہوا تھا۔ پلوٹارک لکھتا ہے کہ عیش و طرب کا یہ پُرشور جلوس شہر کے بیچوں بیچ سے گزرتا باب قینوفص تک پہنچا جہاں یہ ہنگامہ خیز آوازیں انتہائی زور شور سے سنائی دیں اور یکایک یک لخت خاموش ہوگئیں۔ کچھ پتا نہ چلا کہ یہ پُراسرار جلوس کدھر سے آیا تھا اور کہاں گیا مگر اُن تمام اشخاص کو، جو رات کے سناٹے میں آسمانی نغمہ و سرود کا ہنگامہ سُن رہے تھے، یقین ہوگیا کہ یہ اندر دیوتا (بکیس) کا جلوس تھا جو آج اپنے ارضی مظہر (انطونی) سے مُنہ موڑ کر اُس کے ظفر مند حریف کی طرف چلا گیا ہے۔

اگلی صبح روشنی پھیلتے ہی انطونی اپنا لشکر لیے شہر کے مشرقی دروازوں سے نکلا۔ فوج کے دستوں کو ساحل سے کچھ اِدھر ایک بلند سطح پر ترتیب دیا۔ اِس بلندی سے اُس نے اپنے بیڑے کو بندرگاہ سے نکل کر حریف کے جہازوں کی طرف بڑھتے دیکھا جو شہر سے مشرق کی طرف دو تین میل کے فاصلے پر لنگر انداز تھے۔ مگر تھوڑی دیر بعد یہ دیکھ کر سناٹے میں آگیا کہ مصری بیڑے نے آکٹیوین کے جہازوں پر حملہ کرنے کے بجائے اپنے پتواروں سے انھیں سلامی دی اور جب انھوں نے بھی پتوار اٹھا کر جوابی سلام دیا تو یہ بیڑا خاموشی کے ساتھ اُن سے جاملا! اِس صدمے سے سنبھلنے نہ پایا تھا کہ اپنے رسالے کو دیکھا جو سرپٹ دوڑتا غنیم کی طرف پہنچا اور اس کے رسالے میں مل گیا۔ اب صرف پیدل فوج باقی رہ گئی تھی، جو کسی طرح حریف کے جوڑ کی نہ تھی۔ تقدیر سے کہاں تک لڑتا! میدان سے قصر کی طرف پلٹا اور یوں چلاتا ہوا دوڑا کہ ملکہ نے غداری کی ہے۔ قصر میں اِس طرح گھسا کہ بدحواس افسر اُس کے پیچھے آ رہے تھے اور وہ ان کے آگے آگے ملکہ کو گالیاں کوسنے دیتا چلاّ چلاّ کر کہہ رہا تھا کہ جس عورت کی خاطر میں نے لوگوں کو اپنا دشمن بنالیا اُس نے مجھے اُنھیں دشمنوں کے ہاتھ میں پھنسوا دیا ہے۔ ملکہ نے یہ ہنگامہ سنا اور سمجھ گئی کہ اگر میں اِس کے سامنے آئی تو یہ جنون و یاس میں مجھے ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالے گا۔ فوراً بھاگی۔ برآمدوں اور غلام گردشوں سے گزرتی، دیران صحن اور سنسان ایوان میں سے جھپکتی، ہانپتی کانپتی روضے تک پہنچی۔ صرف دو جاں نثار کنیزیں یعنی ایراس اور ستارمیان ساتھ تھیں۔ عہدہ دار، سنتری، دربان سب کے سب بیڑے اور رسالے کی غدّاری کا شور سنتے ہی بھاگ گئے تھے۔ مندر کے پاس چند پجاری البتہ کھڑے تھے جنھوں نے بدحواس ملکہ کو بمشکل پہچانا ہوگا!

ملکہ اور دونوں کنیزیں گرتی پڑتی روضے میں داخل ہوئیں جسے محافظ کبھی کے چھوڑ بھاگے تھے تینوں نے ملکہ پھاٹک بند کیا۔ چٹخنیاں چڑھائیں اور مزید مضبوطی کے خیال سے میزیں کرسیاں وغیرہ اڑا دیں۔ اِس کے بعد بالائی منزل میں پہنچیں اور خوف و اضطراب سکے ہیجان میں بیدم ہو کر صوفوں پر گر پڑیں انھوں نے دور سے انطونی کے افسروں کو روضے کی طرف جھپٹتے دیکھا۔ خودکشی کے لیے تیار ہو چکی تھی۔ چنانچہ اِن افسروں نے یہ خبر انطونی تک پہنچا دی۔ تھوڑی دیر بعد جب ہیجان و خلفشار ذرا کم ہوا تو ملکہ نے خودکشی کا خیال ملتوی کر دیا اور انتظار کرنے لگی کہ مجھ سے آکٹیوین کا رویہ کیسا ہے۔ غرض طبیعت سنبھالی۔ مشرقی کھڑکیوں سے سمندر کی طرف نظر ڈالی اور حسرت سے اپنے بیڑے کو دیکھا جو آکٹیوین کے بیڑے کے دوش بدوش بندرگاہ کی طرف بڑھ رہا تھا۔

یہ فرض کرنے کی مطلقاً کوئی وجہ نہیں کہ ملکہ نے انطونی سے غدّاری کی تھی یا بیڑے اور رسالے کی غدّاری میں اُس کا ہاتھ تھا۔ اُسے یہ خبریں غیر متوقّع صدمے، ایک ازغیبی بم کی طرح محسوس ہوئی ہوں گی۔ رہے انطونی کے الزامات اور شبہات، اُن کا اُسے ملال نہ ہوا ہوگا کیونکہ اِن آخری دو سال میں اُس کی غلط اندیش فطرت ہر معاملے کو غلط انداز سے دیکھنے لگی تھی۔ بیڑے اور فوج کی یہ غدّاری قطعاً فطری بلکہ ناگزیر تھی۔ ایک روز پہلے انطونی نے آکٹیوین کے سپاہیوں کو بڑی رقموں کا لالچ دے کر توڑنے کی کوشش کی تھی۔ آکٹیوین نے بھی انطونی کے رفیقوں کو گانٹھنے کا بندوبست کیا ہوگا۔ ملکہ کے بیڑے کے ملاّح ایک سال پہلے خلیج امبریشیا میں انطونی کے رومی ملاّحوں سے گھل مِل گئے تھے۔ یہی رومی ملاّح اکشیم کی شکست کے بعد آکٹیوین کے بیڑے میں شامل ہو گئے تھے۔ ممکن نہ تھا کہ شاہی بیڑے کے مصری ملاّح اپنے اُن رومی دوستوں کے خلاف جنگ آزما ہوتے جن کی مہمان نوازی و مدارات اور ذاتی شجاعت کا سکّہ اُن کے دلوں پر بیٹھا ہوا تھا۔

اضطراب و ہیجان نے انطونی پر ایسا غلبہ پا لیا تھا کہ اُس کے لیے صحیح غور و فکر یا زبان کو روکنا ممکن ہی نہ تھا۔ قصر میں داخل ہوا تو دیوانوں کی سی حالت تھی۔ ملکہ کو، مصر کو اور تمام غدّار رفیقوں کو بے تحاشا کوس رہا تھا۔ اتنے میں وہ سردار جنھوں نے ملکہ کا روضے تک تعاقب کیا تھا، یہ خبر لائے کہ اُس نے خودکشی کر لی ہے۔ کنیزوں سے بات کر کے انھوں نے یہی نتیجہ اخذ کیا تھا۔ یہ سنتے ہی انطونی پر بجلی سی گر پڑی، طاقت سلب ہو گئی۔ غیظ و غضب کافور ہو گیا۔ اس کے بعد ہیجان زدہ

دماغ نے واقعے کی پوری اہمیت محسوس کی۔ غصّے اور شبہے کے بجائے دل میں محبت کا طوفان اُٹھا اور اپنے آپ سے یوں مخاطب ہوا "کیوں انطونی! اب کس بات کا انتظار ہے؟ دنیا میں ایک ہی ہستی تھی جس کی خاطر تجھے زندگی عزیز ہو سکتی تھی۔ بے رحم موت اُسے چھین چکی ہے۔"

یہ کہ کر خواب گاہ میں گھسا۔ جلد جلد زرہ بکتر اتارا۔ جاں نثار غلام عیروس کو اعانت کے لیے پکارا۔ اس کے بعد جب بالائی لباس اتار کر اپنا سینہ برہنہ کر رہا تھا ملکہ کی روح سے یوں مخاطب ہوا "قلوپطرہ! مجھے تمھاری جدائی کا غم نہیں کیونکہ یہ جدائی ابھی ختم ہوئی جاتی ہے۔ ہاں لوگوں کے طعنوں کا خیال ہے جو کہیں گے کہ اتنا بڑا سورما ہمت کے معاملے میں ایک عورت سے پیچھے رہ گیا۔" ابھی کچھ عرصہ پہلے وہ عیروس سے حلف اٹھوا چکا تھا کہ جب میرا آقا مجھے حکم دے گا میں اسے قتل کر دوں گا۔ اب عیروس کی طرف مڑ کر اُسے اُس کی حلف کی یاد دلائی اور حکم دیا کہ تلوار میرے سینے میں بھونک دے۔ عیروس نے تلوار سنبھالی گویا حکم کی تعمیل کرنے کو ہے۔ مگر یکایک گھوما۔ تلوار کا پھل قبضے تک اپنے سینے میں اُتار لیا اور وہیں گر کر ٹھنڈا ہو گیا۔ مدہوش و مبہوت انطونی اُس کی لاش پر جھک کر پکارا "عیروس! تمھیں خود اپنے آقا کو قتل کرنے کی ہمت نہ ہوئی مگر تم نے اُسے راستہ خوب بتایا۔" یہ کہتے کہتے تلوار سینے میں بھونک لی اور بستر پر گر پڑا۔

زخم فوراً مہلک ثابت نہ ہوا۔ خون تھمتے ہی اُسے ہوش آ گیا۔ چند مصری خادم اُس کے گرد جمع ہو گئے تھے جن سے اُس نے التجا کی کہ ایک اور وار کر کے مجھے اِس جاں گسل تکلیف سے نجات دلا دو۔ خادموں نے جو اُسے زندہ پایا تو اُسے وہیں کلبلاتا چھوڑ کر رفو چکر ہوتے مگر اُن میں سے ایک دو نے یہ خبر ملکہ تک پہنچا دی اور ملکہ کا ایک معتمد فوراً یہ پیغام لے کر انطونی کے پاس پہنچا کہ میں بدنصیب ابھی زندہ ہوں اور تمھیں اپنے پاس بلانا چاہتی ہوں۔ انطونی نے بے اختیار خادموں کو حکم دیا کہ مجھے اِسی حال میں ملکہ تک لے چلو۔ انھوں نے اُسے بازوؤں پر اُٹھا کر ایک ڈولی میں رکھا اور روضے کی طرف لے چلے۔ پھاٹک پر پہنچنے تک لوگوں کا انبوہ جمع ہو گیا اور ملکہ کو یہ اندیشہ ہوا کہ کہیں ان میں سے بعض نمک حرام پھاٹک کھلتے ہی مجھے پکڑ کر آکٹیوین کے پاس نہ لے جائیں۔ اِس حیص بیص میں انطونی پھاٹک کے باہر پڑا کراہتا تھا اور ملکہ سے التجا کرتا تھا کہ کاش میرا دم تمھاری آغوش میں نکلے۔ پلوٹارک کا بیان ہے کہ ملکہ نے اُس کی دردناک آہ و زاری

سُن کر اوپر سے رسّے لٹکا دیے۔ لوگوں نے انطونی کو رسّوں سے باندھ دیا اور ملکہ نے اپنی دو کنیزوں کی مدد سے اُسے بہ ہزار دقت اوپر کھینچا۔ جو لوگ موجود تھے اُن کا بیان ہے کہ چشمِ انسان نے ایسا دردناک منظر کبھی نہ دیکھا ہوگا۔ خاک و خون میں آلودہ قریبِ مرگ انطونی اپنے دونوں بازو اوپر کو پھیلائے تھا اور بجھتی ہوئی طاقت سے اپنا جسم اوپر اٹھائے رکھنے کی کوشش کر رہا تھا تینوں عورتیں اپنے کمزور بازوؤں کی پوری طاقت سے اُسے کھینچ رہی تھیں اور ہمدرد تماشائی نیچے کھڑے چیخ چیخ کر اُن کی ہمت افزائی کر رہے تھے۔ کھڑکی زمین سے خاصی بلند ہوگی اور میرا خیال ہے کہ لوگوں نے سیڑھیاں لگا کر انطونی کو خاصی بلندی تک پہنچا دیا ہوگا ورنہ ان تین عورتوں کے لیے انطونی جیسے تنومند آدمی کو اوپر کھینچنا قطعاً ناممکن تھا۔

غرض ہزار محنتوں سے اِن تینوں نے انطونی کو کھڑکی کے راستے گھسیٹ کر بستر پر ڈالا۔ جہاں وہ کشاکش کی تکلیف سہ کر بیہوش ہو گیا۔ قلوپطرہ غم سے نڈھال تھی۔ زار زار روتی، سر و سینہ پیٹتی اور لباس کے ٹکڑے اڑائے دیتی تھی۔ ساتھ ساتھ انطونی کے زخم سے بہتے خون کو روکنے کی تدبیر بھی کر رہی تھی یہاں تک کہ اُس کا چہرہ اور گردن اُس کے خون سے گُل رنگ ہو گئے۔ فرش پر پڑی لوٹتی تھی اور اُسے اپنا شوہر، اپنا شہنشاہ کہہ کر پکارتی تھی۔ برسوں کی دبی دبائی محبت کا شعلہ یکایک ایسا بھڑکا کہ جوشِ غم میں اِس نازک صورتِ حال کو بالکل بھول گئی جس سے خود دوچار تھی۔ کچھ دیر بعد انطونی کو ہوش آیا، شراب مانگی جسے پی کر کچھ سنبھلا۔ ملکہ کو تسلی دے کر کہا کہ ہو سکے تو آکٹیوین سے باعزت سمجھوتا کر لینا اور آکٹیوین کے ساتھیوں میں سے پروکلیس کے سوا اور کسی پر ہرگز بھروسا نہ کرنا۔ پلوٹارک کا بیان ہے کہ عین مرتے وقت اُس نے ملکہ سے کہا کہ میری موجودہ حالت کا خیال کر کے غمگین نہ ہونا بلکہ صرف یہ یاد کر کے خوش ہونا کہ میں عمر بھر ایک کامیاب و کامران اور اقبال مند جرنیل رہ چکا ہوں۔ رہا یہ انجام، سو اس کا کچھ غم نہیں۔ ایک رومی کو دوسرے رومی نے پچھاڑ ہی دیا تو کیا ہوا۔ یہ کہتے کہتے گردن ڈھل گئی اور اُس رفیقۂ حیات کے بازوؤں میں دم نکل گیا جس کے مفادات کی وہ جیتے جی چنداں حفاظت نہ کر سکا تھا اور جسے مرتے وقت مصائبِ حیات کا مقابلہ کرنے کے لیے تنہا چھوڑ رہا تھا۔

بلیس

آکٹیوین کی فتح یابی اور قلوپطرہ کی خودکشی

اِس وقت قلوپطرہ کی اندوہناک حالت حد درجہ دل دوز تھی۔ شوہر کی خون آلود نعش سامنے پڑی تھی۔ دونوں خواصیں ریراَس اور شارمیاَن یونانی دستور کے مطابق سینہ کوبی کر رہی تھیں عین دوپہر کا وقت تھا۔ تیز دھوپ کا عکس کمرے کو منوّر کر رہا تھا اور خون کے وہ داغ صاف نظر آ رہے تھے جو انطوَنی کو کھڑکی سے گھسیٹ کر بستر تک لانے میں قالینوں پر پڑ گئے تھے۔ رُضنے کی دیوار کے نیچے چند مصری اور رومی جمع تھے اور غالباً وہ سیڑھیاں، جن کے ذریعے سے انطونی کو کھڑکی تک اٹھایا گیا تھا، بدستور دیواروں سے لگی ہوئی تھیں۔ ایک طرف سے سمندر کی گرج سنائی دے رہی تھی اور دوسری جانب سے آکٹیوین کے سپاہیوں کے نعرے اور ہتھیاروں کی کھڑکھڑاہٹ یہ اعلان کر رہی تھی کہ غنیم شاہی قصر میں داخل ہو چکا ہے۔ صاف نظر آ رہا تھا کہ اب اُسے اطاعت قبول کرنے کا حکم دیا جائے گا، بلکہ کیا عجب ہے گرفتار کر لینے کی فکر ہو۔ مگر گرفتاری کے لیے وہ ہرگز تیار نہ تھی۔ صاف الفاظ میں کہلا چکی تھی کہ گرفتاری کی کوشش کی گئی تو لکڑیوں کو آگ دے کر بھڑکتے شعلوں میں کود جاؤں گی۔ گرفتاری اور اُس کے بعد جشنِ فتح میں تشہیر کیے جانے کی ذلت کا وہ تصوّر تک نہ کر سکتی تھی۔ البتہ باعزت سمجھوتے کے لیے تیار تھی بشرطیکہ اُس کے خاندان اور حکومت کی بقا کا یقین دلایا جائے۔ اِس نظر سے دونوں خواصوں کو مسلح کر کے کھڑکی پر متعین کر دیا اور حکم دے دیا کہ اگر دشمن کھڑکی کے راستے داخل ہونے کی کوشش کرے تو انھیں جتا دینا کہ میں اُن کے نحس قدم کھڑکی تک پہنچنے سے پہلے اپنے خزانے اور بے بہا جواہرات و زیورات سمیت بھڑکتی آگ میں کود پڑوں گی۔

انطونی کو ختم ہوئے چند ہی منٹ گزرے تھے کہ وہی پروکولیس جس کا ذکر وہ وقتِ مرگ کر چکا تھا، پھاٹک پر آ پہنچا اور آکٹیوین کی طرف سے ملکہ کی خدمت میں باریابی کی التجا کی۔ اُس کے

دروازہ کھٹکھٹانے کی آواز صدائے مرگ کی طرح ملکہ کے کان میں پہنچی ہوگی جو زینے کے اوپر منتظر کھڑی تھی۔ انطونی کی وصیت کے باوجود وہ پروکولیس پر کامل اعتماد کرنے اور اُسے اندر بلا لینے پر آمادہ نہ تھی۔ گرفتاری کا خطرہ سامنے تھا۔ تذبذب کے عالم میں شوہر کی نعش کے گرد پھر رہی تھی۔ یکایک نیچے اُتری اور تاریک ایوان میں دروازے کے پاس پہنچ کر پروکولیس کو نام لے کر پکارا۔ اُس نے باہر سے جواب دیا۔ اِس طرح مختصر سی گفتگو ہوئی۔ قلوپطرہ اطاعت کے لیے آمادگی ظاہر کر رہی تھی بشرطیکہ آکٹیوین اِس بات کا وعدہ کر لے کہ اُس کا تاج و تخت اُس کے بیٹے سیزارین کو منتقل ہو جائے گا۔ پروکولیس اُسے یہ یقین دلانے کی کوشش کر رہا تھا کہ آکٹیوین تم سے انتہائی مراعات روا رکھے گا۔ قلوپطرہ اِن خالی خولی باتوں سے مطمئن نہ ہو سکی اور پروکولیس واپس چلا گیا۔ آکٹیوین کے پاس پہنچ کر اُسے صورتِ حال سے آگاہ کیا اور بتایا کہ اگر پھرتی اور چالاکی سے کام لیا جائے تو سیڑھیوں کے ذریعے سے کھڑکی میں داخل ہو کر ملکہ کو پکڑ لینا کچھ دشوار نہیں۔ یہ سُن کر آکٹیوین نے اُسے اور کارنیلیس گیلیس کو ملکہ کی گرفتاری پر مامور کیا۔ شام ہو چکی تھی کہ یہ دونوں روضے پر پہنچے۔ موخرالذکر نے پھاٹک پر دستک دی۔ قلوپطرہ فوراً اُتر کر نیچے آئی اور بند دروازے سے اُس سے گفتگو کرنے لگی۔ دونوں خواصیں بھی کھڑکی سے ہٹ کر یہ گفت و شنید سننے کے لیے ملکہ کے پیچھے سیڑھیوں پر آ کھڑی ہوئیں۔

جب پروکولیس نے ملکہ کو اطاعت کی شرطیں طے کرنے میں مشغول دیکھا تو تیزی سے مڑا پچھلی طرف پہنچ کر سیڑھیاں لگائیں اور دو رومی افسروں سمیت پھرتی سے کھڑکی کے راستے بالائی منزل میں داخل ہو گیا۔ انطونی کی لاش کے پاس سے چھپا زینے کی طرف بڑھا جس کے نیچے دونوں خواصیں کھڑی تھیں۔ بے خبر ملکہ کو بھی دیکھا جو ہنوز گفت و شنید میں مشغول تھی۔ اتنے میں ایک خواص نے اُسے دیکھ کر چیخ ماری اور چلا کر ملکہ کو آگاہ کیا" ناشاد قلوپطرہ تم گرفتار ہونے کو ہو"۔ ملکہ گھوم کر سیدھی ہوئی۔ رومی افسر کو دیکھ کر معاملے کی نزاکت سمجھ گئی۔ کمر سے خنجر نکال کر نازک ہاتھ کی پوری لمبائی پھیلا دی تاکہ اپنے سینے پر بھرپور وار کر کے زندگی کے عذاب سے چھوٹ جائے۔ مگر پروکولیس اُس سے کہیں تیز تھا۔ بجلی کی طرح لپکا اور زقند بھر کر ملکہ پر اِس طرح آ پڑا کہ وہ کمر کے بل دروازے سے ٹکرائی۔ پھرتی سے ہاتھ مروڑ کر خنجر چھین لیا اور اُس کے دونوں ہاتھ پہلوؤں سے ملا کر اپنے آدمیوں کو تلاشی کا حکم

دیا تاکہ اور اسلحہ یا زہر چھپا ہؤا ہو تو پتا چل جائے۔ اِس کے بعد ملامت آمیز لہجے میں ملکہ کو سرزنش کی "قلوپطرہ! کتنی شرمناک بات ہے کہ تم خودکشی کر کے آکٹیوین کو رحم و کرم کا مظاہرہ کرنے سے محروم رکھنا چاہتی تھیں اور دنیا کو اِس غلط فہمی میں مبتلا کرنے والی تھیں کہ یہ نرم دل جرنیل ایک شقی القلب بے رحم دشمن ہے!" پھر اپنے ساتھیوں سے کہا کہ چٹخنیاں وغیرہ کھینچ کر پھاٹک کھول دو۔

پھاٹک کھلنے پر کارنیلیس گیلیس وغیرہ بھی اندر داخل ہو گئے اور ملکہ کو کنیزوں سمیت حراست میں لے لیا۔ کچھ دیر بعد انطونی کا آزاد غلام یوفروڈیٹس یہ احکام لے کر آیا کہ ملکہ سے انتہائی احترام کا برتاؤ کیا جائے مگر ساتھ ساتھ پوری احتیاط کی جائے کہ وہ خودکشی نہ کر سکے۔ اِن احکام کی تعمیل میں رومی افسروں نے ملکہ کو بالائی منزل کے ایک کمرے میں ٹھہرا دیا اور اچھی طرح تلاشی لے کر اطمینان کر لیا کہ وہاں زہر یا اسلحہ پوشیدہ نہیں۔

سورج ڈوبنے سے ذرا پہلے مظفر و منصور آکٹیوین اسکندریہ میں باقاعدہ داخل ہؤا۔ عوام کو یہ یقین دلانے کے لیے کہ میں بالطبع صلح پسند، رحم دل اور فیاض ہوں، اسکندریہ کے ایک ذی علم فلسفی ایریئس کو رتھ میں اپنے ساتھ سوار کر لیا۔ جلوس شاہراہ قینوفص کے راستے بڑھا اور لوگ یہ دیکھ کر حیران رہ گئے کہ آکٹیوین ایریئس کے ہاتھ میں ہاتھ ڈالے کمال نرمی سے باتیں کر رہا ہے۔ فوراً سارے شہر میں یہ افواہ پھیل گئی کہ رحم دل فاتح انطونی کی موت کی خبر سن کر فرطِ غم سے رو پڑا اور یہ کہ اُس نے انطونی کے تلخ و تند خطوط اور اپنے معقول جواب سُنا سُنا کر لوگوں کو بتا دیا کہ لڑائی مجھ پر زبردستی ٹھونسی گئی تھی۔ فوج کو حکم سنا دیا کہ لوٹ مار یا ظلم و تعدّی کی سخت ممانعت ہے۔ خوف زدہ مصری گھروں کے کونوں سے نکلنے لگے۔ شہر کے عمائد کو حکم ملا کہ ورزش خانے میں جمع ہوں۔ یہاں شفق کی سہانی سرخی میں آکٹیوین اُن سے خطاب کرنے کھڑا ہؤا۔ اُس کے اُٹھتے ہی تمام عمائد و عوام سجدے میں گر گئے۔ آکٹیوین نے انھیں اُٹھنے کا حکم دیا اور اعلان کر دیا کہ چند وجوہ سے میں تم لوگوں کی غلطیاں معاف کرتا ہوں۔ اوّل سکندرِ اعظم کے احترام میں جو اِس شہر کا بانی تھا۔ دوسرے، خود شہر کی وسعت و خوبصورتی کے لحاظ سے۔ تیسرے سیرافس دیوتا کی حرمت کے خیال سے اور چوتھے، ایریئس جیسے عالم فاضل کو خوش کرنے کے لیے جس کی درخواست پر میں بہت سے مجرموں کی جان بخشی کرنے والا ہوں۔"

اِس طرح اہلِ شہر کو مطمئن کر کے، جو اُسے اپنا نجات دہندہ سمجھ چکے تھے۔ آکٹیوین اپنے کیمپ میں داخل ہوا۔ انطونی اور قلوپطرہ کے وہ تمام ارکانِ سلطنت، جن سے اریس کو چنداں لگاؤ نہ تھا، سزاوارِ قتل ٹھہرے اور اُن کے احکامِ قتل جاری کر دیے گئے۔ انطونی کا لڑکا انٹیلس جو بھاگ کر ایک مندر میں چھپ گیا تھا، اپنے نمک حرام اتالیق تھیوڈورس کی غمازی سے گرفتار ہوا اور فوراً قتل کر دیا گیا۔ جلّاد نے اُس کا سر کاٹا ہی تھا کہ تھیوڈورس نے لاش کی گردن میں سے ایک قیمتی زیور چرا کر جیب میں رکھ لیا۔ یہ چوری پکڑی گئی اور اُسے آکٹیوین کے سامنے پیش کیا گیا، جس نے فوراً اُسے دار پر کھینچنے کا حکم دیا۔ قلوپطرہ کے دونوں بچّوں یعنی خُرد سال بطلیموس اور قلوپطرہ سلین کو کڑے پہرے میں رکھا گیا۔ قلوپطرہ کو جتا دیا گیا کہ اگر تم نے خودکشی کی کوشش کی تو دونوں بچّوں کو بھی قتل کر دیا جائے گا۔ اِس طرح آکٹیوین کو اُس کی طرف سے اطمینان ہوا۔ پلوٹارک بھی لکھتا ہے کہ "اس دھمکی سے ملکہ کا عزم متزلزل ہو گیا۔"

انطونی کی لاش تجہیز و تکفین کے لیے تیار ہو چکی تھی۔ لاش کو حنوط کے ذریعے سے محفوظ کرنے کی رسم اسکندریہ میں ابھی باقی تھی۔ مگر انطونی کے متعلق چنداں اہتمام نہ کیا گیا۔ رومی افسروں اور غیر ملکی عمائد نے ازراہِ احترام انطونی کی تجہیز و تکفین اپنے ذمّے لینی چاہی مگر قلوپطرہ کی خواہش کے احترام میں جنازہ اُس کے حوالے کر دیا اور یہ حکم ہو گیا کہ اِس معاملے میں ملکہ کی خواہشات ملحوظ رکھّی جائیں۔ غم زدہ تباہ حال قلوپطرہ ماتم کناں کنیزوں خواصوں کے ہجوم میں سر جھکائے میّت کے ساتھ تھی۔ آگے آگے پجاری لوبان سلگاتے، دعائیں گنگناتے مقبرے کی طرف رواں تھے جو چند سال پہلے ملکہ کے روضے کے پاس تعمیر ہوا تھا۔ قلوپطرہ انطونی کا نام لے لے کر پکار رہی تھی، اور بے دریغ سر و سینہ پیٹتی تھی۔ اُسے مرنے والے سے جو جو اختلاف تھے انھیں قطعاً فراموش کر کے اُس کی خوبیاں یاد کر کے ماتم کر رہی تھی۔ مرنے والے کی وصیت بھی یہی تھی۔ تنہا رہ جانے کا ہولناک احساس بیتے دنوں کی یاد دلا رہا تھا۔ شدّتِ غم میں بار بار خودکشی کا خیال آیا ہو گا مگر بے رحم زمانے نے اِس طرح مجبور کر دیا تھا کہ یہ آرزو پوری کرنی بھی مشکل تھی۔ علاوہ بریں اتنا ہونے کے باوجود تخت و تاج بچا لینے کی امید ابھی اُس کے دل میں باقی تھی۔ یہ تو اُسے یقین تھا کہ مجھے تختِ سلطنت سے الگ کر کے جلا وطن کر دیا جائے گا مگر آکٹیوین کے برتاؤ سے یہ مترشح ہوتا تھا

کہ وہ مصر کی سلطنت اُس کی اولاد کو بخش دے گا۔ غریب کو کیا خبر تھی کہ اس امّید افزا برتاؤ سے دغا باز فاتح کا مدعا صرف یہ ہے کہ کسی طرح ملکہ کو زندہ رہنے پر مائل کرے تاکہ پا بہ جولاں روم لے جا کر جشنِ فتح میں اُس کی تشہیر کر سکے۔ اُسے مطلق اندازہ نہ تھا کہ آکٹیوین کے تمام امّید افزا پیغامات عیّاری و مکّاری پر مبنی ہیں اور یہ کہ عین اُس وقت جب وہ اُس کی اولاد کی جاں بخشی کے وعدے کر رہا تھا، بندرگاہ برنیس کو خط پر خط بھیج کر سیزارین کو بلانے کا بندوبست بھی کر رہا تھا۔ تاکہ جوں ہی یہ بدنصیب شہزادہ آئے اُسے قتل کرا کے قصّہ پاک کر دے۔ اُس نے نہ کبھی آکٹیوین کو دیکھا تھا نہ اُس کی طبیعت سے واقف تھی۔ چاہتی تھی کہ اس سے ایک آخری التجا کرے۔ مصر اور روم کے متحدہ تختِ سلطنت پر جلوس کرنے کا منصوبہ خوابِ پریشاں بن چکا تھا۔ اب اُس کی تمنا محض یہ تھی کہ جس طرح ہو سکے امیدوں کے تباہ شدہ جہازیں سے اپنا ابتدائی اثاثہ یعنی موروثی سلطنت کا کچھ نور بچا لے۔ اِس مقصد کے لیے کچھ دنوں اور جینا چاہتی تھی اور کمال صبر و استقلال سے اُس زندگی کے مصائب برداشت کر رہی تھی جو ہجومِ غم سے ایک بھیانک خواب بن چکی تھی۔

شوہر کی لاش کو سپردِ خاک کر کے روضے میں واپس آئی تو تیز بخار میں مبتلا ہو گئی۔ کئی دن تک ہذیانی کیفیت رہی۔ بے دریغ ماتم کرنے سے سر و سینہ زخمی ہو گیا تھا۔ اُس کی تکلیف الگ تھی۔ ہذیان کی حالت میں بار بار اُس کے مُنہ سے یہی الفاظ نکلتے تھے کہ "میں جشنِ فتح میں ہرگز ہرگز تشہیر ہونے کو تیار نہیں۔" شدّتِ غم میں یہی التجا کرتی تھی کہ مجھے مرجانے دو۔ کچھ دنوں تک کھانا پینا حرام کر لیا اور اپنے معالج اولمپس سے استدعا کی کہ مجھے کسی طرح غمِ زندگی سے نجات دلا دے۔ آکٹیوین نے یہ تشویشناک خبریں سن کر اُسے ایک بار پھر جتایا کہ اگر تم نے زندہ رہنے کی کوشش نہ کی تو تمھارے بچّوں سے بُرا سلوک کیا جائے گا۔ ماں کی آنچ سے مجبور ملکہ نے پھر زندہ رہنے کی جد و جہد کی اور دوائیں وغیرہ پینے لگی۔

اگست کا مہینا اِس طرح تمام ہوا۔ اب نزار و نزار ملکہ اِس قابل ہو چکی تھی کہ بستر سے اُٹھ کر

۱؎ پلوٹارک کا بیان ہے کہ اس طبیب نے ملکہ کے آخری ایام کی پوری سرگزشت قلمبند کی ہے۔ غالباً یہی اُس کا ماخذ ہے۔

اِدھر اُدھر چل پھر سکے۔ عمر کی اڑتیسویں منزل میں تھی۔ وہ تازگی و رعنائی جو اُس کا امتیازی وصف تھا، ختم ہو چکی تھی مگر زرد چہرے کے اوپر سیاہ آنکھوں کی دلکش چمک بدستور رہتی اور بکھرے ہوئے سیاہ تابدار گیسو غم زدہ حُسن کی شان بڑھا رہے تھے۔ ابتلاو مصائب کے باوجود فسوں سازو پُرسوز آواز کا چلتا جادو برقرار تھا۔ حسنِ غمگیں کی متانت بھری دل فریبی اتنی کشش رکھتی تھی کہ ایک رومی افسر کارنیلیس ڈولابیلا جو اُس کی نگرانی پر مامور تھا، اُس کا جاں نثار خادم بن گیا اور یہ وعدہ کر لیا کہ تمھاری بابت جو کچھ مجھے آکٹیوین سے معلوم ہُوا کرے گا، آ کر بتا دیا کروں گا۔

۲۸ اگست کو جب وہ اپنے فرشِ استراحت پر غم میں ڈوبی ہوئی سمندر پر خالی نظریں جمائے لیٹی تھی، اُس کی خواصیں دوڑتی آئیں اور اطلاع دی کہ آکٹیوین شرفِ باریابی حاصل کرنے آ پہنچا ہے۔ انطونی کی تجہیز و تکفین تک آکٹیوین نے ملکہ سے ملنا مناسب نہ سمجھا تھا۔ پھر اُس کے بعد کئی دن تک وہ بیمار رہی۔ اب کہ اُسے کچھ افاقہ ہو چکا تھا، رومی فاتح حسبِ دستور اُسے صحت یابی کی مبارک باد دینے کے لیے آیا مگر ایسا غیر متوقع آیا کہ ملکہ کو سنبھال کر بیٹھنے تک کی مہلت نہ ملی۔ پلوٹارک کا بیان ہے کہ جوں ہی وہ کمرے میں داخل ہُوا، ملکہ جو خالی ایک شلوکا پہنے لیٹی تھی، اچھل پڑی اور اُٹھ کر اُس کے قدموں میں گر گئی۔ بکھرے ہوئے بال، ڈوبی ہوئی آنکھیں، کپکپاتی آواز اور حیران چہرہ دلی پریشانی کے غماز تھے۔ ماتم کے زخم سر و سینہ پر اب تک موجود تھے اور روح کی طرح سارا جسم بھی خستہ نظر آتا تھا۔ بایں ہمہ سابقہ دلکشی اور رعنائی کسی حد تک برقرار تھیں۔

نازک اندام ملکہ کی یہ حالتِ زار، سیاہ گیسوؤں کا چہرے پر بکھر جانا، سنگ دل، زرد رو، بدہئیت آکٹیوین کے قدموں پر گرنے میں ڈھیلے شلوکے کا شانے سے ڈھل جانا، ایک ایسی درد بھری تصویر ہے جسے دیکھ کر وہ مؤرخ، جس نے اُسے اب تک ہجومِ نا امیدی میں مردانہ وار سینہ سپر دیکھا ہے رنج و غم میں ڈوب جاتا ہے۔ مگر قلوپطرہ کی یہ تصویر خلافِ فطرت نہیں۔ شاہانہ کر و فر، دیوتاؤں کا سا مقدس جاہ و جلال، رعنائی و شادابی بھرا جسم، حکومت کا ٹھاٹھ غرض وہ تمام چیزیں جو ہر سامنے آنے والے انسان کو مسحور کر دیتی تھیں، ختم ہو چکی ہیں۔ اب وہ محض ایک غم زدہ ستم رسیدہ عورت ہے، غم میں چُور! زندگی سے متنفر! موت سے محروم!! جیسا کہ متعدد بار واضح کیا گیا ہے وہ اپنی ہمت و جرأت کے باوجود ایک عورت تھی۔ جسے قدم قدم پر محبت اور سہارے کی ضرورت

ہوتی ہے۔ اب نہ کوئی محبت کرنے والا باقی تھا نہ سہارا دینے والا۔ کوئی بھی عورت ہوتی، اِن ناسازگار حوصلہ شکن حالات میں اِس طرح ٹوٹ کر رہ جاتی۔ مستعدی، اور بے خوفی کے باوجود کامل خود اعتماد ہرگز نہ تھی اور اِس موقع پر اُس کی بدحواسی اور عاجزانہ افتادگی قطعاً فطری تھیں۔

آکٹیوین نے اُسے اُٹھا کر بٹھایا اور خود اُس کے برابر فرش پر بیٹھ گیا۔ ملکہ پہلے تو گزشتہ واقعات کی توجیہیں اور تاویلیں کرتی رہی مگر جب آکٹیوین جرح و تنقید پر اُتر آیا تو ملکہ نے عاجزی اختیار کر لی اور التجا کی کہ مصر کا تخت میرے بیٹے کے لیے چھوڑ دیا جائے۔ اُس نے آکٹیوین کو یقین دلایا کہ اگر میرے ملک اور میرے خاندان کی بقا کی ضمانت دی جائے تو میں زندہ رہنے کے لیے تیار ہوں۔

اُس کے بعد اُٹھ کر جولیس سیزر کے چند خطوط اور ایک تصویر لائی اور آکٹیوین کو دکھا کر بولی "تم جانتے ہو کہ میں تمھارے باپ[1] کی شریکِ زندگی رہ چکی ہوں۔ مصر کا تاج اُسی نے میرے سر پر رکھا۔ ان خطوں کو پڑھو اور اندازہ کرو کہ اُسے مجھ سے کتنا لگاؤ تھا۔ یہ تمام خطوط اُس کے اپنے ہاتھ کے لکھے ہوئے ہیں۔"

آکٹیوین نے اِن خطوں کو اُلٹا پلٹا ہوگا مگر غالباً پڑھا نہیں۔ اِس پر قلوپطرہ بولی "اب یہ خط میرے لیے کارآمد نہیں مگر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ سیزر کی رُوح اِن خطوں میں موجود ہے۔" غالباً اپنے چاہنے والے پُرانے حامی کے خیال نے، جس کی یاد اِن خطوں اور تصویروں سے تازہ ہو گئی تھی، اُسے بے خود کر دیا۔ نحیف و نزار جسم جذبات کے بوجھ سے ٹوٹ گیا۔ سسکیاں بھر بھر کر رونے لگی۔ بے اختیار بار بار مُنہ سے نکلا "کاش آج تم زندہ ہوتے۔" یہ خطاب جولیس سیزر کی رُوح سے تھا۔

آکٹیوین اُسے برابر تسلی دیتا رہا۔ آخر ملکہ نے اپنے آپ کو سنبھالا۔ اور اُس کے رحم و کرم کا اعتراف کر کے بظاہر اطاعت اختیار کرنے کے لیے تیار ہو گئی۔ ملکہ کا ایک داروغہ سیلیوکس روشنے میں اِس ذی جاہ خاتون کے احکام کا منتظر کھڑا تھا۔ اُسے بلا کر حکم دیا کہ میرے زیورات و جواہرات کی وہ فہرست لے آؤ جو میں نے اور تم نے مل کر تیار کی ہے اور میرے کاغذات میں رکھی ہے۔ سیلیوکس نے یہ فہرست لا کر آکٹیوین کو سنائی مگر یہ سوچ کر کہ درماندہ ملکہ سے وفاداری بے فائدہ ہے، نئے آقا

---

[1] آکٹیوین ہمیشہ سیزر کو باپ کہا کرتا تھا۔

کو اپنی دیانت کا یقین دلانا چاہا اور بول اٹھا کہ بعض جواہرات و زیورات، جو ملکہ نے قصداً اپنی اغراض کے لیے چھپا دیے ہیں۔ اس فہرست میں درج نہیں۔ ملکہ کے تن بدن میں آگ سی لگ گئی۔ یکایک فرش سے اچھلی، سیلیوکس کے سر کے بال پکڑ کر خوب جھنجوڑا اور اس کے منہ پر طمانچوں کی بارش کردی۔ ممکن تھا کہ فرطِ غیظ میں اسے زخمی کر دیتی مگر آکٹیوین نے یہ عجیب و غریب منظر دیکھ کر ہنسی ضبط نہ کرسکا۔ اسے چھڑایا اور ملکہ کو آرام سے بٹھایا۔ ملکہ کا طیش ابھی فرو نہ ہوا تھا، چیخ کر بولی "بڑے ستم کی بات ہے کہ تم جیسا عالی مرتبہ سردار میری عیادت کرکے عزت بڑھائے اور میرا یہ کمینہ غلام مجھ پر ان حقیر زیوروں کی خیانت کا الزام لگانے کی جرأت کرے جو میں نے اپنے زار و نزار جسم کی زینت کے لیے نہیں بلکہ محض اس مقصد کے لیے الگ کر رکھے تھے کہ انھیں حقیر تحفے کے طور تمھاری بہن آکٹیویا اور تمھاری بیوی لیویا کو نذر دوں اور ان کی سفارش سے تمھارے رحم و کرم کی مستحق بن سکوں۔"

آکٹیوین اس گفتگو سے بہت خوش ہوا کیونکہ اس سے مترشح ہوتا تھا کہ وہ زندہ رہنے کی خواہش مند ہے۔ یہی وہ چاہتا تھا۔ اس کا مدعا ہی یہ تھا کہ ملکہ کو پابجولاں روم کے بازاروں میں تشہیر کرے اور اس کے بعد جولیس سیزر کے احترام میں اس کی جاں بخشی کرکے اپنی فراخ دلی کا ڈھنڈورا پیٹ سکے۔ ملکہ کو وہ زیورات حسبِ مرضی اپنے پاس رکھنے کی اجازت دی اور یہ یقین دلا کر رخصت ہوا کہ تم سے میرا سلوک انتہائی فیاضانہ ہوگا۔ خوش تھا کہ ملکہ کو خوب پھندے میں پھانسا ہے۔ مگر ایسا سمجھنے میں وہ غلطی پر تھا کیونکہ ملکہ اس دغا باز کو برابر جھانسے دے رہی تھی۔

قلوپطرہ اس کے اندازِ کلام سے سمجھ چکی تھی کہ وہ مجھے روم میں تشہیر کرنا چاہتا ہے اور سیزارین کو مار کر مصر کو زیرنگیں کرلینے پر تلا ہوا ہے۔ خاندان کا انجام اسے صاف نظر آرہا تھا۔ کوئی چیز ایسی باقی نہ رہی تھی جس کی خاطر اسے زندگی عزیز ہوسکتی۔ چند گھنٹے بعد کارنلیس ڈولا بیلا کا قاصد یہ خفیہ خبر لایا کہ آکٹیوین انھیں دو تین دن میں ملکہ کو دونوں بچوں سمیت روم لے جانے والا ہے۔ غالباً وہ چند روز پہلے ملکہ کو اطلاع بھی دے چکا تھا کہ آکٹیوین سیزارین کو قتل کر دینے کا فیصلہ کر چکا ہے کیونکہ ایری لیس نے اسے سمجھا دیا ہے کہ تخت و تاج کے مدعی کو زندہ چھوڑنا خلافِ مصلحت ہے۔

یہ خبر سنتے ہی ملکہ نے جان دے دینے کا فیصلہ کرلیا۔ غم و یاس کے ہاتھوں زندگی عذاب

ہو چکی تھی چشمِ تصور سے دیکھ رہی تھی کہ زندہ رہی تو آکٹیویَن مجھے اور میرے بچوں کو پابجولاں روم کی سڑکوں پر تشہیر کرے گا ـــــ اسی طرح جیسے کہ سیزر نے آرسینو کو کیا تھا۔ عوام آوازے کسیں گے اور طعنہ دیں گے کہ آپ ہی تھیں جو روم کے تخت کو زینت دینے کا خواب دیکھا کرتی تھیں! یہ تصور بجائے خود ناقابلِ برداشت تھا مگر اس سے کہیں زیادہ دردناک یہ حقیقت تھی کہ اگر وہ زندہ رہی تو آج کل میں سیزارین کے سفاکانہ قتل کا صدمہ اٹھانا پڑے گا جو ناگزیر نظر آرہا تھا!

دل میں ٹھان کر ملکہ نے آکٹیویَن کو پیغام بھیجا کہ انطونی کی قبر پر جانے اور ضروری رسوم ادا کرنے کی اجازت چاہتی ہوں۔ اجازت مل گئی۔ اگلے دن یعنی ۲۹ اگست کی صبح کو ڈولی میں پڑ کر خواصوں کو ساتھ لیے انطونی کی قبر پر پہنچی اور وہاں اتر کر بیتابانہ تعویذ سے لپٹ گئی۔ زار زار رو رہی تھی اور بین کرتی تھی "جان سے پیارے انطونی! جن ہاتھوں سے میں نے تمہیں چند روز پہلے دفن کیا تھا آج قیدی ہیں۔ تمہارے فاتحہ کے لیے اس طرح آئی ہوں کہ مجھ پر پہرا لگا ہوا ہے اور بیتاکید ہے کہ میرا زار و نزار جسم اتنا نحیف نہ ہونے پائے کہ میں جشنِ فتح میں تشہیر کیے جانے کے قابل نہ رہوں۔ انطونی! مجھ سے مزید فاتحہ ثواب کی امید نہ رکھنا۔ یہ آخری خراجِ محبت ہے جو میں ادا کرنے آئی ہوں۔ جیتے جی ہم یکجا رہے مگر موت ہمیں جدا کر دینے کی دھمکی دے رہی ہے۔ تم رومی تھے مگر مصر میں دفن ہو سکے، میں مصری ہوں مگر شاید میرے نصیب میں روم کی مٹی لکھی ہے۔ قسمت مجھ سے پھر گئی ہے مگر تم عالمِ بالا میں میری دستگیری کرو، اپنی بیوی کو تشہیر کی ذلت سے بچالو اور اسی قبر میں چھپالو۔ مصائب تو بہت پڑے مگر تمہاری موت سے اب تک کا یہ مختصر عرصہ میرے لیے قیامت بن گیا ہے۔

دیر تک اسی طرح قبر کے تعویذ سے چمٹی رہی۔ غم و اندوہ کی شدت نے وہ تمام اختلافات بھلا دیے جو کبھی اس کے اور مرنے والے کے درمیان اٹھے تھے۔ فقط گزشتہ محبت کی دل ہلا دینے والی یاد باقی رہی۔ تھوڑی دیر بعد اٹھی۔ جی کو سنبھالا۔ قبر پر پھولوں کی چادر چڑھائی اور ڈولی میں پڑ کر واپس آگئی۔

لہ غالباً اس موقع پر ملکہ کا طبیب اولمپس ساتھ تھا جس نے اپنی یادداشت میں یہ واقعہ قلمبند کیا۔ اور اسی سے پلوٹارک نے نقل کیا۔

واپس آکر ملکہ نے حمام تیار کرنے کا حکم دیا۔ نہا دھو کر زرتار لباس پہنا، عطر ملا، بال گندھوائے اور سونے پر دراز ہو گئی۔ اُس روز خوب پُرتکلف کھانا کھایا۔ اُس کے بعد آکٹیوین کو ایک مختصر سا خط لکھا جس میں وصیت تھی کہ مجھے انطونی کے پہلو میں دفن کیا جائے۔ یہ خط بھجوا کر ہدایت کی شارمیان اور عیراس کے سوا ہر شخص روضے سے نکل جائے۔ دروازے بند کرا دیے۔ روضے کے باہر پہرے دار نے حسب معمول چوکی بدلی۔

خط پڑھتے ہی آکٹیوین کا ماتھا ٹھنکا۔ فوراً روضے کی طرف لپکا مگر پھر ازراہِ احتیاط رک گیا۔ اپنے بجائے دو افسروں کو دوڑایا کہ خبر لاؤ کیا واقعہ ہے۔ یہ افسر یہاں پہنچے تو حسب معمول سنتری کو مطمئن پایا۔ مگر پھاٹک بند تھا، اُسے توڑ تاڑ اندر گھسے تو بدترین شبہات سامنے آ گئے۔ قلوپطرہ اپنے زرنگار بستر پر لیٹی، شاہانہ یونانی پوشاک پہنے ابدی نیند سو رہی تھی۔ شاہی جواہرات جسم پر جگمگ جگمگ کر رہے تھے اور ماتھے پر بطلیموسی تاج ادائے کج کلاہی سے رکھا تھا۔ عیراس اُس کے پاؤں میں پڑی دم توڑ رہی تھی اور شارمیان کہ وہ بھی عالم نزع میں تھی، لڑکھڑا لڑکھڑا کر اُٹھنے اور کپکپاتے ہاتھوں سے اپنی ملکہ کا تاج سنوارنے کی ناکام کوشش کر رہی تھی۔

اِسی عالم میں ایک رومی افسر نے جھلا کر نیم لعبل شارمیان سے پوچھا "تمھاری ملکہ نے یہ کیا کیا؟" شارمیان نے اپنا پھیکا خاکستری چہرہ اُس کی طرف پھیرا، سونے کے سہارے سیدھی ہوئی اور ہانپ کر بولی "بہت اچھا کیا۔ ایسی بادشاہزادی کو یہی زیبا تھا۔" بس اتنا کہا اور ملکہ کے برابر گر کر ختم ہو گئی۔

دونوں افسروں نے ہرکارے بھیج کر آکٹیوین کو اِس سانحے کی اطلاع دی اور غالباً تحقیقات کرنے لگے کہ ملکہ نے کس طرح خودکشی کی۔ سنتری پہلے تو کچھ بھی تشریح نہ کر سکے۔ مگر آخر اتنا بتایا کہ "آج صبح ایک دہقان انجیروں کی ٹوکری لیے آیا تھا۔ ہم نے یہ سمجھ کر کہ ملکہ کے لیے ہے اندر جانے کی اجازت دے دی۔ بلکہ جب ہم نے پتے اٹھا کر انجیر دیکھے اور اُن کی عمدگی کی تعریف کی تو اُس نے ہنس کر ہمیں بھی کچھ دانے دینے چاہے مگر ہم نے انکار کر دیا۔" یہ معلوم ہو چکا تھا کہ قلوپطرہ افعی سے ڈسوا کر مرنے کو نہایت آرام دہ سمجھتی تھی۔ قدرتاً یہی خیال ہوا کہ دہقان کے ذریعے سے یہ چھوٹا سا زہریلا ناگ منگوایا گیا اور ملکہ نے اُس سے ڈسوا کر جان دے دی۔ سانپ

کی تلاش ہوئی۔ وہ تو کیا ملتا مگر ایک سپاہی بولا کہ میں نے اُس کی لکیر سی دیکھی تھی جو روضے سے سمندر کی طرف جاتی تھی۔ ایک محافظ نے جو دہقان کے ساتھ اندر تک گیا تھا یہ بھی بتایا کہ قلوپطرہ نے انجیر دیکھتے ہی کہا تھا کہ "آخر آ ہی گیا" بعض آدمیوں کا خیال تھا کہ سانپ کئی دن پہلے سے ایک برتن میں رکھا تھا۔ آج ملکہ نے اُسے نکال کر اُسے چھیڑا اور ڈسوا لیا۔ لاش کا معائنہ ہوا تو دو ننھے ننھے نشان نظر آئے جیسے سانپ کے کاٹے کے ہوں بعض اشخاص کی رائے تھی کہ ملکہ اپنے کھوکھلے کنگھے میں زہر چھپائے تھی جسے آج استعمال کر لیا۔ یہ خیال اس لحاظ سے قابلِ قبول تھا کہ تین موتیں بیک وقت واقع ہوئی تھیں۔

تھوڑی دیر بعد آکٹیوین بھی آ پہنچا۔ سپیروں کو بلا کر زہر چوسنے کا حکم دیا مگر سب تدبیریں بیکار تھیں۔ اپنا منصوبہ اس طرح بگڑا ہوا دیکھ کر افسوس تو ہوا لیکن ملکہ کے دلیرانہ اقدام کی داد دیے بغیر نہ رہ سکا۔ خود اُس کا نظریہ تھا کہ موت افعی کے ڈسنے سے واقع ہوئی تھی چنانچہ جشنِ فتح میں جب قلوپطرہ کے مجسمے کی نمائش کی تو اسی انداز سے کہ افعی اُس کے بازو سے لپٹا ہوا ہے۔ کہا نہیں جاتا کہ صحیح واقعہ کیا تھا مگر مسلّمہ نظریے کو جھٹلانے کے لیے کوئی دلیل نہیں ملتی۔ مجھے یقین ہے کہ ملکہ کے پاس زہر بھی تھا اور وہی اُس کی دو خادماؤں نے کھا کر جان دی۔ ملکہ بھی زہر کھا سکتی تھی مگر سابقہ تجربات کی روشنی میں افعی سے ڈسوانا مناسب سمجھا۔

آکٹیوین نے ملکہ کے حسبِ وصیت اُسے انطونی کے پہلو میں دفن کرنے کا حکم دیا۔ غالباً اُس نے برنیس کی طرف قاصد بھیج رکھے تھے جنہیں ہدایت تھی کہ جس طرح ممکن ہو سیزارین کو ہندوستان جانے سے باز رکھیں۔ سیزارین نے اپنے اتالیق رھوڈرس سے مشورہ کیا۔ اُس نے صلاح دی کہ غریب الوطنی اختیار کرنے کے بجائے آکٹیوین کے رحم و کرم پر بھروسا کیا جائے۔ غرض ملکہ کو مرے چند دن ہوئے تھے کہ اسکندریہ پہنچا۔ آکٹیوین نے اس فتوے پر کہ "دو بادشاہ در اقلیمے نہ گنجد" بلا تامل قتل کرا دیا اور اس طرح وہ نوجوان جو فراعنۂ مصر کی بلوگاز دودمانِ بطلیموس کا چشم و چراغ اور سیزر کا صحیح وارث تھا، مارا گیا۔ قلوپطرہ سیلین اور شہزادہ بطلیموس روم بھیج دیے گئے۔ الیگزنڈر ہیلیوس اپنی نامزدہ میڈیا کے پاس تھا اُسے بھی بلوانے کا انتظام کیا گیا۔

میرا خیال ہے کہ آکٹیوین نے مصر کو ذاتی مملکت کے طور پر سنبھال لیا تھا مصر کو رومی مقبوضات میں شامل کرنے کے اعلان سے بغاوت کا احتمال تھا لیکن شاہی کا اعلان کرنا بھی خلافِ مصلحت تھا۔

اُس نے درمیانی راستہ اختیار کیا۔ مصر کے پہلے پروہت کو اپنا دستِ راست بنا کر اور یہ جتا کر کہ میں جولیس سیزر کا متبنیٰ اور سیزارین وغیرہ کے مر جانے پر اُس کا جائز وارث ہوں، مصر کا حاکم بن بیٹھا۔ اہلِ مصر نے اُسے بے چون و چرا بادشاہ تسلیم کر لیا چنانچہ اُس عہد کے مندروں پر اُس کا نام بحیثیتِ شاہِ مصر کندہ ہے کہیں کہیں اُسے 'مختار' کے نام سے بھی موسوم کیا جاتا تھا۔ جو انطونی کا لقب تھا اور بادشاہی کی سی اہمیت رکھتا تھا۔ مصر کی بادشاہی آکٹیوین کی اولاد کو پشت بہ پشت منتقل ہوتی رہی۔ یہ سب روم میں تخت نشین ہوتے تھے اور مصر میں فرعون اور ابن الشمس کے خطاب سے بادشاہ تسلیم کر لیے جاتے تھے۔ اہلِ مصر اپنے آپ کو روم کا زیرِ دست سمجھنے کے بجائے خود اپنے بادشاہ کی رعیت سمجھتے تھے جو بیک وقت مصر اور روم کا فرماں روا تھا اِس طرح روم اور مصر کی مشترکہ حکومت کا منصوبہ جسے قلوپطرہ پورا نہ کر سکی، اُس کے مرنے کے بعد تشکیل پذیر ہوا اگرچہ کسی اور نسل کے ذریعے سے ہوا۔

زمانے کا آئین ہے کہ ایک خانوادے کے بعد دوسرے خاندان کو تختِ شاہی عطا کرتا ہے۔ تغیر اس کا قانون اور عزل و نصب اس کا دستور ہے۔ قدیم ممنیوفص، طاطینوفص اور سامیطکس خاندان یکے بعد دیگرے اپنی اپنی شان دکھا کر نابود ہو چکے تھے، آخر دودمانِ بطلیموس بھی فنا ہو گیا اور قیاصرۂ روم نے اُس کی جگہ لے لی جنھیں خود پسند مشیخی باز مصریوں نے اپنا بادشاہ کہنا شروع کیا۔ عملاً مصر ایک رومی صوبہ بن گیا اگرچہ آکٹیوین نے اس کا اعلان نہ کیا اور اُسے براہِ راست روم کا ماتحت بنانے کے بجائے ایک وائسرائے کے ذریعے سے اُس پر حکومت کرتا رہا۔ رومی سمجھتے تھے کہ مصر ہمارے مقبوضات میں شامل ہے مگر اہلِ مصر کا ادعا تھا کہ ہمارا ملک ایک خود مختار شاہی مملکت ہے۔

آکٹیوین نے ملکہ کی یاد کا ہمیشہ احترام کیا اور اُس کے مجسمے بدستور نصب رہنے دیے[1]۔ اُس کے خزانوں اور جاگیر پر قبضہ کر لیا۔ سونے چاندی کے ڈھیروں اور طلائی ظروف کو پگھلا کر سکے ڈھلوا لیے جن سے فوج کی تنخواہ ادا کی۔ محل کے بیش قیمت ساز و سامان پر قبضہ کر لیا اور نادروں کے

---

[1] کہا جاتا ہے کہ ملکہ کے کسی ہوا خواہ نے بھاری رشوت دے کر آکٹیوین کو اس بات پر راضی کیا تھا مگر غالباً اس کی تہ میں سیاست کارفرما تھی۔

خزانے سمیٹے، ۲۹ق م میں روم واپس آیا۔

اسی سال اگست کی تیرھویں، چودھویں اور پندرھویں تاریخ کو آکٹیوین نے تین جشن منائے۔ پہلا الیریائی فتوحات کا، دوسرا معرکہ اکشیم کی یاد میں، تیسرا فتح مصر کی خوشی میں۔ اس آخری جشن میں قلوپطرہ کا مجسمہ اس طرح نکالا گیا کہ سانپ اس کے بازو پر لپٹا ہوا تھا۔ دونوں توام بچوں یعنی الیگزنڈر ہیلیوس اور قلوپطرہ سلینی کو اس جلوس میں سڑکوں پر پیادہ پا پھرایا گیا۔ دریائے نیل اور مصر کے خیالی مجسمے اور مال غنیمت کی بے اندازہ مقدار گاڑیوں پر لدی ہوئی تھی۔ خود پسند رومی نشۂ غرور میں چور تھے۔ قلوپطرہ کی ضلالت کے افسانے تراشے گئے۔ ہوریس نے ایک نظم میں لوگوں کے جذبات کی ترجمانی کر کے بدنصیب ملکہ کو روم کا دشمن ٹھہرایا۔ آکٹیوین پر اعزازات کی بارش ہوئی۔ اُسے آگسٹس (ذی جاہ) کا خطاب ملا اور سیزر کا جانشین تسلیم کیا گیا۔ وہ بھی جولیس سیزر کی یاد کا پورا احترام کرتا رہا، چنانچہ فروری میں باقاعدہ لوپرکیلیا (عید) منا کر اپنے ماموں کی یاد تازہ کیا کرتا جسے اہل روم دیوتا قرار دے چکے تھے۔

زمانۂ غدار کی سفاکی کے تماشے دیکھ چکے؟ اب محبت و مروت کی ایک داستان بھی سن لو۔ اُسی شوہر پرست آکٹیویا نے، جسے انطونی دو سال پہلے طلاق دے چکا تھا۔ انطونی اور قلوپطرہ کے تینوں بچوں کو اپنی آغوشِ عاطفت میں لے لیا۔ غالباً آکٹیوین نے کمال دانشمندی سے اس مشکل کا یہی حل سوچا تھا۔ اہل مصر اُسے قلوپطرہ کا جانشین اور اپنا بادشاہ مانتے تھے۔ ان بچوں کو قتل کرا دیتا تو مصر والے سخت برہم ہوتے۔ آکٹیویا نے شرافت و مروت کے نام کی لاج رکھی۔ اپنے بیوفا شوہر کے ان تینوں بچوں اور انطونیس کو، جو انطونی کی سابقہ بیوی فلویا کے بطن سے تھا، اپنی دونوں بیٹیوں کے ساتھ پرورش کیا۔ قلوپطرہ سلینی جوان ہونے پر نومیڈیا کے شاہ سے بیاہ دی گئی جو ایک علم دوست بادشاہ تھا۔ دونوں کے بیٹے کا نام بطلیموس رکھا گیا جو ۱۹ق م میں باپ کا جانشین ہوا۔ قسمت کی ستم ظریفی دیکھیے کہ اس شہزادے کو قتل کیا تو کیلی گولا نے جو خود بھی انطونی ہی کی نسل سے تھا۔ کچھ اندازہ نہیں کہ الیگزنڈر ہیلیوس اور شہزادہ مصر بطلیموس کا کیا انجام ہوا۔ آکٹیویا ۱۱ ق م میں فوت ہوئی۔ انطونی کا بیٹا انطونیس ۲ق م میں قتل ہوا، اس جرم کی پاداش میں کہ آکٹیوین کی بیٹی جولیا سے ملوث تھا۔ وہ بھی پانڈاٹیریا کے

ویران جزیرے میں جلا وطن کی گئی۔ آکٹیویَن اقبال و کامرانی کے سایے میں پوری عمر پاکر ۱۴ء میں فوت ہوا اور ٹائی بیریس نے اپنے متوفی باپ کی جگہ روم اور مصر کے شاہی تخت کو زینت بخشی۔

آکٹیویَن (آگسٹس) کے عہدِ حکومت کے آخر میں مصر کا تمدن روم کی تہذیب پر چھا گیا۔ مصری اندازِ فکر نے اہلِ روم کے دل و دماغ پر غلبہ پا لیا اور ایسا معلوم ہوتا تھا کہ ناکام مرنے والی قلوپطرہ کی روح روم پر فرمان روائی کر رہی ہے۔ فریرو یہاں تک لکھتا ہے کہ اُن دنوں روم میں جمہوریت کے بجائے ملوکیت کے خیالات پیدا ہو گئے تھے اور سادہ رومی تمدن پر مشرقی تکلف و نزاکت کا غلبہ ہو گیا تھا جس کی واحد وجہ مصری اثرات تھے۔ مصر کے فن کار اور کاریگر بے تحاشا روم آ رہے تھے اور رومی سردار جنھیں مصر میں جاگیریں ملی تھیں، دن رات مصر جا رہے تھے اور اس طرح مصری فنون سے آشنا ہو رہے تھے۔ ہر امیر کا قصر مصری سنگ تراشی اور نقاشی کے شاہکاروں سے مزین تھا اور ہر مہذب رومی مصری ادبیات کا دلدادہ تھا۔ ہر رومی کی آرزو تھی کہ گھر کی آرائش کے لیے کسی مصری کی خدمات حاصل کرے۔ ہر شخص یونانی مصری طور طریقوں کی لطافت پر فریفتہ تھا۔ قلوپطرہ کی رعایا نے روم کے سادہ تمدن کو اسی طرح نیست و نابود کر دیا جس طرح آج کل فرانس اور اٹلی کی نزاکت و نفاست عزلت پسند لندن کی سادگی کو ختم کر رہی تھی۔

اس اندازِ فکر سے سوچیے تو قلوپطرہ کی روح آخر روما الکبریٰ پر قبضہ کر کے رہی۔ اُس کی تمنا تھی کہ میری نسل سیزر کے بیٹے سیزارین کے ذریعے سے چلے مگر یہ نہ ہوا۔ اور روم کا متحدہ تخت و تاج سیزر کے بھانجے کے نصیب میں تھا۔ اگرچہ رومی ملوکیت کے قیام کا سہرا مصری اثرات کے سر ہے مگر یہ دیکھ کر افسوس ہوتا ہے کہ گزشتہ محاربات کے خیال سے اہلِ روم ہر طرح قلوپطرہ کی توہین و تذلیل کرتے رہے۔ اُسے سنگ دل، سفاک، بیوفا، شہوت پرست اور کیا جانے کتنے اُلٹے سیدھے خطابات ملے۔ اور اب اندھی دنیا اِس حوصلہ مند ذی جاہ ملکہ کو اسی نظر سے دیکھتی ہے۔ عہدِ عتیق کے طالب علم کا فرض ہے کہ متعصب مؤرخوں کے زہریلے فقروں کو پہچانے، پروپیگنڈسٹوں کے تضحیک آمیز الفاظ کو جانچے اور ہوریس کی نظم کو، جو فتح و ظفر کی بدمستی میں اُس کے قلم سے ٹپکی ہے، اچھی طرح پرکھے۔ ان گندہ مآخذ کی غلطیاں دیکھے پھر یہ اندازہ کرے کہ جو کچھ ہم نے لکھا ہے وہ رعایت و طرفداری پر نہیں بلکہ تحقیق و تدقیق پر مبنی ہے بحیثیتِ مؤرخ

مجھے حق حاصل ہے کہ بیس صدی پہلے کے تاریک واقعات پر عفو و رعایت کا قلم پھیر دوں مگر میں نے ان اوراق میں اُس بدنصیب عورت کی سرگزشت بے کم و کاست لکھی ہے جو عمر کے زیادہ حصے میں تنہائی و بیکسی کے باوجود مردانہ وار جدّ و جہد کرتی رہی اور جب مایوس ہو کر اپنے مصائب کا خود خاتمہ کرنے پر مجبور ہوئی تو اُس میں بھی شاہانہ وقار قائم رکھا کیونکہ "ایسی بادشاہزادی کو یہی زیبا تھا"۔

کتبہٗ: محمد شریف عباسی